# تاریخ فقہ اسلامی

از

عبد السلام ندوی

Marfat.com

Marfat.com

سلسلۂ دارالمصنفین

# تاریخِ فقہ اسلامی

یعنی

علامہ محمد الخضری مرحوم کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں
فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات بہ تفصیل بیان کی گئی ہیں۔

از

عبدالسّلام ندوی

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
اسلام آباد
لاہور - راولپنڈی - ملتان - کراچی - سکھر - پشاور - کوئٹہ

۵۲۸۲۳

جملہ حقوق محفوظ

TEXT BOOK

یہ کتاب نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان نے دارالمصنفین اعظم گڈھ سے پاکستان کے لیے جملہ حقوق حاصل کر کے شائع کی۔

| | | |
|---|---|---|
| طبع اول : | 1979 : | 2000 ہزار |
| طبع دوم : | 1983 : | 1000 ہزار |
| طبع سوم : | 1993 : | 1000 ہزار |

کوڈ نمبر : ڈی ایم آر پی / آئی 1000/24

مطبع : منزا پرنٹنگ کارپوریشن

Marfat.com

مبادی سیکھ لیے ہیں۔ وہ نحو و حساب سے زیادہ فقہ کو نہیں جانتا اور اس معاملہ میں تمام مذہبی
ان کی حالت یکساں ہے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ سند لینے کے بعد ان میں کوئی شخص اپنے
ردہ علم پر اضافہ کرنے اور نا معلوم باتوں کے معلوم کرنے اور اختلافِ فقہاء کے جاننے کے لیے
ہتمام کرتا ہے۔ بلکہ امتحان کے دن اس کی جو حالت تھی، وہ قائم رہ جاتی ہے اور یہ سب سے بڑا
ہے۔

میرا درجہ صرف ایک مؤرخ کا ہے جو واقعات کو بعینہٖ بیان کر دیتا ہے لیکن اگر میں مذہبی تعلیم کے
کوئی مطالبہ پیش کر سکتا ہوں، وہ حسب ذیل ہے:

ابتدائی تعلیم صرف ان احکام تک محدود ہو جن کو امامِ مذہب نے بیان کیا ہے اور ایک آسان
ب سے جو اس کے لیے انتخاب کی جائے ان کی تعلیم دی جائے۔

دوسرے درجہ میں ایک مبسوط کتاب پڑھائی جائے جس میں ان ائمہ مذاہب کی رائیں درج
جنھوں نے طلبہ کے امام سے اختلاف کیا ہے یا ترجیح دی ہے یا کسی مسئلہ کو اختیار کیا ہے۔ اس کے
ہر فریق کے دلائل قائم کیے جائیں اور اس کے لیے کتب خلاف مذہبیہ میں سے، جن کی تعداد ہر مذہب
بکثرت ہے، کوئی کتاب انتخاب کی جائے۔ ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث کا بھی درس دیا جائے، اور
ی کی تعلیم فقہ، اصولِ فقہ اور کتاب و سنّت سے جو چیزیں احکام کے ساتھ متعلق ہوں، ان تک محدود
جائے۔ اور اس میں اختلافِ ائمہ اور ان کے طرقِ استدلال کی بھی تعلیم دی جائے۔

اور فقیہ کا درجہ صرف اس شخص کو دیا جائے جو دو یا تین مسئلوں پر ایک تحریر لکھے جس میں ان
ئل کے متعلق اختلافاتِ فقہاء کی تشریح کرے، ان کے اختلاف کے اسباب اور ان اصولی قواعد کو
ئے جس پر ہر قائل نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے۔

۔ ہمک انجام نہیں پا سکتا جب تک علماء ان درسی کتابوں کے انتخاب پر

ے اکابر علماء نے لکھا ہے۔

میں وسعت پیدا ہوگی اور ہم اپنے اسلاف کی

Marfat.com

روش کے متبع ہو سکیں گے، تفقہ فی الدین کا ملکہ حاصل کریں گے اور مستقبل میں ہم میں ایسے فقہا
گے جن پر اعتماد کیا جائے گا اور ان کے اقوال کا اعتبار ہوگا۔ اور جب ہم کو ہر سال اس طرح کے
ے لوگ مل جائیں گے تو ہمارے لیے یہ ممکن ہوگا کہ اپنے علماء و فقہاء کے ذریعہ سے گذشتہ زم
تفاخر کریں۔

کبار علماء میں ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں کہ اگر وہ خلوص سے کام لیں تو اپنی قوم کو ا
تک پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن ان کے نام لینے کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔ ہم خدا سے یہ سوال کر
سب کو اپنے دین اور شریعت کی خدمت کرنے کی توفیق دے تاکہ وہ ایک بلند زندگی حاصل کر
کے کوئی معنی نہیں کہ ہم ہر چیز کو ایک دائمی ترقی کی حالت میں دیکھیں اور خود کھڑے رہیں۔ قیل
سوا ہمارا کوئی مقصد نہ ہو۔ جس حالت میں ہم ہیں اس سے بہتر ہونا اور ماضی کی طرف تھوڑی سی
ہمارے لیے ضروری ہے تاکہ اپنے مستقبل کے بنانے کے شوق سے ہمارے نفوس میں ایک
پیدا ہو جائے۔

**ہر متفقہ فی الدین سے خطاب** میں نے تمہارے لیے یہ کتاب لکھی ہے اور اس
کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہارے سامنے تمہارے سلفِ صالح کی تصویر پیش ... اور
پر آمادہ کروں۔ اس کے بعد انشاء اللہ ایک دوسری کتاب لکھوں گا جس میں ... یلیہ اور ان
اختلاف کا ذکر کروں گا کیونکہ میں نے اس کتاب میں جو مسائل بیان کیے ہیں وہ بالتبع صرف
غرض سے بیان کیے ہیں۔ خدا سے میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو اور تم کو نیکی کی توفیق دے
والا اور قبول کرنے والا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

J-229—Punjab University Press—25,000—15-2-95

Form 22

Call No. ۲۹۷.۵۳۹ ........ عبد ۱۵ج م

Accession No. ..... (۵۴۸۶۳ر) ..... ....

The book was drawn form the Library on the date last marked. It can be retained for the period permitted by the rules governing the class of your membership.

*Text books and current periodical must be returned within three days.*

TEXT BOOK

17 NOV 1999

02 FEB 2017

08 FEB 2017

اسلامی فقہ - تاریخ

عنوان

Marfat.com

# فہرست مضامین
# تاریخ فقہ اسلامی


| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| دیباچہ ۔ مقدمہ | ا - ۱ | **تیسرا دور** | ۱۶۵ |
| **پہلا دور** | ۳ | صغار صحابہؓ اور ان کے تلامذہ تابعینؒ کے عہد میں فقہ | ،، |
| فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں | ، | سیاسی صورت حال ۔ اس دور کی امتیازی خصوصیات | ۱۶۵ - ۱۶۷ |
| قرآن و حدیث ۔ نزولِ قرآن کی کیفیت | ۳ - ۱۲ | اس دور میں اجتہاد ۔ قرآن و حدیث | ۱۸۰ |
| مکی اور مدنی آیتوں کی امتیازی خصوصیات | ۱۴ | اس دور کے مشہور مفتی | ۱۸۱ |
| قرآن مجید میں فقہ اسلامی کا بنیادی اصول ۔ عدم حرج | ۱۷ | **مفتیانِ مدینہ** | ، |
| قلتِ تکلیف ۔ تدریج ۔ نسخ ۔ قرآن مجید کا طرزِ بیان | ۱۹ - ۳۰ | امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا | ،، |
| نماز کے متعلق جملہ احکام قرآنیہ ۔ حدیث ۔ نماز | ۳۸ - ۴۵ | حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ | ۱۸۲ |
| روزہ ۔ حج اور عمرہ ۔ زکوٰۃ ۔ جہاد ۔ معاہدات باہمی | ۵۲ - ۷۹ | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ | ،، |
| اسیرانِ جنگ ۔ غنیمتِ جنگ ۔ نظام منزلی ۔ نکاح | ۸۲ - ۹۲ | حضرت سعید بن المسیب المخزومی رضی اللہ عنہ | ۱۸۳ |
| طلاق ۔ نظام وراثت ۔ معاملات ۔ تعزیرات | ۹۹ - ۱۲۹ | حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام الاسدی رضی اللہ عنہ | ۱۸۴ |
| **دوسرا دور** | ۱۳۶ | ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام المخزومیؒ | ،، |
| فقہ بعہد کبار صحابہؓ ۱۱ھ سے ۴۰ھ تک | ، | حضرت علیؓ بن الحسین بن علی بن ابی طالب الہاشمیؒ | ، |
| اجمالی طور پر سیاسی صورت حال | ، | حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ | ، |
| قرآن و حدیث دوسرے دور میں ۔ اس دور میں اجتہاد | ۱۳۷ - ۱۴۵ | حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ | ۱۸۵ |
| حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ | ۱۶۲ | حضرت سلیمان بن یسار مولیٰ ام المؤمنین میمونہؓ | ،، |
| حضرت زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہ | ۱۶۳ | قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ | ،، |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| حضرت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ | ۱۸۶ | حضرت عامر بن شراحیل الشعبیؒ علامۃ التابعین | ۱۹۲ |
| محمد بن مسلم المعروف بابن شہاب الزہریؒ | ، | **مفتیانِ بصرہ** | ، |
| ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین المعروف بالباقرؒ | ۱۸۷ | حضرت انس بن مالک انصاری خادم رسول اللہؐ | ، |
| ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان فقیہ مدینہ | ، | حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحیؒ | ۱۹۳ |
| یحیی بن سعید انصاریؒ۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن فروخ | ، | حضرت حسن بن ابی الحسن یسار مولیٰ زید بن ثابتؓ | ، |
| **مفتیانِ مکہ** | ۱۸۸ | حضرت ابوالشعثاء جابر بن زید صاحب ابن عباسؓ | ، |
| حضرت عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب | ، | حضرت محمد بن سیرینؒ مولیٰ حضرت انس بن مالکؓ | ، |
| حضرت مجاہد بن جبیر مولیٰ بن مخزومؒ | ، | حضرت قتادہ بن دعامۃ السدوسی | ۱۹۴ |
| حضرت عکرمہؒ مولیٰ ابن عباس | ۱۸۹ | **مفتیانِ شام** | ، |
| حضرت عطاءؒ بن ابی رباح مولیٰ قریش | ، | حضرت عبدالرحمن بن غنم الاشعریؒ | ، |
| حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس مولیٰ حکم | | ابوادریس الخولانی عائذ اللہ بن عبداللہ | ، |
| بن حزام | ، | قبیصہ بن ذویبؒ۔ مکحول بن ابی مسلمؒ | ۱۹۵ |
| **مفتیانِ کوفہ** | ۱۹۰ | رجاء بن حیوۃ الکندیؒ | ، |
| حضرت علقمہ بن قیس النخعی فقیہ عراقؒ | ، | حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز بن مروان | ، |
| حضرت مسروق بن الاجدع الہمدانی الفقیہؒ | ، | **مفتیانِ مصر** | ۱۹۶ |
| حضرت عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادیؒ | ، | حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ | ، |
| حضرت اسود بن یزید النخعیؒ | ۱۹۱ | ابوالخیر مرثد بن عبداللہ الیزانی مفتی اہل مصر | ، |
| حضرت شریح بن حارث الکندیؒ | ، | یزید بن حبیب مولیٰ الازد | ، |
| حضرت ابراہیم بن یزید النخعیؒ فقیہ عراق | ، | **مفتیانِ یمن** | ۱۹۷ |
| حضرت سعید بن جبیر مولیٰ والبیہ | ، | طاؤس بن کیسان الجندی۔ وہب بن منبہ الصنعانی | ، |

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| یحییٰ بن ابی کثیر مولیٰ طے | ۱۹۷ | محمد بن سماعہ تمیمیؒ۔ محمد بن شجاع الثلجیؒ | ۲۷۳ |
| چوتھا دور | ۲۰۲ | ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی | ۲۷۴ |
| اس دور کی فقہ۔ سیاسی صورتِ حال | ، | ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرائے البصریؒ | ، |
| اس دور کی امتیازی خصوصیات۔ تمدن کی وسعت | ۲۰۵ | ابوجعفر احمد بن ابی عمران قاضیؒ دیار مصریہ | ، |
| اسلامی شہروں میں علمی حرکت | ۲۰۶ | احمد بن عمر بن الشہیر بالخصاف | ، |
| حفاظِ قرآن کی تعداد میں اضافہ اور قرآن مجید کے | | بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی المصری | ، |
| ادا کرنے کی طرف توجہ | ۲۰۸ | قاضی ابوخازم عبدالحمید بن عبدالعزیز | ، |
| قراء سبعہ۔ تدوینِ حدیث۔ مادۂ فقہ میں نزاع | ۲۰۸-۲۱۲ | ابوسعید احمد بن الحسین البردعیؒ | ، |
| تدوینِ اصولِ فقہ۔ اصطلاحاتِ فقہیہ کا ظہور | ۲۵۵-۲۶۳ | ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاویؒ | ۲۷۵ |
| ان اکابر فقہاء کا ظہور جن کی سیادت کو عام طور پر | | امام مالکؒ۔ ابومحمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشیؒ | ۲۷۵-۲۷۹ |
| لوگوں نے تسلیم کر لیا۔ | ۲۶۵ | ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم العتقیؒ | ۲۷۹ |
| امام ابوحنیفہؒ، سفیان بن سعید ثوریؒ | ۲۶۶-۲۶۸ | اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامریؒ الجعدی | ۲۸۰ |
| شریک بن عبداللہ النخعیؒ | ۲۶۹ | ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ | ۲۸۰ |
| محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ | ، | اصبغ بن الفرج الاموی۔ محمد بن عبداللہ بن الحکمؒ | ۲۸۰-۲۸۱ |
| ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ | ، | محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندریؒ | ۲۸۱ |
| زفر بن ہذیل بن قیس کوفیؒ | ۲۷۰ | ابوعبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن القرطبیؒ | ، |
| محمد بن الحسن بن فرقد شیبانیؒ | ، | عیسیٰ بن دینار اندلسیؒ۔ یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثیؒ | ۲۸۲ |
| حسن بن زیاد لولویؒ۔ ابراہیم بن رستم مروزیؒ | ۲۷۱-۲۷۲ | عبدالملک بن حبیب بن سلیمان السلمیؒ | ۲۸۳ |
| عمر بن حفص۔ بشر بن غیاث المریسیؒ | ۲۷۲-۲۷۳ | ابوالحسن علی بن زیاد تونسیؒ۔ اسد بن فراتؒ | ، |
| بشر بن ولید کندیؒ۔ عیسیٰ بن ابان بن صدقہؒ | ۲۷۳ | عبدالسلام بن سعید التنوخیؒ | ۲۸۴ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| احمد بن معدل بن غیلان العبدیؒ | ۲۸۵ |
| قاضی ابو اسحاق اسماعیلؒ۔ عبدالملک بن عبدالعزیزؒ | ۲۸۵-۲۸۶ |
| امام شافعیؒ | ۲۸۷ |
| ابو ثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی البغدادیؒ | ۲۹۰ |
| امام احمد بن حنبلؒ، حسن بن محمد الصباح الزعفرانیؒ | ۲۹۱ |
| ابو علی الحسین بن علی الکرابیسیؒ | ۲۹۲ |
| احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز البغدادیؒ | ״ |
| داؤد بن علی بن امام اہل الظاہرؒ | ۲۹۳ |
| ابو عثمان بن سعید الانماطیؒ | ״ |
| ابو العباس احمد بن عمر بن سریجؒ | ״ |
| ابو العباس احمد بن ابی احمد الطبریؒ | ״ |
| ابو جعفر محمد بن جریر الطبریؒ | ״ |
| یوسف بن یحییٰ البویطی المصریؒ | ״ |
| ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی المصریؒ | ۲۹۴ |
| ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار المرادیؒ | ״ |
| حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ التجیبیؒ | ۲۹۵ |
| یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی المصریؒ | ״ |
| ابوبکر محمد بن احمد المعروف بابن الحداد مزنیؒ | ״ |
| امام احمد بن حنبلؒ | ״ |
| ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی المعروف بالاثرمؒ | ۲۹۶ |
| احمد بن محمد بن الحجاج المروزیؒ | ۲۹۶ |
| اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہ المروزیؒ | ״ |
| ائمہ شیعہ۔ فنا شدہ مذاہب | ۲۹۷-۳۰۰ |
| ابو عمر عبدالرحمٰن بن محمد الاوزاعیؒ | ۳۰۰ |
| ابو سلیمان داؤد بن علی بن خلف الاصبہانیؒ | ۳۰۲ |
| ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبریؒ | ۳۰۶ |
| علی بن عبدالعزیز بن محمد دولابیؒ | ״ |
| ابوبکر محمد بن احمد بن ابی الثلج الکاتبؒ | ״ |
| ابو الحسن احمد بن یحییٰ المنجم المتکلمؒ | ۳۰۷ |
| ابو الحسن الدقیقی الحلوانیؒ | ״ |
| ابو الفرج المعافی بن زکریا النہروانیؒ | ״ |
| تفریع مسائل۔ طلاق بالحساب۔ مسائل الحیل | ۳۰۷-۳۱۴ |
| احکام میں کتابوں کی تدوین | ۳۱۵ |
| امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں | |
| امام مالکؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں | ۳۲۷ |
| امام شافعیؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں | ۳۳۲ |
| **پانچواں دور** | ۳۴۲ |
| سیاسی حالت۔ روحِ تقلید۔ اسبابِ تقلید | ۳۴۲-۳۴۷ |
| اس دور کے علماء کے کارنامے | ۳۵۲ |
| مناظرہ و جدل کی اشاعت۔ مذہب اسماعیلی | ۳۵۵-۳۶۲ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الحصبیؒ | ۳۷۵ |
| اسماعیل بن مکی العوفیؒ | 〃 |
| محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشدؒ | 〃 |
| ابو محمد عبداللہ بن نجم بن شاس الجذامی السعدیؒ | ۳۷۶ |
| کبار فقہائے شافعیہ۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد المروزیؒ | 〃 |
| ابو احمد محمد بن سعید بن ابی القاضی الخوارزمیؒ | 〃 |
| ابوبکر احمد بن اسحاق الضبعیؒ | 〃 |
| ابو علی الحسین بن الحسین المعروف بابن ابی ہریرہؒ | 〃 |
| قاضی ابوالسائب عتبہ بن عبیداللہ بن موسیٰؒ | 〃 |
| قاضی ابو حامد احمد بن بشر المروزیؒ | ۳۷۷ |
| محمد بن اسماعیل المعروف بالقفال الکبیرؒ | 〃 |
| ابو سہل محمد بن سلیمان الصعلوکیؒ | 〃 |
| ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ الدارکیؒ | 〃 |
| ابوالقاسم عبدالواحد بن الحسین الصیمریؒ | 〃 |
| ابو علی الحسین بن شعیب السنجیؒ۔ ابو حامد احمد بن محمد الاسفرائنیؒ | 〃 |
| ابوالحسن احمد بن محمد الضبی المعروف بابن المحاملیؒ | ۳۷۸ |
| عبداللہ بن احمد المعروف بالقفال الصغیرؒ | 〃 |
| ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائنیؒ | 〃 |
| ابوالطیب طاہر بن عبداللہ الطبریؒ | 〃 |
| ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ۔ ابو عاصم محمد بن احمد الہرویؒ | 〃 |
| ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الفورانیؒ | ۳۷۹ |
| ابو عبداللہ القاضی الحسین المروزیؒ استاذ امام الحرمین | 〃 |
| ابو اسحاق ابراہیم بن علی الفیروز آبادیؒ | 〃 |
| ابوالنصر عبدالسید بن محمد المعروف بابن الصباغؒ | 〃 |
| ابو سعد عبدالرحمن بن مامون المتولیؒ | 〃 |
| ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینیؒ | 〃 |
| ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانیؒ | ۳۸۰ |
| ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ | 〃 |
| ابو اسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم العراقیؒ | 〃 |
| ابو سعید عبداللہ بن محمد بن محمد بن ہبۃ اللہ | 〃 |
| ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد القزوینیؒ | ۳۸۱ |
| محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری النوویؒ | 〃 |
| **چھٹا دور** | ۳۸۲ |
| سیاسی صورت حال | 〃 |
| اس دور میں اجتہاد۔ تقلید جامد | ۳۸۳-۳۸۴ |
| اسلامی شہروں کے علماء کے تعلقات کا منقطع ہونا | ۳۸۵ |
| ائمہ کی کتابوں سے بے تعلقی | ۳۸۶ |
| مطالب میں خلل انداز اختصار | ۳۸۷ |
| ہر متفقہ فی الدین سے خطاب | ۳۹۲ |


Marfat.com

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| تعصبات مذہبی کی اشاعت۔ اس دور کے فقہاء | ۳۶۵، ۳۶۶ | علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانیؒ | ۳۷۰ |
| کبار فقہائے حنفیہ۔ ابو الحسن عبید اللہ بن الحسن الکرخیؒ | ۳۶۷ | **کبار فقہائے مالکیہ** | 〃 |
| ابوبکر احمد علی الرازی الجصاص کرخیؒ | 〃 | محمد بن یحیی بن لبابۃ الاندلسیؒ۔ بکر بن العلاء القشیریؒ | 〃 |
| ابو جعفر محمد بن عبد اللہ البلخیؒ | 〃 | ابو اسحٰق محمد بن القاسم بن شعبان العنسیؒ | ۳۷۱ |
| ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندیؒ | ۳۶۸ | محمد بن حارث بن اسد الخشنیؒ | 〃 |
| ابو عبد اللہ یوسف بن محمد الجرجانیؒ | 〃 | ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعیطی الاندلسیؒ | 〃 |
| ابو الحسن احمد بن محمد القدوریؒ | 〃 | یوسف بن عمر بن عبد البرؒ | 〃 |
| ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسیؒ | ۳۶۸ | ابو محمد عبد اللہ بن ابی زیدؒ | ۳۷۲ |
| ابو عبد اللہ الحسین بن علی الضمیریؒ | 〃 | ابو سعید خلف بن ابی القاسم الازدیؒ | 〃 |
| ابوبکر خواہر زادہ محمد بن الحسین البخاریؒ | 〃 | ابوبکر محمد بن عبد اللہ الابہریؒ | 〃 |
| شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد الحلوانیؒ | 〃 | ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بابن ابی زمنین البیریؒ | ۳۷۳ |
| شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسیؒ | ۳۶۹ | ابو الحسن علی محمد بن خلف المعافریؒ | 〃 |
| ابو عبد اللہ محمد بن علی الدامغانیؒ | 〃 | قاضی عبد الوہاب بن نصر البغدادی المالکیؒ | 〃 |
| علی بن محمد البزدویؒ | 〃 | ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد الحضرمیؒ | 〃 |
| شمس الائمہ بکر بن محمد الزرنجریؒ | 〃 | ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن یونس الصقلیؒ | 〃 |
| ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل الصفارؒ | 〃 | ابو الولید سلیمان بن خلف الباجیؒ | ۳۷۴ |
| طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاریؒ | 〃 | ابو الحسن علی بن محمد الربعیؒ | 〃 |
| ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہؒ | ۳۷۰ | ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد القرطبیؒ | 〃 |
| ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانیؒ | 〃 | ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی المازریؒ | 〃 |
| فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندیؒ | 〃 | ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المعافریؒ | ۳۷۵ |

# دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ علی سوابغ نعمۂ وجلائل کرمۂ وصلی

اللہ علیٰ سیدنا محمد رسول ربہ وعلیٰ آلہٖ وازواجہٖ وصحبہٖ

اُردو زبان میں جدید طرز پر علومِ اسلامیہ کی تاریخ کا خاکہ سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم نے قائم کیا اور علمِ کلام کی تاریخ میں علم الکلام کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی اور چار پانچ جلدوں میں فارسی شاعری کی ایک مبسوط تاریخ مدوّن کی۔ اس کے بعد اگرچہ سیرت نبویؐ کی تالیف نے ان کو اس سلسلہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں دیا، تاہم وہ علومِ اسلامیہ کی تاریخ کی تکمیل کا بار بار ذکر کرتے رہتے تھے اور اس کو اردو زبان کے لیے ایک جدید تاریخی موضوع خیال فرماتے تھے۔ اگر وہ اپنی زندگی میں سیرت نبویؐ کی تکمیل سے فارغ ہو سکتے تو بہت ممکن تھا کہ اس دلچسپ موضوع کی طرف دوبارہ متوجہ ہوتے۔ لیکن افسوس ہے کہ موت نے ان کو سیرت نبویؐ ہی کے مکمل کرنے کا موقع نہ دیا۔ پھر اور سلسلوں کی تکمیل تو ایک عالمِ خیال کی چیز تھی۔ تاہم جب ان کی یادگار میں دارالمصنفین قائم کیا گیا تو اس کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ اس انتساب کو حقیقی طور پر ان کے نام کو زندہ رکھنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس لیے ابتدا ہی سے یہ لحاظ رکھا گیا کہ سیرت نبویؐ کے علاوہ ان کے دماغ نے اور جن تاریخی سلسلوں کا خاکہ قائم کیا تھا ان کی تکمیل کی جائے۔ چنانچہ آج تک دارالمصنفین سے جو تاریخی اور مذہبی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں تقریباً اکثر انہی سلسلوں سے تعلق رکھتی ہیں اور تاریخِ فقہ اسلامی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

Marfat.com

فقہ اسلامی کی اجمالی تاریخ اگرچہ عربی تاریخوں مثلاً مقدمۂ ابن خلدون اور کشف الظنون وغیرہ میں مذکور رہے، لیکن اس زمانے میں جو جدید فقہی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں اُن کے لیے یہ اجمالی حالات و اشارات بالکل ناکافی ہیں۔

موجودہ حالات میں بہت سے معاملات کی نئی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور ان معاملات کی بنا پر ایک جدید فقہ کے مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اس لیے موجودہ زمانے کا سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آیا فقہ اسلامی ایک جامد چیز ہے یا ہر زمانے کی ضروریات و حالات کے مطابق اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے؟

اس سوال کے حل کرنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے مختلف دوروں کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے اور ہر دور کے تغیرات، انقلابات، خصوصیات اور امتیازات نہایت تفصیل کے ساتھ دکھائے جائیں اور ان کے علل و اسباب کی تشریح کی جائے اور تاریخ فقہ اسلامی سے بہت کچھ یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔

خوش قسمتی سے ہم کو اس کتاب کی تدوین میں کسی غیر معمولی جد و جہد کی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ علامہ محمد خضری مرحوم نے، جو مصر کے ایک مشہور عالم اور مؤرخ تھے، اس موضوع پر تقریباً چار سو صفحوں کی ایک مفصل کتاب لکھی تھی اور ہم نے فقہ اسلامی کی تمام شاخوں کے متعلق اس کو ایک اہم تاریخی ذخیرہ سمجھ کر اردو زبان میں منتقل کرنا کافی خیال کیا۔

اس کتاب میں انہوں نے فقہ اسلامی کے چھ دور قائم کیے ہیں اور ہر دور کی خصوصیات و امتیازات اور ان کے علل و اسباب کی تشریح کی ہے جس سے نہایت تفصیل کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے کہ جب تک علوم اسلامیہ کی ترقی کا دور قائم رہا، فقہ اسلامی بھی مختلف صورتیں بدلتی رہی۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے فقہ کی تمام شاخوں کے درمیان باہم موازنہ و مقابلہ نہیں کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اس زمانے میں کس مذہب کی فقہ جدید حالات و ضروریات کا ساتھ دے سکتی ہے۔ اگرچہ اس قسم کے موازنہ و مقابلہ میں لازمی طور پر تعصب کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے، لیکن بہرحال اس زمانے میں

مذہب زیادہ حُسنِ قبول حاصل کرسکتا ہے جو موجودہ تمدن و تہذیب کے موافق ہو۔ اس لیے اگر وہ اس حیثیت سے بھی تمام فقہی مذاہب پر نظر ڈال لیتے تو موجودہ دَور کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوجاتی۔

جہاں تک نقل و روایت اور استناد و ماخذ کا تعلق ہے مصنف مرحوم ایک نہایت وسیع النظر اور محتاط بزرگ تھے، انہوں نے موجودہ مذاق کے مطابق صرف معانی و مطالب کو اپنے الفاظ میں نقل نہیں کردیا ہے بلکہ اکثر جگہ نہایت طویل عبارتیں کئی کئی صفحوں میں نقل کردی ہیں اور اس طریقہ سے انہوں نے نقل و روایت میں قدماء کے دَور کی یاد تازہ کردی ہے۔ البتہ اس قسم کی عبارتوں کے ترجمہ میں ہم کو بہت زیادہ دقتیں پیش آئیں اور باوجود کوشش کے ہم ان میں سلاست و روانی پیدا نہ کرسکے۔ بلکہ بعض موقعوں پر غیر ضروری عبارتوں کو حذف بھی کردیا۔ اس قسم کی عبارتوں کے علاوہ خود یہ ایک ایسا موضوع تھا جس میں عبارت کی شگفتگی کی تلاش ایک بے سود چیز ہے۔ اس کا مطالعہ صرف معانی و مطالب کو پیشِ نظر رکھ کر کرنا چاہیے۔

عَبدالسلام ندوی
دارالمصنّفین اعظم گڑھ

۱۲ر رجب ۱۳۴۶ھ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علی سوابغ نعمہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی

آلہ وصحبہ

# مقدمہ

## ترتیبِ کتاب

فقہ اسلامی کے مآخذ حسبِ ذیل ہیں :-

(۱) قرآن مجید

(۲) حدیث یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال وافعال جو قرآن مجید کے مطالب کی تشریح وتوضیح کرتے ہیں۔

(۳) فقہاء کی رائیں۔ جن کا ماخذ بھی اگرچہ قرآن وحدیث ہی ہیں، تاہم وہ ایسے خیالات کا نتیجہ ہیں جو تبعاً اپنے زمانہ کے اقتضاء اور ہر فقیہ کے روحانی قالب میں ڈھل کر مختلف مؤثرات سے متأثر ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص فقہ اور فقہاء کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے وہ اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ اس تاریخ کو الگ الگ زمانوں کی امتیازی خصوصیات کے موافق لکھے یا اس کو مجتہدین کے مختلف روحانی قالب کے مطابق مرتب کرے۔ لیکن ہم نے اس تاریخ کو الگ الگ زمانوں کی امتیازی خصوصیات کے موافق لکھنے کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ ان زمانوں کا اثر زیادہ قوی اور زیادہ

Marfat.com

عام ہے۔ اس کے بخلاف فقہاء کے روحانی خصوصیات میں، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا، حقیقی اختلاف نہ تھا۔ بالخصوص جو فقہا باہم معاصر تھے ان کی ان خصوصیات میں تو اور بھی اختلاف نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آج تک فقہ اسلامی پر چھ دَور گذر چکے ہیں اور ہر دَور میں اجتہادات اور فتاوی پر مسلمانوں کے مخصوص اجتماعی حالات کا عظیم الشان اثر پڑا ہے۔ چنانچہ ان دَوروں کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) فقہ بعہدِ حیاتِ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اصل فقہ جس کی نسبت ہر فقیہ تصریح کرتا ہے کہ وہ اس کا ماخذ ہے، یہی ہے۔

(۲) فقہ بعہدِ کبار صحابہؓ۔ یہ زمانہ خلفائے راشدین کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) فقہ بعہدِ صغار صحابہؓ و تابعینؒ۔ یہ زمانہ پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ دنوں بعد تک ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) فقہ کا وہ زمانہ جب اس نے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی اور بڑے بڑے فقہا جو مسلّم طور پر مذہبی پیشوا تسلیم کیے گئے اور ان کے تلامذہ جو بجائے خود مستقل طور پر بانیٔ فقہ نہ تھے بلکہ اپنے اساتذہ کی رایوں کی تشریح کرتے تھے، پیدا ہوئے۔ یہ دَور تیسری صدی ہجری کے اخیر تک ختم ہو جاتا ہے۔

(۵) فقہ کا وہ دَور جس میں ائمہ کے مسائل کی تحقیق کے لیے جدل کی گرم بازاری ہوئی۔ بڑی بڑی کتابیں تصنیف ہوئیں اور نہایت کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے۔ یہ دَور بغداد میں خلافت عباسیہ کے زوال، تاتاری غارت گری کے آغاز اور اس کے کچھ دنوں بعد تک مصر میں قائم رہا۔ اس کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا۔

(۶) فقہ بزمانہ تقلیدِ محض۔ پانچویں دَور کے بعد یہ دَور شروع ہوا اور آج تک قائم ہے۔

یہ کتاب میں نے انہی مختلف دَوروں کی ترتیب کے مطابق لکھی ہے اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کی تکمیل کے سامان بہم پہنچائے۔

Marfat.com

# پہلا دور

## فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں

### قرآن و حدیث

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے اکتالیسویں سال سے آپؐ پر بتدریج نازل ہونا شروع ہوا۔ اس نزول کی ابتدا رمضان شریف کی سترہویں رات سے ہوئی اور سب سے پہلے غار حرا میں، جس میں آپ معتکف تھے، یہ آیتیں[1] نازل ہوئی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ اس کے بعد وہ بتدریج آپ پر نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ ۱۰ھ میں جب کہ آپ کی عمر کا ترسٹھواں سال تھا، ۹ ذی الحجہ کو حجِ اکبر کے دن سب سے آخری آیت[2] نازل ہوئی: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ اس بنا پر نزولِ قرآن کی ابتداء اور انتہا کی کل مدت بائیس (۲۲) سال، دو (۲) مہینے اور بائیس (۲۲) دن ہے۔ نزولِ قرآن کی ابتداء جس رات سے ہوئی اس کا نام لیلۃ القدر ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق خود خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر: ۱) | ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ |
| اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان: ۳) | ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا۔ |

یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ یہ رات رمضان کی تھی۔ چنانچہ خدا خود کہتا ہے:

---

[1] العلق: ۱-۵ [2] المائدہ: ۳

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (البقرہ : ۱۸۵)

رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں اعتکاف کرتے تھے، اور روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ آپؐ سال کے ایک مہینے میں اعتکاف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپؐ کی بعثت کا سال آیا تو آپ رمضان شریف میں حسبِ معمول غارِ حرا کی طرف بغرضِ اعتکاف گئے۔ البتہ جس رات میں وحی کی ابتدا ہوئی ہے اس کی تعیین میں سخت اختلاف ہے۔ ابن اسحٰق کا میلان یہ ہے کہ یہ رمضان کی سترہویں رات تھی اور قرآن مجید نے بھی اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ۔ (الانفال : ۴۱)

اگر تم خدا پر اور اس کتاب پر ایمان لائے جس کو ہم نے اپنے بندہ پر حق و باطل کے جُدا ہونے کے دن (یعنی اس دن جس میں دونوں فریق نے جنگ کی) نازل کی۔

"یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰن" سے مراد وہ دن ہے جس میں بہ مقام بدر مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ ہوئی اور یہ جمعہ کا دن تھا جو ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ھ میں واقع ہوا اور یوم الفرقان سے وہ دن مراد ہے جس میں نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس بناء پر ان دونوں کا سنہ اگرچہ مختلف ہے تاہم دونوں وصف، تاریخ اور مہینے میں باہم متحد ہیں۔ طبری نے بھی اپنی تفسیر میں حسن ابن علیؑ کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ "حق و باطل کے جدا ہونے کی یہ رات جس کے دن میں مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ ہوئی رمضان کی سترہویں تاریخ میں واقع تھی۔"

قسطلانی نے شرح بخاری میں اس رات کی تعیین کے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن میں ایک قول وہ ہے جس کی طرف ابن اسحاق کا میلان ہے اور اس کے متعلق خود ان کا قول ہے کہ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے زید بن ارقمؓ سے اس کی روایت کی ہے۔ اور یہیں اس اعتماد کیا

پر اس کی طرف اپنا میلان ظاہر کرتا ہوں کہ ایسی عظیم الشان رات کی تعیین کو قرآن مجید نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اگر تصریحاً نہیں تو کم از کم اشارۃً اس کی تعیین کرنا لازمی ہے، اور قرآن مجید نے نہایت عمدہ موقع پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ بدر کا دن ایک ایسا دن تھا جس میں خدا نے مسلمانوں کو غالب کیا اور ان کو سربلندی عطا فرمائی۔ اور اسی دن میں خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت کا شرف بخشا۔ اس بنا پر اس آیت میں قرآن مجید کا یہ اشارہ "وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعَانِ" نہایت موزوں اور موقع کے مناسب ہے۔ لیکن نزولِ قرآن کی انتہا جس دن ہوئی اس کے متعلق طبری نے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا ہے اس میں عرفہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی اور مفسرین کا بیان ہے کہ اس کے بعد امر و نہی کے متعلق آپؐ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آپ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف اکیاسی دن زندہ رہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک بار یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے جو ان کے ساتھ تھا کہا کہ "اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوتی تو اس کے نزول کے دن ہم عید مناتے۔" حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ خود یہ آیت اجتماع العیدین کے موقع پر جو ایک ساتھ عرفہ کے موقع پر جمعہ کے دن جمع ہوگئی تھیں، نازل ہوئی ہے۔

قرآن مجید کے بتدریج نازل ہونے پر مشرکین کو اعتراض تھا، چنانچہ قرآن مجید نے خود اس اعتراض کا ذکر کیا ہے، اور اس کا جواب دیا ہے۔ سورۂ فرقان میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا۔ (الفرقان: ۳۲) | کفار کہتے ہیں کہ پیغمبر پر قرآن مجید دفعۃً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ یہ اس لیے کہ ہم اس کے ذریعہ سے تیرے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے۔ |

Marfat.com

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے :

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔ (بنی اسرائیل : ۱۰۶)

ہم نے قرآن کو اس لیے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا کہ تو آہستہ آہستہ اس کو لوگوں کو پڑھ کر سنائے اور ہم نے اس کو بتدریج نازل کیا ہے۔

نزولِ قرآن کا زمانہ دو الگ الگ حصوں میں منقسم ہے جو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ پہلا حصہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جس میں آپ کا قیام مکہ معظمہ میں تھا۔ یہ کل بارہ (۱۲) سال پانچ (۵) مہینے اور تیرہ (۱۳) دن کا زمانہ ہے جس کی ابتدا ۱۷ رمضان ۴۱ھ سن ولادتِ نبوی سے ہوتی ہے اور یکم ربیع الاوّل ۵۴ھ ولادت تک وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس مدّت میں قرآن مجید کا جو حصہ نازل ہوا ہے، اس کو مکّی کہتے ہیں۔

دوسرا حصہ ہجرت کے بعد سے شروع ہوا۔ یہ کل نو سال نو مہینے نو دن (۹) کا زمانہ ہے۔ جس کی ابتدا یکم ربیع الاول ۵۴ھ ولادتِ نبوی سے ہوئی اور وہ ۹ ذی الحجہ ۶۳ھ ولادتِ نبوی اور ۱۰ھ پر ختم ہو گیا۔ اس زمانہ میں جو آیتیں اور سورتیں نازل ہوئیں ان کو مدنی کہتے ہیں۔ قرآن مجید کا مکّی حصہ قرآن کا $\frac{۱۹}{۳۰}$ اور مدنی حصہ $\frac{۱۱}{۳۰}$ ہے۔

مدنی سورتیں حسب ذیل ہیں :

(۱) بقرہ (۲) آل عمران (۳) النساء (۴) مائدہ (۵) انفال (۶) توبہ (۷) حج (۸) نور (۹) احزاب (۱۰) القتال (۱۱) محمد (۱۲) الفتح (۱۳) حجرات (۱۴) حدید (۱۵) مجادلہ (۱۶) حشر (۱۷) ممتحنہ (۱۸) صف (۱۹) جمعہ (۲۰) منافقون (۲۱) تغابن (۲۲) طلاق (۲۳) تحریم (۲۴) اذا جاء نصر اللہ۔

ان کے علاوہ جو سورتیں ہیں وہ مکّی ہیں۔ قرآن مجید کی سورتوں کی مجموعی تعداد ایک سو چودہ (۱۱۴) ہے۔ جن میں سب سے پہلی سورۃ الفاتحہ اور سب سے آخری سورہ

Marfat.com

الناس ہے۔

مراتب بلند میں سے ایک مرتبہ کو سورہ کہتے ہیں، چنانچہ نابغہ کہتا ہے:

الم تر ان اللہ اعطاک سورۃ ترى كل ملك دونها يتذبذب

کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا نے تجھ کو ایک ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ تو ہر بادشاہ کو اس کے سامنے تذبذب کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔

اس شعر سے اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تجھ کو مراتب شرف میں سے ایک ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ اور بادشاہوں کے مرتبے اس سے کم ہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے قرآن کی سورہ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور ان لوگوں کے لغت میں اس کے معنی قرآن کے اس ٹکڑے کے ہیں جو اس کے دوسرے ٹکڑوں سے الگ کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کا سورہ بچا کھچا حصہ ہے جو اس حصے کے بعد رہ جاتا ہے جو اس سے لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی پینے کے بعد برتن میں جو فضلہ چھوڑ دیتا ہے، اس کو سؤر کہتے ہیں۔ اسی بنا پر اعشیٰ ثعلبہ ایک عورت کے متعلق جو اس سے جدا ہو گئی اور اس کے دل میں اپنے غم کا بقیہ حصہ چھوڑ گئی، کہتا ہے:

فبانت وقد اسأرت فی الفؤا دصدعا علی نایها مستطيرا

وہ جدا ہو کر دل میں اپنی جدائی سے ایک بڑا شگاف چھوڑ گئی۔

اور اسی کے مثل دوسری حالت میں کہتا ہے:

بانت وقد أسأرت فی النفس حاجتها بعد ائتلاف وخیر الود ما نفعا

وہ جدا ہو گئی اور میل جول کے بعد دل میں اپنی خواہش کا بقیہ حصہ چھوڑ گئی، حالانکہ بہترین محبت وہ ہے جو مفید ہو۔

ان میں ہر سورہ کا ایک خاص نام ہے۔ اکثر سورتوں کا نام ان کی ابتدائی آیتوں سے ماخوذ ہے۔ مثلاً سورۂ انفال، سورہ اسرا، سورہ بنی اسرائیل، سورۂ طٰہٰ، سورۂ مؤمنون، سورۂ فرقان، سورۂ روم، سورۂ فاطر وغیرہ کی ابتدائی آیتیں یہ ہیں، "یسئلونک عن الانفال"، "سبحان الذی"

Marfat.com

اسریٰ بعبدہ لیلا"، "قد افلح المؤمنون"، "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ"، "الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض"، "الحمد للہ فاطر السمٰوٰت والارض" اور انہی سے ان کا نام ماخوذ ہے۔

قرآن مجید میں پینتیس (۳۵) سورتیں ایسی ہیں جن کے نام ان چیزوں کے نام پر رکھے گئے ہیں جو ان کی ابتدا میں مذکور نہیں ہیں، مثلاً سورۂ بقرہ میں بقرہ کا ذکر اس کی ۶۵ آیتوں کے بعد اور سورۂ آلِ عمران میں آلِ عمران کا ذکر اس کی ۳۲ آیتوں کے بعد کیا گیا ہے۔ اور سورۂ نساء میں نساء کا ذکر کئی بار آیا ہے لیکن سب سے پہلے اس کا ذکر اس کی ابتدا کی آیتوں کی چند آیتوں کے بعد ہوا ہے۔ سورۂ مائدہ میں مائدہ کا ذکر اس کی ۱۱۰ آیتوں کے بعد یعنی اس کے آخر میں آیا ہے۔ میں نے ان ناموں کے اختیار کرنے کے متعلق بار بار تحقیقات کیں تو مجھے مرجح رائے یہ معلوم ہوئی کہ ان ناموں سے اگرچہ تلاوت کی ابتدا نہیں کی جاتی، تاہم یہ بہ نسبت سورۃ کے اکثر حصوں کے پہلے نازل ہوئے ہیں کیونکہ جیسا کہ آگے آئے گا۔ سورہ اور آیت دونوں کے لحاظ سے قرآن مجید ترتیبِ نزول کے موافق مرتّب نہیں کیا گیا ہے۔

آیتوں کی تعداد کے لحاظ سے قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف حیثیتوں سے نازل ہوا ہے۔ کبھی پانچ کبھی دس اور کبھی اس سے زیادہ یا اس سے کم آیتیں آپ پر نازل ہوتی ہیں۔ روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ قصۂ افک کے متعلق دس آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں۔ سورۂ مؤمنون کی ابتدائی دس آیتیں بھی یکبارگی اتری ہیں۔ اس کے برعکس "لا یستوی[1] المومنون غیر اولی الضرر والمجاھدین فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم" میں غیر اولی الضرر کا جملہ تنہا نازل ہوا ہے۔ اسی طرح "انما[2] المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" کے بعد یہ آیت "وان[3] خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء ان اللہ علیم حکیم" تنہا نازل ہوئی ہے۔

---

[1] النساء: ۹۵ [2]، [3] التوبہ: ۲۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ خود قرآن مجید اس کی شہادت دیتا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۴۸)

تم اس کے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ اس کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے والے شبہ کرسکتے۔

اس بناء پر آپ فرشتہ سے قرآن مجید کو زبانی یاد کرلیتے تھے۔ چنانچہ خدا نے ان آیات میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (القیمہ: ۱۶ - ۱۹)

قرآن مجید کے پڑھنے میں عجلت کرنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دو۔ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارا فرض ہے۔ پس جب ہم اس کو پڑھیں تو تم اس کی قرأت کا اتباع کرو، اس کے بعد ہمارا کام اس کا بیان کرنا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ: ۱۱۴)

وحی کے پورے کرلینے سے پہلے قرآن مجید کے ساتھ جلدی نہ کرو اور کہو خداوندا! میرے علم کو بڑھا۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝ (الاعلیٰ: ۶ - ۷)

ہم تم کو پڑھادیں گے تو تم نہیں بھولوگے بجز اس کے کہ جس کو خدا چاہے۔ وہ کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر: ۹)

ہم نے ذکر کو اتارا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس طریقہ سے جب آپ آیاتِ قرآنیہ کو سمجھ کر یاد کرلیتے تھے، ان کی تبلیغ فرماتے تھے اور اپنے کاتبوں میں سے کسی کاتب کو حکم دیتے تھے کہ وہ ان کو آپ کے سامنے کھجور کی شاخ یا نرم پتھر یا کاغذ پر لکھ لے۔ اس غرض سے آپ نے بہت سے کاتب مقرر فرمائے تھے جن کے نام

Marfat.com

عام طور پر معلوم ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی تعداد ۲۶ تھی اور حلبی نے سیرۃ العراقی کے حوالہ سے ان کی تعداد ۴۲ لکھی ہے۔ ان میں بعض تو تمام فقہی اور تشریعی دور میں آپ کے ساتھ رہے ہیں اور بعض نے تھوڑے بہت دنوں تک کتابتِ قرآن کی خدمت انجام دی ہے۔

ان کاتبانِ وحی میں جو لوگ زیادہ مشہور ہیں، ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:-

| | |
|---|---|
| خلفائے اربعہؓ | |
| عامر بن فہیرہؓ | آپؐ سلاطین وغیرہ کے نام جو خطوط روانہ فرماتے تھے اُن کو یہی لکھتے تھے۔ |
| ابی بن کعبؓ | انصار میں سب سے پہلے انہی نے کتابتِ وحی کی خدمت انجام دی ہے۔ ان کے اوقات کا اکثر حصہ کتابتِ وحی میں صَرف ہوتا تھا، اور ان کا شمار اُن فقہاء میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں لکھتے تھے۔ |
| زید بن ثابتؓ<br>معاویہؓ بن ابی سفیانؓ[1] | یہ دونوں بزرگ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے، اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا۔ |
| ثابت بن قیس بن شماسؓ | |
| یزیدؓ | |
| مغیرہ بن شعبہؓ | |

[1] امیر معاویہؓ کے حالات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ صرف کتابتِ وحی کا کام ہمیشہ کرتے رہے۔ وہ فتحِ مکہ میں یا زیادہ سے زیادہ حدیبیہ کے زمانے میں اسلام لائے ہیں۔ اس کے بعد وہ کاتبِ وحی ضرور رہے لیکن اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم زمانہ تک زندہ رہے۔ اور اس زمانہ کے متعلق بھی یہ تصریح نہیں ملی کہ وہ صرف کتابتِ وحی کا کام کرتے رہے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ وہ معاہدات وغیرہ لکھتے تھے۔ (مترجم)

Marfat.com

خالد بن ولیدؓ

علاء بن الحضرمیؓ

عمرو بن العاصؓ

عبداللہ بن الحضرمیؓ

محمد بن مسلمہؓ

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول

لکھنے کے بعد جو مجموعہ تیار ہوتا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں رکھا جاتا تھا اور کاتبانِ وحی خود اپنے لیے اس کی نقل لے لیتے تھے۔ اور سورتوں میں جس آیت کا جو موقع ہوتا تھا اس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے جاتے تھے، اس بناء پر ناخواندہ اشخاص کے حافظے، کاتبانِ وحی کے صحیفے اور وہ تمام مجموعے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ تھے۔ قرآن مجید کے تحفظ میں باہم مساعد و معین تھے۔ علماء کے درمیان یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ یعنی ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ لیکن اس زمانہ تک قرآن مجید کسی مصحف میں نہیں جمع کیا گیا۔ البتہ اس عہد میں بہت سے حُفّاظ مثلاً حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت سالم ابن معقل، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو زید اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم وغیرہ موجود تھے، جن کو قرآن مجید پورا یاد تھا۔ ان حُفّاظ میں دو بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت سالم بن معقلؓ سابقین اوّلین میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے دورِ نبوّت میں آپ کے ساتھ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے صحابہؓ تو بکثرت تھے جن کو قرآن مجید کے بعض حصّے یاد تھے۔

Marfat.com

**نزولِ قرآن کی کیفیت** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیاتِ احکام یعنی فقہی آیتیں اکثر ان واقعات کے جواب میں نازل ہوتی تھیں جو اسلامی سوسائٹی میں پیدا ہو جایا کرتے تھے۔ یہی واقعات ہیں جن کو اسبابِ نزول کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مفسرین کی ایک جماعت نے ان کی طرف خاص توجہ کی ہے، ان کے متعلق کتابیں لکھی ہیں اور ان کو قرآن مجید کے سمجھنے کے لیے بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم آئندہ کے دوروں میں ان کی تفصیل بیان کریں گے۔ لیکن کبھی کبھی اس قسم کی آیتیں بعض مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں بھی نازل ہوتی تھیں۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ احکام مستقل طور پر نازل ہوں۔ اس بناء پر ہم ان دونوں قسموں کی چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد الغنویؓ کو مکّہ کی طرف اس غرض سے روانہ فرمایا کہ وہاں سے مسلمانوں کی ایک کمزور جماعت کو نکال لائیں۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو ایک عورت نے جو صاحبِ جمال و صاحبِ مال تھی، اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کیا لیکن انہوں نے خوفِ الٰہی کی بناء پر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے انکار کیا۔ اب اس نے ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہا۔ انہوں نے اس کی اس خواہش کو تو منظور کر لیا لیکن نکاح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر موقوف رکھا۔ چنانچہ جب وہ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کیا اور نکاح کی اجازت طلب کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

| | |
|---|---|
| لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ | مشرکہ عورتوں سے، جب تک وہ ایمان نہ لائیں، نکاح نہ کرو۔ مسلمان لونڈی مشرکہ عورت سے بہتر ہے گو وہ تم کو پسند آئے۔ اور مشرکین سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے گو وہ تم کو پسند ہو۔ وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور خدا اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لیے اپنی آیتوں کو |

Marfat.com

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۲۱)

بیان کرتا ہے کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

لیکن قرآن مجید میں بہت سے احکام مسلمانوں یا غیر مسلمانوں کے سوال کے بعد نازل ہوئے مثلاً

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ (البقرہ: ۲۱۹)

لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فوائد بھی ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے فائدہ سے بڑا ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۝ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۱۹)

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا صرف کریں؟ کہہ دے کہ زائد از ضرورت مال۔ خدا اسی طرح تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم سوچو۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۲۰)

لوگ تجھ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دے کہ ان کے لیے اصلاح کرنا بہتر ہے اور اگر ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ خدا مفسد کو مصلح سے الگ کر کے جانتا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو تم کو سخت تکلیف دیتا۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ

لوگ تجھ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دے کہ وہ نجاست ہے۔ اس لیے حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے مجامعت نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔ پس جب وہ پاک ہو جائیں تو خدا نے جہاں تم کو حکم دیا ہے، وہاں سے ان کے ساتھ مباشرت کرو۔ خدا

الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۲۲)

توبہ کرنیوالوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۱۷)

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا شہر حرام میں جنگ جائز ہے۔ کہہ دے کہ اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا (گناہ) ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ

لوگ تجھ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ کہہ دے کہ خدا تم کو کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔

اس قسم کی اور بہت سی فقہی آیتیں ہیں جو سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں۔ لیکن وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل ہوئے، ان کی تعداد بہت کم ہے بلکہ ہم کو کوئی ایسا حکم نظر نہیں آتا جس کے متعلق مفسرین نے کوئی ایسا واقعہ نہ بیان کیا ہو جس کے بعد وہ نازل ہوا ہے۔

**مکی اور مدنی آیتوں کی امتیازی خصوصیات**

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نزولِ قرآن کے دو زمانے ہیں۔ ایک ہجرت سے پہلے اور دوسرا ہجرت کے بعد۔ ان میں مکی اور مدنی آیتوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں جن کے معلوم ہو جانے کے بعد ان میں باہم امتیاز ہو سکتا ہے۔

(۱) آیات مکی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً نہایت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس کے بخلاف مدنی آیتیں عموماً طویل ہوتی ہیں، مثلاً مدنی سورتیں قرآن مجید کے ۱/۳ حصے سے کچھ ہی زائد ہیں لیکن ان کی آیات کی تعداد ایک ہزار چار سو چھپن (۱۴۵۶) ہے، یعنی وہ اس کی مجموعی آیتوں کے چوتھائی حصے سے کچھ ہی زائد ہیں۔ اس کی سب سے قریبی مثال قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ کا سیپارہ ہے جو کُل کا کُل مدنی ہے اور اس کی آیتوں کی تعداد ایک سو سینتیس (۱۳۷) ہے۔ اس کے بخلاف تَبَارَكَ الَّذِیْ اور عَمَّ کے سیپارے مکی ہیں اور ان میں پہلے پارہ کی آیتوں کی تعداد چار سو اکتیس (۴۳۱) اور دوسرے کی پانچ سو ستر ہے۔

سورۂ انفال اور سورۂ شعراء کا بھی یہی حال ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کے

Marfat.com

ایک سیپارہ کا نصف حصہ ہیں لیکن انفال جو کہ مدنی سورہ ہے، اس کی آیتوں کی تعداد پچھتر (۷۵) اور شعراء جو مکی سورہ ہے، اس کی تعداد دو سو ستائیس (۲۲۷) ہے۔

لیکن یہ خصوصیت اگرچہ ایک غالب خصوصیت ہے تاہم اس کو عام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بعض مکی آیتوں میں بھی طُول پایا جاتا ہے اور اس قسم کی آیتیں زیادہ تر بڑی بڑی سورتوں میں پائی جاتی ہیں۔

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مدنی آیتوں میں عام طور پر لوگوں کو یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کے لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے اور ان میں یَا اَیُّهَا النَّاسُ کا لفظ بہت کم آتا ہے۔ اس کے برعکس مکی آیتوں میں یا ایها الناس کے لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے اور ہم کو مکی سورتوں میں یا ایها الذین اٰمنوا کا لفظ کہیں نہیں نظر آتا۔ البتہ مدنی سورتوں میں یا ایها الناس کا لفظ سات (۷) بار آیا ہے۔ چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں:

| | |
|---|---|
| یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ (البقرہ: ۲۱) | لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ |
| یَا اَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرہ: ۱۶۸) | لوگو! زمین کی حلال چیزوں کو کھاؤ درآنحالیکہ وہ حلال و طیب ہوں۔ |
| یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ (النساء: ۱) | لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ |
| اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ (النساء: ۱۳۳) | اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے، اے لوگو! |
| یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ (النساء: ۱۷۰) | لوگو! تمہارے پاس پیغمبر تمہارے پروردگار کے پاس سے حق لے کر آیا۔ |
| یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء: ۱۷۴) | لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل آئی۔ |
| یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی (الحجرات: ۱۳) | لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ |

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مکّی آیتوں میں تفصیلی احکامِ فقہیہ بالکل نہیں پائے جاتے بلکہ ان کا بیشتر حصہ مذہب کے مقصدِ اوّلین یعنی خداوند تعالیٰ کی وحدانیت، اس کے ثبوت کے دلائل، اس کے عذاب کے ڈراوے، قیامت اور قیامت کے عذاب و ثواب، اور ان مکارمِ اخلاق کی ترغیب سے تعلق رکھتا ہے جن کی تکمیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ گذشتہ قوموں کی ان تاریخی آزمائشوں کا تذکرہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مخالفت کا نتیجہ تھیں۔ فقہی احکام کی تفصیل زیادہ تر مدنی آیتوں میں موجود ہے۔

قرآن مجید تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے:۔

(۱) وہ آیتیں جو خدا، خدا کے فرشتوں، خدا کی کتابوں، خدا کے پیغمبروں اور روزِ قیامت پر ایمان لانے سے تعلق رکھتی ہیں اور علم کلام اور علم اصول الدین میں انہی سے بحث ہوتی ہے۔

(۲) وہ آیتیں جو اعمال و ملکات قلبیہ سے تعلق رکھتی ہیں یعنی ان کو مکارمِ اخلاق کی ترغیب سے تعلق ہے اور علم اخلاق میں انہی سے بحث کی جاتی ہے۔

(۳) وہ آیتیں جو ظاہری اعضاء کے افعال یعنی اوامر و نواہی اور تخییرات سے تعلق رکھتی ہیں، اور فقہاء ان ہی سے بحث کرتے ہیں۔

Marfat.com

# قرآن مجید میں فقہ اسلامی کا بنیادی اُصول

قرآن مجید کا علانیہ دعویٰ ہے کہ وہ انسانی حالات کی اصلاح کے لیے نازل کیا گیا ہے اور اسی غرض سے اوامر و نواہی نازل کیے گئے۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے:

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف: ۱۵۷)

وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، بری باتوں سے منع کرتا ہے۔ ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان کے لیے ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید نے فقہی احکام میں تین چیزوں کو اپنا فقہی اصول قرار دیا ہے:

(۱) عدم حرج (۲) قلّتِ تکلیف (۳) تدریج

**عدم حرج** عربی زبان میں حرج کے معنی تنگی کے ہیں۔ اور اس قسم کے دلائل جن سے یہ ثابت ہو کہ اس شریعت کا بنیادی اصول تنگی کو دور کرنا ہے، بکثرت ہیں، مثلاً خداوند تعالیٰ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف: ۱۵۷)

اور وہ اُن لوگوں سے اس بوجھ کو اور ان بیڑیوں کو جو ان کے اوپر تھیں، اتار پھینکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے ہم کو خود اس دعا کی تعلیم دی ہے:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (البقرہ: ۲۸۶)

خداوندا! ہم پر بوجھ نہ لاد، جیسا کہ تو نے ان لوگوں پر لادا تھا جو ہم سے پہلے تھے۔ خداوندا ہم پر وہ بوجھ نہ لاد جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ میں نے ایسا کر دیا۔

Marfat.com

ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ہیں مثلاً

| | |
|---|---|
| لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ : ۲۸۶) | خدا کسی شخص کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی کہ اس کی وسعت ہوتی ہے۔ |
| يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ : ۱۸۵) | خدا تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے۔ سختی کرنا نہیں چاہتا۔ |
| مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ (الحج : ۷۸) | خدا نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی ہے۔ |
| يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ (النساء : ۲۸) | خدا تم سے تخفیف کرنا چاہتا ہے، اور خود انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ |
| وَمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ۔ (المائدہ : ۶) | خدا تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا۔ |

حدیث شریف میں آیا ہے :

| | |
|---|---|
| بعثت بالحنيفية السمحة | میں سہل اور سیدھے مذہب کو لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ |

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کی نسبت حدیث میں آیا ہے :

| | |
|---|---|
| ما خير بين امرين الا اختار ايسرهما مالم يكن اثماً | آپ کو جب کبھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے ان دونوں میں سے آسان تر چیز کو اختیار کر لیا بشرطیکہ وہ گناہ کی چیز نہ ہو۔ |

اس قسم کی اور بھی متعدد آیتیں اور حدیثیں ہیں اور فقہاء نے بھی اس کو ایک شرعی اصل قرار دیا ہے اور اس کے ذریعہ سے بہت سے احکام مستنبط کئے ہیں۔

یہ ایک قطعی اصل ہے اور اسی اصل کی بناء پر شریعت میں رخصتیں ہیں مثلاً مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنا، بوقتِ ضرورت حرام چیز کو مباح کر دینا اور تیمم کرنا مشروع ہے۔

**قلتِ تکلیف** قلتِ تکلیف عدمِ حرج کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ تکلیف کی کثرت میں مختلف قسم کی تنگیاں ہیں۔ جو شخص اوامر و نواہی کی تحقیقات کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ کرے گا اس کو اس اصل کی صحت کا یقین نہایت آسانی کے ساتھ ہو جائے گا کیونکہ

(۱) اولاً ان کی تعداد نہایت کم ہے۔

(۲) ثانیاً تھوڑی سی مدت میں ان کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔

(۳) ثالثاً ان پر نہایت آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۴) ان میں اس کثرت سے تفصیل نہیں پائی جاتی کہ جو لوگ صرف قرآن مجید پر عمل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے تنگیاں پیدا ہوں۔

قرآن مجید کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

| | |
|---|---|
| يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ٥ (المائدہ: ۱۰۱ - ۱۰۲) | مسلمانو! چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو۔ اگر وہ تم پر ظاہر ہو گئیں تو تم کو ضرر پہنچائیں گی۔ اگر تم نے ان کے متعلق نزولِ قرآن کے وقت سوال کیا تو وہ تم پر ظاہر ہو جائیں گی۔ خدا نے ان کو معاف کر دیا اور خدا بخشنے والا بردبار ہے۔ تم سے پہلے ایک قوم نے ان چیزوں کا سوال کیا، پھر ان کی منکر ہو گئی۔ |

یہ سوالات جن سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے، ان چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کو خدا نے معاف کر دیا ہے یعنی ان کی حرمت سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اس بنا پر ان کے متعلق ان کا سوال ان کی حرمت کا سبب ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان کے متعلق پوچھ گچھ نہ کرتے تو وہ اسی طرح معاف رہتیں اور انہیں ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے متعلق جب یہ سوال کیا گیا:

| | |
|---|---|
| افی کل عام | کیا وہ ہر سال فرض ہے؟ |

Marfat.com

تو اس کے جواب میں آپ کا یہ ارشاد :

لو قلت نعم لوجبت ذرونی ما ترکتکم فانما هلك من كان قبلكم بكثرة مسائلهم واختلافهم على انبيائهم۔

اگر میں کہتا کہ "ہاں" تو وہ ہر سال فرض ہوجاتا جب تک میں تم کو چھوڑ دوں، تم بھی مجھے چھوڑ دو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ بوجہ اپنے کثرتِ سوالات اپنے انبیاء کی مخالفت کرنے سے ہلاک ہوئے۔

بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دلالت کرتا ہے :

اعظم المسلمين جرما من سأل عن شئی لم يحرم على المسلمين فحرم عليهم من اجل مسالته ان الله فرض فرائض فلا تضيعوها وحد حدودا فلا تعتدوها وحرم اشياء فلا ومكث عن اشياء رحمة لكم من غير نسيان فلا تبحثوا عنها۔

مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے، جس نے ایک ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں کی گئی تھی، لیکن اس کے سوال کی وجہ سے وہ ان پر حرام کردی گئی۔ خدا نے چند فرائض مقرر کردیئے پس ان کو ضائع نہ کرو، چند حدود مقرر کردیئے ان کے آگے نہ بڑھو، چند چیزیں حرام کردیں ان کی پردہ دری نہ کرو، چند چیزوں سے خاموش رہا تم پر مہربانی کرنے کے لیے نہ اس لیے کہ وہ ان کو بھول گیا تھا۔ اس لیے ان کے متعلق کرید نہ کرو۔

فصل "حدیث اور حدیث کی نسبت قرآن کے ساتھ" میں جو باتیں عنقریب مذکور ہوں گی ان سے اس مضمون کی زیادہ توضیح ہوجائے گی۔

**تدریج** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اہلِ عرب میں بہت سی باتیں راسخ ہوچکی تھیں، جن میں بعض قائم رکھنے کے قابل تھیں اور ان سے ایک قوم کی تولید میں کوئی فرق نہیں پہنچتا تھا۔ لیکن بعض عادتیں مضر تھیں اس لیے شارع اُن سے ان کو الگ رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی حکمت کے اقتضا سے آہستہ آہستہ ان کے لیے اپنے حکم کو ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ

اپنے دین کو کمال کے درجہ تک پہنچایا۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر جو شخص غور کرے گا اس کو معلوم ہو گا کہ دوسرے حکم نے پہلے حکم کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کی تکمیل کی۔ چنانچہ یہ حقیقت ذیل کی مثال سے واضح ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور جوئے کے متعلق، جن کے اہل عرب شدت سے خوگر تھے، سوال کیا گیا، تو آپ نے قرآن مجید کی زبان سے اس کا جواب دیا۔

| | |
|---|---|
| فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔ (البقرہ: ۲۱۹) | ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ (ان کے) نفع سے بڑا ہے۔ |

اگرچہ ایک فقیہ نفس اور فلسفۂ تشریع کا عالم اس آیت سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس سے ان چیزوں کی حرمت مقصود ہے۔ کیونکہ جس چیز میں گناہ کا جزو غالب ہوتا ہے وہ عملاً حرام کر دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ افعال میں کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس میں صرف برائی ہی برائی ہو بلکہ تحریم و تحلیل کا دارو مدار خیر و شر کے غلبہ پر موقوف ہے۔ تاہم خداوند تعالیٰ نے اوّل اوّل بہ تصریح ان کی ممانعت نہیں کی۔ اس کے بعد نشہ کی حالت میں بہ تصریح ان کو نماز پڑھنے سے روکا تاکہ وہ جو کچھ اس حالت میں پڑھتے ہیں، اس کو جان سکیں۔

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ۔ (النساء: ۴۳) | مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو تاکہ تم جو کچھ کہتے ہو اس کو جان سکو۔ |

لیکن اس ممانعت نے پہلی آیت کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کو اور مؤکد کر دیا۔ اس کے بعد تصریح کے ساتھ ممانعت کا قطعی حکم دیا:

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ | مسلمانو! شراب اور جوئے کے تیر روحانی ناپاکی اور شیطان کے کام ہیں اس لیے ان سے بچو، شاید تم |

Marfat.com

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝ (المائدہ: ۹۱)

فلاح پاؤ۔ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں تمہارے درمیان عداوت ڈال دے، تم کو خدا کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم ان سے باز آؤ گے؟

احکام فقہیہ کے اس تدریجی اصول سے ایک دوسرا اصول بھی پیدا ہوا ہے یعنی پہلے یہ احکام اجمالاً مذکور ہوتے ہیں، پھر ان کی تفصیل کی جاتی ہے۔ چنانچہ مکّی اور مدنی احکام کے موازنہ ومقابلہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے۔ مکّی احکام بالکل مجمل ہوتے ہیں اور قرآن مجید بہت کم ان کی تفصیل کرتا ہے۔ اس کے خلاف مدنی احکام بالخصوص تمدنی معاملات میں بہ نسبت مکّی احکام کے قرآن مجید نے بہت زیادہ تفصیلات کی ہیں۔ اسی بناء پر ہماری رائے میں جن آیتوں سے احکام مستنبط کیے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر مدنی ہیں۔ مکّی آیتوں میں صرف وہ احکام مذکور ہیں، جن سے عقیدہ کی حفاظت مقصود ہے مثلاً جانور جو خدا کے نام پر ذبح نہ کیے گئے ہوں ان کی حرمت کا حکم مکّہ میں نازل ہوا ہے اور اس سے صرف عقیدۂ توحید کی حفاظت ہوتی ہے۔

**نسخ** قرآن مجید مذہبِ اسلام کی بنیاد اور خدا کی وہ مضبوط رسّی ہے جس کے پکڑنے کا حکم اس نے تمام مسلمانوں کو دیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔ (آل عمران: ۱۰۳)

تم سب خدا کی رسی مضبوط پکڑو اور اختلاف نہ کرو۔

اور تقریباً یہ مقصد بدیہیات دین میں سے ہے، جس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اس موقع پر ایک مسئلہ نہایت تفصیل وتوضیح کا مستحق ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید میں کیا کوئی ایسی بھی آیت ہے جو منسوخ ہوگئی ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے؟

یہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے اور جب کہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ قرآن مجید قطعی الحجۃ ہے

۵۲۸۲۳

اور واجب العمل ہے۔ تو جو شخص اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہے، اس کا فرض یہ ہے کہ اپنے پیشِ نظر مقصد پر قطعی دلیل لائے اور میں اس موقع پر اس مسئلہ کی مزید توضیح کرنا چاہتا ہوں۔

فقہاء کی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق دو معنی پر کیا جاتا ہے:

(۱) اوّل یہ کہ پہلی عبارت سے جو حکم سمجھا جاتا ہے وہ اس کے متصل دوسری عبارت سے باطل کر دیا جائے، مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ

| | |
|---|---|
| کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا۔ | میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا اب تم ان کی زیارت کرو۔ |

اس حدیث کا پہلا فقرہ زیارت قبور کی ممانعت کرتا ہے لیکن دوسرا فقرہ اس ممانعت کو منسوخ کرکے اس کی اباحت یا اس کے حکم کو اس کا قائم مقام کر دیتا ہے۔

(۲) دوم یہ کہ پہلی عبارت کے عموم کو منسوخ کر دیا جائے یا اس کے اطلاق کو مقیّد کر دیا جائے، مثلاً خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ۔ (البقرہ: ۲۲۸) | مطلقہ عورتیں تین حیض کا انتظار کریں۔ |

اس کے بعد ارشاد ہوا:

| | |
|---|---|
| إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا۔ (الاحزاب: ۴۹) | جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے ان کے اوپر کوئی عدّت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو |

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت عام ہے جو مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں قسم کی عورتوں کے لیے ہے لیکن دوسری آیت غیر مدخولہ عورتوں کو ایک مخصوص حکم دیتی ہے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے دوسرے موقع پر فرمایا:

| | |
|---|---|
| وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ | جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر اس |

يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً. (النور: ۴)

پر چار گواہ نہیں لاتے ان کو اسّی کوڑے لگاؤ۔

اس کے بعد فرمایا:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ. (النور: ۶)

جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کی ذات کے سوا ان کے اور گواہ نہیں ہیں تو ان کی شہادت یہ ہے کہ چار بار قسم کھائیں کہ وہ سچے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں بھی پہلی آیت عام ہے جو تمام تہمت لگانے والوں کو چاہے وہ شوہر ہوں یا شوہر نہ ہوں، شامل ہے۔ لیکن دوسری آیت نے شوہروں کو ایک مخصوص حکم دیا ہے، کیونکہ اس نے ان کی پانچوں قسموں کو چار گواہوں کا قائم مقام کر دیا ہے اور عورت کو حدِ زنا سے بری ہونے کا حق بھی اس کی پانچ قسموں کی بناء پر دیا ہے۔

مطلق کے مقیّد کرنے کی مثال خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (المائدہ: ۳)

تم پر مردار اور خون حرام کیا گیا۔

پھر دوسری آیت میں فرمایا:

قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا. (الانعام: ۱۴۵)

کہہ دے جو کچھ میری طرف وحی کیا گیا ہے اس میں تو کوئی حرام چیز جس کو کوئی کھانے والا کھائے، بجز مردار اور بہنے والے خون کے نہیں پاتا۔

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت حرام خون کے لیے مطلق ہے، لیکن دوسری آیت مسفوح یعنی بہنے کی قید لگاتی ہے۔

نسخ کی یہ دوسری قسم بلا اختلاف قرآن مجید میں موجود ہے۔ البتہ اس میں متعدد احتمالات نکل سکتے ہیں مثلاً

(۱) تاریخِ نزول کے لحاظ سے ہم کو یہ معلوم ہے کہ عام اور مطلق خاص اور مقیّد سے

Marfat.com

مقدم یا متأخر ہیں یا یہ معلوم نہیں۔

(۲) پچھلی آیت پہلی آیت سے مِلی ہوئی نازل ہوئی ہے یا وہ بعد میں اتری ہے۔

(۳) بعد میں اترنے والے خاص اور مقیّد کو ہم بعض فقہاء کی اصطلاح کے موافق عام اور مطلق کا ناسخ قرار دیں۔

(۴) یا دوسرے فقہاء کی رائے کے موافق اس کو تخصیص و تقلید کہیں۔

لیکن بہر حال اصل مسمّی کے وجود پر اتفاق کر لینے کے بعد اس کے مختلف نام کوئی اہمیّت نہیں رکھتے بلکہ ہمارے لیے صرف یہ کہنا کافی ہے کہ عام اور مطلق باطل نہیں ہوتے کیونکہ خاص نے جس چیز کو پہلے حکم کے دائرے سے نکال دیا ہے اس کے علاوہ عام ہر چیز پر ہمیشہ دلالت کرتا رہے گا اور یہ اس اصل کی طرف رجوع کر جائے گا جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ احکام فقہیہ میں تدریج ملحوظ ہے یعنی وہ آہستہ آہستہ نازل ہوتے ہیں۔ اس بناء پر جب دین مکمل ہو جائے گا تو عام و خاص دونوں بمنزلہ ایک آیت کے قرار دیئے جائیں گے اور عام کو مستثنیٰ منہ اور خاص کو مستثنیٰ کہا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے دونوں میں سے اگلی اور پچھلی آیت پر اہتمام کے ساتھ دلالت نہیں کی ہے اور ان کے امتیازی علم کو فقہاء نے بھی اہمیت نہیں دی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کل قرآن شئے واحد ہے۔

البتہ نسخ کی پہلی قسم یعنی قرآن مجید میں ایسی آیت کا ہونا جس کا حکم بالکل باطل کر دیا گیا ہو یا اس سے زیادہ موزوں عبارت میں اس کے حکم کی مدت ختم ہو گئی ہو اور وہ صرف بغرضِ تلاوت قائم رکھی گئی ہو محلِ بحث و نظر ہے۔ پچھلی آیت کا پہلی آیت کو باطل کرنا دو باتوں پر موقوف ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ پچھلی آیت بہ تصریح ظاہر کر دے کہ اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

(۲) دوسرے یہ کہ دونوں آیتوں میں ایسا تناقض موجود ہو کہ دونوں میں تطبیق نہ دی جا سکے۔

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کی آیتوں میں کوئی ایسی آیت موجود ہے؟

پہلی صورت قرآن مجید کی کسی آیت میں نہیں پائی جاتی۔ صرف دو آیتیں ہیں جو بحث و

Marfat.com

تحقیق سے پہلے ان لوگوں کی رائے کی تائید کرتی ہیں جو قرآن مجید میں نسخ کے قائل ہیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ٥ (الانفال : ۶۵)

اے پیغمبر مسلمانوں کو لڑائی کے لیے آمادہ کرو۔ اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیونکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو نہیں سمجھتی۔

اس کے بعد اس کی متصل آیت میں فرمایا :

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِیْنَ ٥ (الانفال : ۶۶)

اب خدا نے تمہارے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ تم میں ضعف ہے۔ تو اب اگر تم میں سو صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں گے تو خدا کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لفظی حیثیت سے یہ دونوں آیتیں خبر کی صورت میں ہیں لیکن ان سے انشا مقصود ہے۔

کیونکہ خداوند تعالیٰ اس سورہ میں فرماتا ہے :

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (الانفال : ۴۵)

مسلمانو! جب تم کسی جماعت سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو۔

لیکن خدا نے ثبات کے اس مطلق حکم کی تحدید کرنی چاہی کیونکہ اس مطلق حکم سے تمام حالات میں مسلمانوں اور ان کے ساتھ لڑنے والوں کی تعداد کتنی ہی ہو، ثبات واجب ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر پہلی آیت نے ان لوگوں کی تعداد جن کے مقابل میں ثبات واجب ہے، دس گنا متعیّن

Marfat.com

کی۔ لیکن اس موقع پر صریحاً امر کا صیغہ جیسا کہ اس کے پہلے "اثبتوا" کا لفظ آچکا ہے، استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ اس موقع پر ان کے قلوب میں حمیّت کا پیدا کرنا اور ان کے سینوں میں غیرت کی آگ بھڑکانا مقصود تھا اس لیے اس امر کو خبر کی صورت میں پیش کیا۔ لیکن جب خدا نے ان کے ضعف کو جان لیا تو دوسری آیت میں تخفیف کر دی۔ اس موقع پر علم سے ظہور مراد ہے یعنی ان میں ایک ایسا ضعف ظاہر ہوا جو پہلے سے موجود نہ تھا اگر وہ پہلے سے موجود ہوتا تو خدا اس کو جانتا اور پہلے حکم کا موقع پیش نہ آتا۔ اس لیے یہ نوپیدا ضعف تخفیف کا مقتضی ہوا۔ اب اگر ہم یہ کہیں کہ دوسری آیت کو پہلی آیت سے وہی نسبت ہے جو اس آیت کی ہو سکتی ہے جو کسی امر عارض کی وجہ سے تخفیف کر دیتی ہے لیکن اس امر عارض کے زوال کے بعد پہلی آیت کا حکم باقی رہتا ہے، تو ان دونوں آیتوں کا حکم وہی ہوگا جو عزیمت کے حکم کا رخصت کے حکم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کسی جماعت میں یہ ضعف جس کو خدا نے تخفیف کا سبب بیان کیا ہے، نہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ اپنی دس گنا تعداد کے مقابل میں ثابت قدم رہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں بیس اشخاص کی جو تعداد مذکور ہے اس کی صفت میں "صابرین" کا لفظ آیا ہے۔ اسی طرح سو اشخاص کی تعداد "صابرۃ" کے لفظ سے موصوف ہے۔ اس بنا پر جہاں کہیں صبر کا وصف موجود ہوگا وہاں پہلا حکم ثابت و برقرار رہے گا۔ صبر کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس سے پہلے مادی اور قلب کی روحانی قوت دونوں موجود ہوں لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ دوسری آیت یعنی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا تمام حالات میں عام ہے، تو پہلی آیت کا حکم منسوخ ہوگا۔ لیکن یہ مستبعد ہے۔ ان ہی دونوں آیتوں کے قریب قریب خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے:

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ | اے کملی اوڑھنے والے! رات میں نماز کے لیے کھڑے رہا کرو۔ لیکن ساری رات نہیں بلکہ ساری رات سے کم یا آدھی رات یا اس میں سے بھی تھوڑا سا کم کر لیا کرو یا آدھی رات سے بڑھا دیا کرو اور |

Marfat.com

الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ۝ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝

(المزمل : ۱ - ۷)

قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم تم پر عنقریب ایک بھاری قول کا بوجھ ڈالیں گے۔ بیشک رات کا اٹھنا خوب موثر ہے۔ اور اس وقت دعا بھی ٹھیک دل سے نکلتی ہے اور دن کے وقت تو تم کو (وعظ و نصیحت میں) بڑا مشغلہ رہا کرے گا۔

اس کے بعد آخر سورہ میں فرمایا :

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ؕ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْکُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ؕ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ۔

(المزمل : ۲۰)

اے پیغمبر! تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم اور چند لوگ جو تمہارے ساتھ ہیں (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات میں نماز کے لیے کھڑے رہتے ہو، اور رات اور دن کا (ٹھیک) اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ تم وقت کا تحفظ نہیں کر سکتے تو اس نے تمہارے حال پر رحم کیا (اور وقت کی قید اٹھا دی) تو اب (تہجد میں) جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے پڑھ لیا کرو۔ اس کو معلوم ہے کہ تم میں سے بعض (آدمی) بیمار پڑیں گے اور بعض خدا کے فضل (معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کریں گے اور بعض خدا کی راہ میں لڑیں گے تو جتنا قرآن (تہجد میں) آسانی سے پڑھا جائے پڑھ لیا کرو۔ اور نماز (پنجگانہ) پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے اور وہ صراحۃً رات کے ایک حصہ میں جو اس کے نصف کے قریب ہو، قیام نماز کا مطالبہ کرتی ہے۔

Marfat.com

اور اس نماز (تہجد) کے وجوب کا اس نے سبب بھی بیان کر دیا ہے۔ دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح چند صحابہؓ بھی اس پر عمل کرتے تھے۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ اس موقع پر ایک ایسا سبب موجود ہے جو اس معاملہ میں صحابہؓ کے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عنقریب ان کی تین قسمیں، جن کو خدا نے بیان کر دیا ہے، ہو جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن مجید کے صرف اس حصے کی تلاوت کی تکلیف دی گئی جس کا پڑھنا آسان ہو۔ اب اگر پہلی آیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک محدود ہو، اور صحابہ کرامؓ نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کے خیال سے رات کو قیام کیا اور اسباب متذکرہ بالا کی بناء پر جو آسانی کی گئی وہ صرف صحابہؓ کی ذات تک محدود رہے، تو پہلی آیت منسوخ نہ ہوگی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باقی رہے گا۔ (حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہی ہے) لیکن اگر پہلی آیت کو عام قرار دیا جائے اور آسانی کو بھی عام تسلیم کیا جائے تو پہلی آیت منسوخ قرار پائے گی۔ لیکن یہ معنی بعید از عقل و قیاس ہے۔ پہلے معنی کے رُو سے دوسری آیت کی تطبیق پہلی آیت سے ہو جاتی ہے اور اس دوسرے معنی کے لحاظ سے بعد کی آیت پہلی آیت کے حکم کے باطل ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ حالانکہ یہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ دونوں آیتیں جن کے سوا ہمارے خیال میں کوئی تیسری آیت موجود نہیں، متعین طور پر غیر مفید نسخ ہیں۔ سورہ المجادلہ میں صدقۃ النجویٰ کی جو آیت[1] ہے وہ بھی انہی دونوں کے قریب قریب ہے۔

دوسرا طریقہ یعنی یہ کہ دو صریح متناقض آیتوں کی بناء پر جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو، نسخ کی مجبورانہ ضرورت پیش آئے تو ہمارے نزدیک قرآن مجید میں بمشکل ایسی کوئی آیت مل سکتی ہے۔

جن آیتوں کی نسبت نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے ہم نے ان کو ان علماء کے جوابات کے ساتھ جو ان کے نسخ کے منکر ہیں، اپنی کتاب "اصول فقہ" میں بیان کیا ہے۔ اس لیے اگر تم چاہو تو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہو۔"

---

[1] المجادلہ: ۱۲

علمائے سلف میں جن لوگوں نے قرآن مجید میں کسی آیت کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے، ان میں مفسر اعظم ابومسلم اصفہانی ہے۔ ہم نے ان کے اقوال کو امام رازی کی تفسیر میں دیکھا ہے اور خود امام رازی کی ضمنی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابومسلم کی اس رائے کی طرف مائل ہیں۔

# قرآن مجید کا طرزِ بیان

## طلب اور تخییر کے متعلق

قرآن مجید نے طلب وتخییر کے متعلق ایک طرز بیان کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے افعال کا مطالبہ کرتا ہے، مثلاً

(۱) کبھی وہ صریح امر کا لفظ استعمال کرتا ہے، مثلاً

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی (النحل: ۹۰) | خدا عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ |
| اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (النساء: ۵۸) | خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت داروں کی امانت ان کو دو اور جب تم لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔ |

(۲) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ یہ فعل مخاطبین پر فرض کیا گیا ہے، مثلاً

| | |
|---|---|
| کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی (البقرہ: ۱۷۸) | مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے |
| کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّۃُ۔ (البقرہ: ۱۸۰) | جب تم میں کسی کی موت آئے تو اگر وہ کوئی مال چھوڑ دے تو اس پر وصیت فرض کی گئی ہے۔ |
| کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ، (البقرہ: ۱۸۳) | تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔ |

Marfat.com

وَرُهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ، (الحدید : ۲۷)
رہبانیت کو ان لوگوں نے خود ایجاد کر لیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا۔

كِتَابَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (النساء : ۲۴)
یہ خدا کی فرض کردہ چیز ہے۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ، (النساء : ۱۰۳)
نماز مسلمانوں پر ایک موقت فرض ہے۔

(۳) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ اس فعل کی ذمہ داری تمام لوگوں پر یا کسی خاص گروہ پر ہے، مثلاً

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ، (آل عمران : ۹۷)
خدا کے لیے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے یعنی ان لوگوں پر جو اس کی طرف سفر کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ، (البقرہ : ۲۳۳)
اور جس شخص کے لڑکا پیدا ہوا ہے اس پر ان عورتوں کا کھانا کپڑا فرض ہے۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ، (البقرہ : ۲۳۳)
اور وارث پر بھی ایسا ہی ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ، (البقرہ : ۲۴۱)
اور جن کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ دستور کے موافق سلوک کرنا مناسب ہے، کہ پرہیزگاروں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔

(۴) کبھی وہ فعل مطلوب کی ذمہ داری ان لوگوں پر ڈال دیتا ہے جن سے اس فعل کا مطالبہ کیا گیا ہے، مثلاً

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (البقرہ : ۲۲۸)
مطلقہ عورتیں تین حیض کے آنے تک اپنے آپ کو روک رکھیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ، (البقرہ : ۲۳۴)
جو لوگ تم میں مر جائیں اور بیبیوں کو چھوڑ جائیں وہ (بیبیاں) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روک رکھیں۔

Marfat.com

اس طرزِ بیان کے بعد کبھی ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے مطالبۂ فعل کی تاکید ہوتی ہے اور کبھی ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل فرض نہیں ہے، مثلاً

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ، (البقرہ : ۲۳۳)

اور جو شخص (طلاق دینے کے بعد) اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں۔

(۵) کبھی وہ صیغۂ طلب یعنی صیغۂ امر اور مضارع مقرون باللام کے ساتھ افعال کا مطالبہ کرتا ہے، مثلاً

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ، (البقرہ : ۲۳۸)

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ کی نماز کی اور خدا کے لیے نمازوں میں عجز و انکسار کے ساتھ کھڑے ہو

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ (الحج : ۲۹)

پھر چاہیئے کہ وہ اپنے میل کچیل کو دُور کریں۔ اپنی نذریں کو پورا کریں اور اس پرانے گھر کا طواف کریں۔

(۶) کبھی وہ اس کی تعبیر فرض کے لفظ سے کرتا ہے، مثلاً

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ، (الاحزاب : ۵۰)

ہم نے جو کچھ ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں ان پر فرض کیا ہے اس کو ہم نے جان لیا ہے۔

(۷) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر کسی شرط کی جزاء کے طور پر کرتا ہے، لیکن یہ طرزِ بیان عام نہیں ہے، مثلاً

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، (البقرہ : ۱۹۶)

تو اگر تم (حج سے) روک دیئے جاؤ تو جو قربانی آسان ہو اس کو روانہ کردو۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ، (البقرہ : ۱۹۶)

تو جو لوگ تم میں سے بیمار ہوں یا ان کے سر میں کوئی تکلیف ہو (تو بال اتروانے کے بدلے میں) روزہ یا خیرات یا قربانی ہے۔

Marfat.com

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ، (البقرہ : ۲۸۰)
اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراغ دستی کے زمانے تک مہلت دینی چاہیئے۔

(۸) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر لفظ خیر کے ساتھ ملا کر کرتا ہے، مثلاً

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ، (البقرہ : ۲۲۰)
اور وہ لوگ جو تجھ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا۔

(۹) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر کسی وعدے کے ساتھ کرتا ہے، مثلاً

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً، (البقرہ: ۲۴۵)
وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے گا تو خدا اس کو اس کے لیے کئی گنا زیادہ دے گا۔

(۱۰) کبھی وہ فعل مطلوب کی نسبت کہتا ہے کہ وہ خود نیکی ہے یا نیکی کی طرف پہنچانے والا ہے، مثلاً

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ، (البقرہ : ۱۷۷)
لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو خدا پر ایمان لایا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى، (البقرہ : ۱۸۹)
لیکن نیکی اس شخص کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۲)
(آل عمران : ۹۲)
تم لوگ ہرگز نیکی کو نہ پاؤ گے یہاں تک کہ جن چیزوں کو تم محبوب رکھتے ہو ان میں سے کچھ خرچ نہ کرلو۔

اسی طرح کسی فعل کی ممانعت کے متعلق بھی قرآن مجید نے مختلف طرز بیان اختیار کیے ہیں، مثلاً

(۱) صریح نہی، مثلاً

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (النحل : ۹۰)
اور خدا بے حیائی کے کاموں اور بری باتوں اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے۔

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ، (الممتحنہ : ۹)
جن لوگوں نے تم سے مذہب کے بارے میں جنگ کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالے جانے پر مدد دی، خدا تم کو انہی کی دوستی کرنے سے منع کرتا ہے۔

(۲) شے ممنوع کو حرام کرنا، مثلاً

إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ، (الاعراف : ۳۳)

میرے پروردگار نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے، وہ ظاہر ہوں تو اور پوشیدہ ہوں تو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو اور اس بات کو کہ تم کسی کو خدا کا شریک قرار دو جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری۔ اور یہ کہ بے سوچے سمجھے خدا پر بہتان باندھو۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ، (الانعام : ۱۰۱)

کہہ! آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں۔

وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، (النور : ۳)

اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

(۳) فعل ممنوع کو "حلال نہیں" کہنا، مثلاً

لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا، (النساء : ۱۹)

تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ۔ (البقرہ : ۲۲۹)

تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہے اس سے کچھ لے لو بجز اس صورت کے کہ میاں بی بی دونوں کو یہ خوف ہو کہ وہ حدود خداوندی کو قائم نہ رکھیں گے۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ، (البقرہ : ۲۲۸)

اور ان عورتوں کے لیے یہ حلال نہیں کہ خدا نے ان کے رحموں میں جو پیدا کیا ہے، اس کو چھپائیں۔

(۴) صیغۂ نہی یعنی فعل مضارع کا جس کے پہلے "لائے نہی" ہو یا ایسے فعل امر کا جس سے ممانعت مقصود ہو مثلاً "دع" اور "ذر" کا استعمال کرنا، مثلاً

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ، (الانعام : ۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ بجز اس طریقے کے جو عمدہ ہو۔

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ، (الانعام : ۱۲۰)
اور کھلے اور پوشیدہ گناہ کو چھوڑ دو ۔

وَ دَعْ اَذٰىهُمْ ، (الاحزاب : ۴۸)
اور ان کی ایذا رسانی کو چھوڑ ۔

(۵) فعل ممنوع سے نیکی کی نفی کرنا ، مثلاً

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ، (البقرہ : ۱۷۷)
یہ نیکی کا کام نہیں ہے کہ اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو ۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا ، (البقرہ : ۱۸۹)
یہ نیکی کا کام نہیں ہے کہ گھروں میں ان کی پشت کی جانب سے آؤ ۔

(۶) فعل ممنوع کی نفی کرنا ، مثلاً

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ، (البقرہ : ۱۹۳)
پس اگر وہ فساد سے رُک جائیں تو ان پر زیادتی نہیں ہے ، زیادتی صرف ظالموں پر ہے ۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ، (البقرہ : ۱۹۷)
تو جو شخص ان مہینوں میں حج کا عزم کرلے تو حج میں نہ کوئی شہوت کی بات ہے ، نہ گناہ کی ، نہ لڑائی کی ۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ، (البقرہ : ۲۳۳)
ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ اس کو جس کا بچہ ہے اس بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے ۔

(۷) گناہ کے استحقاق کے ساتھ ملا کر فعل ممنوع کا ذکر کرنا ، مثلاً

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ، (البقرہ : ۱۸۱)
جو وصیت سُن کر اس کو بدل دے تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو وصیت کو بدل دیں ۔

(۸) فعل ممنوع کو عذاب کی دھمکی کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا ، مثلاً

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ
اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور ان کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے تو ان کو دردانگیز

Marfat.com

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ (التوبہ : ۳۴) | عذاب کی دھمکی دے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۔ (البقرہ : ۲۷۵) | جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے دن) کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اس شخص کا سا کھڑا ہونا جس کو شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔

(۹) فعل ممنوع کے وصف میں "شر" کا لفظ استعمال کرنا، مثلاً

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۔ (آل عمران : ۱۸۰) | جو لوگ اس فضل کے ساتھ، جس کو خدا نے ان کو دیا ہے، بخل کرتے ہیں، یہ نہ گمان کریں کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے لیے بدتر ہے۔

قرآن مجید نے ان اوامر کا بیان جن کے کرنے یا نہ کرنے کا مکلف کو اختیار ہے، مختلف طریقوں سے کیا ہے، مثلاً

(۱) حلت کی اسناد اس فعل کی طرف کرنا یا اس کو اس کے ساتھ متعلق کرنا، مثلاً

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۔ (المائدہ : ۱) | چار پائے جانور تمہارے لیے حلال کر دیے گئے ہیں۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ۔ (المائدہ : ۴) | لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیز ان کے لیے حلال کی گئی ہے تو ان سے کہہ دو کہ کھانے کی پاک چیزیں سب تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لیے سدھا رکھے ہوں۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۔ (المائدہ : ۵) | آج کے دن تمہارے لیے کھانے کی چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا ذبیحہ جن کو کتاب دی گئی ہے تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے۔

(۲) فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی کرنا، مثلاً

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ | جو بھوک سے بے قرار ہو جائے اور عدول حکمی کرنے

عَلَيْهِ ، (البقرة : ۱۷۳)

والا اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (یعنی حرام چیز کے کھانے میں)

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ۔ (البقرة : ۲۰۳)

پھر جو شخص جلدی کرے اور دو ہی دن میں چل کر کھڑا ہو، اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو دیر تک ٹھہرا رہے اس پر (بھی) کچھ گناہ نہیں۔ (یہ رعایت ان کے لیے ہے) جو پرہیزگاری کریں۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ، (البقرة : ۱۸۲)

اور اگر کسی شخص کے دل میں وصیت کرنے والے کی طرف سے طرف داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو اور وہ وارثوں میں میل کرا دے تو ایسی صورت میں وصیت کے بدلنے کا، اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔

(۳) فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی لفظ "جناح" سے کرنا، مثلاً

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّأَحْسَنُوْا، (المائدہ : ۹۳)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو جو (کچھ ممانعت سے پہلے) کھا پی چکے ان پر (کسی طرح کا) گناہ نہیں جب کہ انہوں نے (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا، اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ، (النور : ۵۸)

ان تینوں اوقات کے سوا (بے اذن آنے دینے میں اور بے اذن چلے آنے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ، (البقرة : ۱۵۸)

صفا اور مروہ خدا کے شعائر ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے، اس پر گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔

Marfat.com

**جملہ احکام قرآنیہ** قرآن مجید مختلف قسم کے اعمال پر، جن کی بندوں کو تکلیف دی گئی ہے، مشتمل ہے۔

(۱) اوّل وہ معاملہ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہے یعنی وہ عبادات جو بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتیں۔ ان میں بعض مثلاً نماز روزہ خالص عبادات ہیں۔ بعض مثلاً زکوٰۃ مالی اور تمدّنی عبادات ہیں۔ بعض مثلاً حج بدنی اور تمدّنی عبادت ہیں۔ یہ چاروں عبادتیں ایمان کے بعد بنیادِ اسلام تسلیم کی گئی ہیں۔

(۲) دوم بندوں کا باہمی معاملہ ہے جن کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) قوانین تحفظ دعوتِ اسلام یعنی جہاد۔

(۲) قوانینِ استقلالِ خاندان یعنی وہ احکام جو نکاح، طلاق، نسب اور وراثت سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) قوانینِ معاملات باہمی یعنی بیع اور اجارہ وغیرہ کے احکام اور اصطلاح میں ان کو معاملات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۴) قوانین تعزیری یعنی قصاص و حدود، ہم آگے چل کر الگ الگ ان سب کی تفصیل کریں گے۔

**حدیث** حدیث سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال اور دوسروں کے وہ اعمال جن کو آپؐ نے قائم و برقرار رکھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اپنا مبلّغ بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ چنانچہ خدا خود کہتا ہے :

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ، (المائدہ : ۶۷)

اے پیغمبر جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے تم اس کی تبلیغ کردو۔

اور آپؐ خدا کی طرف سے اس کے مقاصد کے بیان کرنے والے تھے۔ خدا خود فرماتا ہے :

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ٥ (النحل : ۴۴)

ہم نے تم پر ذکر کو اتارا تاکہ تم لوگوں کے لیے اس چیز کو بیان کردو جو ان پر نازل کی گئی ہے اور شاید وہ لوگ غور و فکر کریں۔

Marfat.com

اس بناء پر آپؐ قرآن مجید کے مطلب کو صرف قول سے، کبھی صرف فعل سے اور کبھی ایک ساتھ قول وفعل دونوں کے ذریعہ سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً آپؐ نے نماز ادا فرمائی اور فرمایا:

صلوا کما رأیتمونی اصلی، — اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

آپؐ نے حج ادا کیا اور فرمایا:

خذوا عنی مناسککم، — مجھ سے اپنے ارکان سیکھو۔

اس لحاظ سے آپؐ قرآن مجید کے شارح ہیں۔ یعنی آپؐ قرآن مجید کی مجمل آیتوں کی تشریح کرتے ہیں۔ اس کی مطلق آیتوں کو مقید فرماتے ہیں اور اس کی مشکل آیتوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ اور اس حیثیت سے حدیث کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے مفہوم پر قرآن مجید نے اجمالاً یا تفصیلاً دلالت نہ کی ہو۔ البتہ اس دلالت کے مختلف طریقے ہیں۔

(۱) اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو واجب قرار دیا ہے۔ مثلاً

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۷) — جو کچھ پیغمبر تم کو دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آؤ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء: ۶۵) — تیرے پروردگار کی قسم وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تجھ کو اس نزاع کے متعلق حکم نہ بنائیں جو ان کے درمیان واقع ہوئی۔ پھر حکم بنانے کے بعد اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے تنگی نہ پائیں اور اس کو پورے طور پر مان لیں۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران: ۳۱) — کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔

Marfat.com

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا — کہہ دو کہ خدا اور رسول کی اطاعت کرو تو اگر وہ روگردانی
فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ (آل عمران ۳۲) — کریں تو خدا کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔

(۲) اس کا دوسرا طریقہ علماء کے نزدیک عام طور پر مشہور ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے جو احکام نفس عمل کی کیفیات، ان کے اسباب، ان کے شروط اور ان کے موانع و لواحق وغیرہ کے لحاظ سے مجمل ہیں اور احادیث میں ان کی جو توضیح کی گئی ہے وہ اسی طریقہ میں داخل ہے۔ مثلاً احادیث میں نماز اور زکوٰۃ کی تشریح قرآن مجید ہی کی توضیح ہے۔

(۳) اس دلالت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپؐ ان چیزوں میں جو دو کھلی ہوئی چیزوں کے درمیان واقع ہیں، اجتہاد فرماتے ہیں یا اور چیزیں جو اصول و فروع کے درمیان دائر ہیں، ان میں قیاس کرتے ہیں۔ مثلاً

(۱) خدا نے پاکیزہ چیزوں کو حلال کر دیا اور ناپاک چیزیں حرام کر دیں۔ لیکن ان دونوں کھلی ہوئی چیزوں کے درمیان چند مشتبہ چیزیں ہیں۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاداً اس کی توضیح کر دی اور ہر درندہ جانور اور پنجہ دار چڑیا کو حرام قرار دیا اور پالتو گدھوں کے گوشت کی ممانعت فرما دی جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو آپؐ نے ناپاک چیزوں میں شامل کر دیا۔

(۲) خدا نے پینے کی غیر منشی چیزوں کو حلال کیا اور منشی چیزوں کو حرام قرار دیا۔ ان دونوں اصول کے درمیان وہ چیزیں ہیں جو حقیقتاً منشی نہیں ہیں لیکن منشی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً دباء، مزفت اور نقیر۔ (یہ مختلف برتنوں کے نام ہیں، جن میں کھجور وغیرہ بھگو کر ایک قسم کی سرور انگیز شراب بناتے تھے جس کو نبیذ کہتے تھے) کو منشی چیزوں میں داخل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ممانعت فرما دی تاکہ شراب نوشی کا ذریعہ مسدود ہو جائے۔ اس کے بعد آپؐ نے اس اصل کی طرف رجوع کیا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، جیسے پانی اور شہد۔ اور فرمایا:

کنت نہیتکم عن الانتباذ فانتبذوا و — میں نے تم کو نبیذ بنانے سے منع کیا تھا۔ اب نبیذ بناؤ
کل مسکر حرام — اور ہر منشی چیز حرام ہے۔

Marfat.com

۳- خدا نے سدھائے ہوئے شکاری جانور کے اس شکار کو جو ہمارے لیے کرے، مباح قرار دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ بے سدھائے ہوئے جانور کا شکار حرام ہے کیونکہ وہ صرف اپنے لئے شکار کرتا ہے۔ اب ان دونوں اصول کے درمیان وہ شکاری جانور ہے جو سدھایا ہوا تو ہے مگر اس نے اپنے شکار کو کھالیا ہے۔ کیونکہ سدھانے کا اقتضاء تو یہ ہے کہ اس نے اپنے آقا کے لیے شکار کیا ہے اور اس کے کھالینے کا اقتضاء یہ ہے کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان دونوں اصول میں تعارض واقع ہوا تو حدیث میں اس کی توضیح کر دی گئی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر وہ سدھایا ہوا جانور خود شکار کو کھالے تو تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا۔"

۴- جو لوگ احرام حج باندھیں ان کو عموماً شکار کرنے کی ممانعت کی گئی اور جو لوگ اس حالت میں قصداً شکار کریں ان پر کفارہ مقرر کیا گیا۔ اسی طرح جو لوگ احرام نہ باندھیں ان کے لیے عموماً شکار مباح کیا گیا۔ اب صرف یہ مسئلہ محلِ بحث رہ گیا کہ اگر محرم غلطی سے کسی جانور کو مار ڈالے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ حدیث میں وجوبِ کفارہ کے متعلق قصد و خطا دونوں کو برابر کر دیا گیا۔

اس کی اور بھی بکثرت مثالیں ہیں جو عنقریب تمہارے سامنے آئیں گی۔

قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسے متعدد اصول ہیں جن سے اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز ان کے مثل ہو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان اصول کا ہے۔ اور اس کے اطلاق سے جو بات سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض مقیدات بھی اس کے مثل ہیں۔ اس لیے قرآن مجید حدیث کی توضیح پر اعتماد کر کے صرف اس اصل پر اکتفا کرتا ہے اور اس کی فروعات کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ مقیس علیہ (یعنی اصل) اگرچہ خاص ہے، لیکن معنی کے لحاظ سے وہ عام ہے۔ ایسی حالت میں اگر ہم کو قرآن مجید میں کوئی اصل ملے اور حدیث میں بھی کوئی ایسا حکم وارد ہو جو اسی کے ہم معنی ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ اب ہم اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس کہیں یا وحی سمجھیں، لیکن یہ صورت ہمارے خیال میں مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے۔ اور اس کی متعدد مثالیں ہیں۔ مثلاً

۱- خداوند تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور جاہلیت کے سود کا یہ طریقہ تھا کہ ایک قرض دوسرے

Marfat.com

قرض سے منسوخ ہو جاتا تھا اور قرض خواہ کہتا تھا کہ قرض ادا کر دیا سود دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سود کو حرام کیا اور فرمایا،

وَرِبَا الجاهلية موضوع — اور جاہلیت کا سود مٹا دیا گیا۔

چونکہ اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس طریقہ سے جو زائد رقم سود کی صورت میں لی جاتی تھی، اس کا کوئی معاوضہ نہیں ادا کیا جاتا تھا۔ اس لیے جن چیزوں میں اس قسم کی بلامعاوضہ زیادتی پائی جاتی تھی، حدیث نے ان کو بھی اس ممانعت میں شامل کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل — سونا سونے کے بدلے میں، چاندی چاندی کے بدلے میں، گیہوں گیہوں کے بدلے میں، جو جو کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، نمک نمک کے بدلے میں (اس طرح فروخت کیا جائے) کہ دونوں باہم مثل ہوں، باہم برابر ہوں۔ ایک ہاتھ سے لیا جائے

---

ؔ اس مثال کی توضیح کے لیے یہ جان لینا چاہیے کہ جاہلیت میں سود کی دو قسمیں تھیں، ربا نسیہ اور ربا فضل۔ پہلی قسم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مال کو اس شرط پر دیتے تھے کہ ہر مہینے میں ایک معین رقم لیتے رہیں گے اور اصل مال باقی رہے گا، اس لیے جب مدت ختم ہو جاتی تھی تو مدیون سے اصل مال کا تقاضا کرتے تھے، اور اگر وہ اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو سود کے ساتھ مدت ادائے قرض میں اضافہ کر دیتے تھے، اس لیے پہلا قرض مع اپنی مدت سود کے منسوخ ہو جاتا تھا۔ اب اصل رقم میں پہلے مہینے کا سود شامل ہو کر نیا قرض شروع ہو جاتا تھا اور اس طرح سود کئی گنا زیادہ ہو جاتا تھا، خدا نے اسی سود کو حرام قرار دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً — مسلمانو! سود دو گنا سہ گنا کر کے نہ کھاؤ۔ (آل عمران: ۱۳۰)

اور اس زمانہ میں بھی سود کا یہ طریقہ جاری ہے۔

ربا فضل (اور اسی کا دوسرا نام ربا نقد بھی ہے) کا یہ طریقہ تھا کہ مثلاً ایک سیر گیہوں کو دو سیر گیہوں کے بدلے میں فروخت کرتے تھے۔ قرآن مجید نے اس سے تعرض نہیں کیا ہے، بلکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| سواءً بسواءٍ یداً بیدٍ فمن | اور دوسرے ہاتھ سے دیا جائے۔ اب اگر ان چیزوں میں سے کسی |
| زاد او ازداد فقد اربیٰ | نے بڑھایا یا کوئی شخص بڑھا تو اس نے سود لیا اور سود دیا۔ لیکن |
| فاذا اختلف ھذہ الاصناف | اگر یہ اقسام مختلف ہو جائیں (مثلاً جو کے بدلے کھجور لی جائے) تو |
| فبیعوا کیف شئتم اذا کان | جس طریقہ سے چاہو (یعنی مع اضافہ وبغیر اضافہ) بیچو بشرطیکہ ایک |
| یداً بیدٍ | ہاتھ سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے دیا جائے (یعنی ادھار نہ ہو) |

لیکن اگر ان مختلف الاجناس چیزوں کی خرید و فروخت بھی ادھار کے طور پر کی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی سود کی قسم میں شمار کیا ہے کیونکہ ان دونوں عوضوں میں سے ایک عوض کو ادھار پر رکھنا زیادتی کا مقتضی ہے۔ اس معنی (یعنی زیادتی بغیر عوض) کے لحاظ سے اسی میں وہ بیع سلف[1] بھی داخل ہے جس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ کیونکہ دو مشابہ اجناس کے فوائد چونکہ قریب قریب یکساں ہیں، اس لیے ان دونوں کی بیع بھی اسی قسم کی ہے جیسے متحد الاجناس چیزوں کا تبادلہ۔ اس لیے اگر اس میں زیادتی کی جائے تو وہ بلا معاوضہ قرار پائے گی، جس کی شریعت میں ممانعت آئی ہے۔ کیونکہ جو دو چیزیں ایک دوسرے کے معاوضہ میں دی جاتی ہیں ان میں کسی عوض کے لیے عادۃً مدّت اس لیے مقرر کی جاتی ہے کہ قیمت میں اضافہ کیا جائے اور ایک موجود چیز غیر موجود چیز کے مقابلہ میں صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ قیمت میں موجودہ چیز سے بہتر ہے، اور اسی کا نام زیادتی اور سود ہے۔ اب صرف یہ بحث ہے کہ سونے چاندی اور اشیائے خوردنی کے علاوہ اور چیزوں میں اس قسم کی زیادتی کیوں جائز ہے؟ اگر اس کی وجہ واضح ہوتی تو جس طرح اور بہت سے مسائل اجتہادیہ مجتہدین کی رائے پر چھوڑ دیئے گئے ہیں اسی طرح یہ معاملہ بھی ان کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا۔ لیکن چونکہ اس کی وجہ مجتہدین کو معلوم نہیں ہو سکتی تھی اس لیے حدیث نے اس کو بیان کر دیا۔

---

[1] بیع سلف یا بیع سلم کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو غلہ پیشگی بطور قیمت کے اس شرط پر دیا جائے کہ اتنی مدت میں اس کے بدلے میں اس کو اسی کے مثل فلاں غلہ اس مقدار میں دینا پڑے گا۔

۲۔ خدا نے ایک ساتھ ماں بیٹی اور دو بہنوں کے نکاح کو حرام کیا اور ان کے علاوہ جو عورتیں تھیں ان کے متعلق ارشاد ہوا :

وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ (النساء : ۲۴) : اور ان کے علاوہ تمہارے لیے اور عورتیں حلال ہیں۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ سے ایک ساتھ قیاساً نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ جس وجہ سے ماں بیٹی اور دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا ممنوع ہے وہ اس صورت میں بھی موجود ہے۔ اس حدیث میں یہ ٹکڑا بھی مروی ہے :

فانکم اذا فعلتم ذٰلك قطعتم ارحامکم اگر تم نے ایسا کیا تو قطع رحم کیا۔

اس تعلیل و توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ کا یہ حکم قیاسی ہے۔

۳۔ خدا نے جان کی دیّت تو بیان کر دی لیکن اطراف (یعنی اور اعضاء) مثلاً ہاتھ، پاؤں وغیرہ کی دیّت نہیں بیان فرمائی۔ لیکن چونکہ عقلاً اس قسم کا قیاس مشکل ہے اس لیے حدیث نے وضاحت کے ساتھ ان کی دیّت کو بیان کر دیا گویا یہ وہ قیاس ہے جو نہایت مشکل ہے اور اس کی مثالیں بھی آئیں گی۔

۴۔ اس کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ ان متحدّہ و مجتمعہ وجوہ پر نظر ڈالی جائے جو قرآن مجید کے متفرق دلائل کو ایک سررشتہ میں منظم کر سکیں۔ کیونکہ اگرچہ قرآن مجید کی دلائل کے وجوہ مختلف ہوتے ہیں لیکن ان سب میں ایک وجہ عام مشتمل ہوتی ہے جو متفرق مصالح کے امر یا استحسان سے مشابہت رکھتی ہے۔ حدیث اُسی وجہ کے مطابق وارد ہوتی ہے اس لیے یقینی باطنی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وجہ عام ان تمام وجوہ مختلفہ سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ یہ دلیل سے صحیح طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ حدیث قرآن مجید کی توضیح کے لیے وارد ہوتی ہے۔

اس طریقہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو کس قسم کا تعلق ہے۔

صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجتمعاً اور متفرقاً دونوں طریقوں سے حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مثلاً آپ ؐ سے بعض حدیثوں کو صحابہؓ کا ایک بہت بڑا گروہ اخذ کرتا تھا۔

Marfat.com

چنانچہ اکثر عملی حدیثیں جن میں زکوٰۃ، نماز اور حج کے احکام کی تشریح کی گئی ہے، اسی قسم کی ہیں۔ لیکن بعض حدیثوں کو صرف دو ایک شخص اخذ کرتے تھے اور چونکہ ان میں اکثر لوگ اَن پڑھ ہوتے تھے، اس لیے اس کو لکھتے نہ تھے بلکہ جو کچھ آپؐ سے سنتے تھے اس کو حفظ کر لیتے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپؐ کے اقوال کو قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت کی ہے کہ "میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا اور اس سے میرا مقصد اس کا حفظ کرنا تھا۔ لیکن قریش نے مجھ کو اس سے روکا اور کہا کہ جو کچھ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو اس کو لکھ لیا کرتے ہو حالانکہ آپؐ انسان ہیں اور غصہ اور رضامندی دونوں حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں۔ اب میں نے لکھنا چھوڑ دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا "لکھو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔"

الغرض اس دَور میں فقہ کا دارومدار دو چیزوں پر تھا۔

(۱) ایک قرآن مجید جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمائی اور لوگوں نے آپؐ سے سُن کر اس کو یاد کیا اور اس کو لکھا۔ اس میں آیاتِ احکام کی تعداد دو سو سے کچھ زیادہ نہیں، جن میں اکثر تمہاری نگاہ سے گذریں گی۔

(۲) قرآن مجید کی وہ توضیح جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی یہی توضیح حدیث کے نام سے مشہور ہے۔ جس کو صحابہؓ آپ سے بالمشافہ اخذ کرتے تھے اور اس دَور میں قرآن مجید کی طرح اس کے لکھنے کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔

قرآن مجید کے تمام احکام کو ان احادیث کی توضیحات کے ساتھ جن کو جمہور امّت نے متفقاً روایت کیا ہے اور جن پر ان کا عمل ہے، ہم عنقریب بہ تفصیل بیان کریں گے۔ اس وقت صرف قرآن مجید کے بنیادی احکام کو بیان کرتے ہیں۔

**صلوٰۃ یعنی نماز** یہ اسلامی لفظ نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے عرب نے دُعا اور استغفار کے

معنی میں اس کا استعمال کیا ہے، چنانچہ اعشیٰ کے ان اشعار میں :

وصهباء طاف یهودیها　　وابرزها وعلیها ختم

وقابلها الریح فی دنها　　وصلّٰی علی دنها وارتسم

یہاں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ اسی کا ایک اور شعر ہے :

علیك مثل الذی صلیت فاغتمضی　　نوما فان الجنب المرء مضطجعا

یہ لفظ صلوٰۃ اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اس لفظ کے اصل اشتقاق کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ،

(۱) ایک تو یہ صلاۃ کے لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی لزوم کے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی چیز کو لازم کر لیتا ہے تو کہا جاتا ہے صلی و اصطلی۔ ازہری نے اسی وجہ اشتقاق کو پسند کیا ہے کیونکہ صلاۃ خدا کی فرض کردہ چیز کا لزوم ہے اور صلوٰۃ وہ سب سے بڑا فرض ہے جس کے لزوم کا خدا نے حکم دیا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ وہ صلوین سے مشتق ہے۔ اور صلوین ان دو رگوں کو کہتے ہیں جو اونٹنی وغیرہ کے دم کی جانب اور انسان کی دونوں رانوں کے پہلے جوڑ کے گرد ہوتی ہیں۔ گویا یہ دونوں رگیں حقیقتاً دُم کی ہڈی کے گرد ہوتی ہیں۔ اشتقاق کی ایک تیسری وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ لفظ صلوات کا معرب ہے جس کے معنی عبری زبان میں نماز کی جگہ کے ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

| | |
|---|---|
| وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔ | اور اگر خدا باہم ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو ڈھا دیئے جاتے درویشوں کے خلوت خانے، عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں خدا کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ |
| (الحج : ۴۰) | |

اس لحاظ سے اہل عرب نے اس لفظ کو لے کر دعا اور استغفار کے معنی میں اس حیثیت

سے استعمال کیا ہے کہ انہوں نے محل کا اطلاق حال پر کر دیا ہے جو ان کے یہاں مجاز کا مشہور طریقہ ہے۔

قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال اس کے عربی معنی میں کیا گیا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (التوبہ : ۱۰۳)

ان کے لیے دعائے خیر کر، بیشک تیری دعائے خیر ان کے لیے تسکین دہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (الاحزاب : ۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مسلمانو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

عرب میں بجز اس کے کہ وہ احرام حج میں دعا کرتے تھے، نماز کا رواج نہ تھا۔ ان کی ایک اور نماز کا بھی قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً۔ (الانفال : ۳۵)

اور نہیں ہے نماز ان کی نزدیک کعبہ کے مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا۔

اس آیت کی تفسیر کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قریش برہنہ تن خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ مجاہد کا قول ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف میں مزاحمت کرتے تھے، آپ کا مذاق اڑاتے تھے، سیٹیاں بجاتے تھے اور آپؐ کے طواف اور نماز میں گڑبڑ ڈالتے تھے۔ مقاتل کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھتے تھے تو یہ لوگ آپؐ کے دائیں بائیں جانب کھڑے ہو کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے تاکہ آپؐ کی نماز میں گڑبڑ ڈال دیں۔ اس بنا پر حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق سیٹیاں اور تالیاں بجانا قریش کی ایک قسم کی عبادت تھی۔ اور مجاہد اور مقاتل کے قول کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا ایک طریقہ تھا۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا قول صحت سے

قریب تر ہے، کیونکہ خدا خود کہتا ہے کہ

وَمَا كَانَ صَلوٰتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً۔ (الانفال : ۳۵)
اور نہیں ہے ان کی نماز کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا۔

مفسرین کی روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں

يَا بَنِيْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ (الاعراف : ۲۹)
اے بنی آدم اپنی زینت کو (یعنی لباس) کو ہر مسجد کے پاس لے لو (پہن لو)

مسلمانوں کو مشرکین عرب کے طریقہ سے الگ دوسرا طریقہ سکھایا ہے، کیونکہ وہ لوگ ان کپڑوں کو پہن کر جن میں وہ مرتکب گناہ ہوئے ہیں، خداوند تعالیٰ سے مناجات نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے برہنہ تن ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور اس سے حضرت ابن عباسؓ کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

ابتدائے فرضیت نماز کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ وہ صبح و شام کی دو رکعتوں تک محدود تھی۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔ (المؤمن : ۵۵)
اور اپنے پروردگار کی تسبیح صبح و شام پڑھ۔

اور عبادت شب صرف تلاوت قرآن کا جیسا کہ سورۂ مزمل کی ابتدا میں مذکور ہے، نام تھا، باقی پنجگانہ نماز تو ہجرت سے کچھ دنوں پہلے فرض کی گئی۔

قرآن مجید نے تمام احکام میں نماز سے زیادہ کسی حکم کو مہتم بالشان قرار نہیں دیا۔ چنانچہ اس کی فرضیت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا۔ کبھی اس کا صریح حکم دیا، کبھی نماز پڑھنے والے کی مدح اور اس کے چھوڑنے والے کی ہجو کی، یہاں تک کہ ان تمام مواقع کے تتبّع و استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز اسلام کا ستون ہے اور جس شخص نے اس کو چھوڑ دیا، اس نے غفلت کی، یا اس کو ریاءً پڑھا تو اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

Marfat.com

قرآن مجید نے نماز اور رکعاتِ نماز کی تعداد صراحۃً بیان نہیں کی بلکہ صرف اجمالی طور پر اوقاتِ نماز کا ذکر کر دیا :

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ. (الروم : ۱۷)

پس پاکی بیان ہو اللہ کی جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو اور اسی کے لیے ہے سب تعریف آسمان اور زمین میں اور رات کے وقت اور جب ظہر کرتے ہو تم ۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا، (بنی اسرائیل : ۷۸)

نماز قائم کر وقت ڈھلنے سورج کے اندھیری رات گئے تک اور قرآن پڑھو فجر کو ، بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہے حاضر کیا گیا ۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ. (ھود : ۱۱۴)

اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ساعتیں رات سے ۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى، (البقرہ : ۲۳۸)

محافظت کرو تمام نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی ۔

اور کیفیتِ نماز کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا :

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ، (البقرہ : ۲۳۸)

اور خدا کے لیے کھڑے ہو ۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا. (الحج : ۷۷)

مسلمانو ! رکوع کرو اور سجدہ کرو ۔

لیکن حدیث نے اس کیفیت کو عملاً بیان کر دیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ پنجگانہ کو مسلمانوں کے ساتھ باجماعت ادا کرتے تھے ۔ اور آپ نے ان سے قولاً بھی ارشاد فرمایا تھا :

صلوا کما رأیتمونی اصلی

جس طرح تم لوگ مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو ۔

Marfat.com

قرآن مجید نے نمازِ جمعہ کا ذکر خاص اہتمام کے ساتھ کیا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۔ (الجمعہ : ۹)

مسلمانو: جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو اور سودا کرنا چھوڑ دو۔

اور حدیث نے عملاً نماز جمعہ اور اس کے خطبہ کی توضیح کر دی۔

جب مسلمانوں کو دشمن کا خوف ہو تو اس وقت ان کو نماز کا جو طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا :

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۔

(النساء : ۱۰۱ ، ۱۰۲)

اور جب تم سفر کرو تو تم پر قصر نماز کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے (اور) اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ کفار تم کو فتنہ میں ڈالیں گے ۔ بیشک کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں ۔ اور جب تم ان کے درمیان ہو اور تم قائم کرو ان کے لیے نماز، تو چاہیئے کہ کھڑی ہو ان میں سے ایک جماعت تمہارے ساتھ اور چاہیے کہ لے لیں یہ لوگ اپنے ہتھیار، پس جس وقت یہ لوگ سجدہ کریں تو چاہیئے کہ ہو جائیں وہ پیچھے تمہارے اور چاہیئے کہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی، آئے اور ساتھ تمہارے نماز پڑھے اور چاہیئے کہ یہ لوگ لیں اپنے بچاؤ (کا سامان) اور اپنے ہتھیار۔

اس کے بعد فرمایا :

فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۔ (النساء : ۱۰۳)

پس جب تم آرام پاؤ تو نماز قائم کرو۔ بیشک نماز مسلمانوں پر فرض مؤقت ہے ۔

Marfat.com

نماز پڑھنے کے لیے قرآن مجید نے طہارت کو واجب کیا ہے :

| | |
|---|---|
| یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْاؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ (المائدہ : ۶) | مسلمانو! جب تم نماز کا قصد کرو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔ اور اگر تم نجس ہو تو خوب پاک ہو جاؤ۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم عورتوں سے صحبت کرو پھر تم پانی نہ پاؤ تو قصد کرو پاک مٹی کا اور مسح کر لو اپنے منہ اور ہاتھوں کا (اس مٹی سے) |
| وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر : ۴) | اور اپنے کپڑوں کو پاک کر۔ |

اور حدیث نے عملاً اور قولاً ان دونوں قسم کی طہارتوں کو بیان کر دیا ہے۔

اور قرآن مجید نے نماز کے لیے زینت (یعنی لباس) کو بھی واجب کیا ہے :

| | |
|---|---|
| یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف : ۲۹) | اے بنی آدم! اپنی زینت (یعنی لباس) کو ہر مسجد کے پاس لے لو۔ |

اور حدیث نے اس زینت کی مقدار کو جو واجب تھی، بیان کر دیا ہے۔

قرآن مجید نے نماز کے وقت ہر شخص پر مسجد حرام کی طرف رُخ کرنا واجب کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس کے بعد قرآن مجید نے مسجد حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا :

| | |
|---|---|
| فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِؕ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (البقرہ : ۱۵۰) | تو تُو اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دے۔ اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی طرف پھیرو۔ |

حدیث نے عملاً اور چند نمازیں بتائی ہیں جن کو اس نے واجب نہیں کیا ہے بلکہ نفل قرار دیا ہے۔ ان میں بعض تو نمازِ مفروضہ سے پہلے یا ان کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور بعض ان کے ساتھ نہیں پڑھی جاتیں۔ عید اور بقر عید کی نماز بھی اسی دوسری قسم میں داخل ہے۔

صوم یعنی روزہ | عربی زبان میں صوم کے معنی کسی چیز سے رُک جانے اور اس کو چھوڑ دینے کے ہیں۔ اور صوم کے اصطلاحی معنی یعنی کھانے پینے اور جماع کرنے سے رُک جانا، اسی سے ماخوذ ہیں۔

اسلام سے پہلے بھی عرب میں روزہ کا رواج تھا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزۂ رمضان کی فرضیت کے زمانہ تک اس دن کے روزوں کا حکم دیا لیکن جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو آپؐ نے فرمایا :

من شاء فلیصمه ومن شاء افطر — جو شخص چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو شخص چاہے نہ رکھے۔

ابن اسحاق نے حدیث بدء الوحی میں روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مہینے تک غارِ حرا میں اعتکاف کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں قریش کی عبادت گذاری کا یہی طریقہ تھا، اس لیے آپؐ ہر سال اسی مہینے میں اعتکاف کرتے تھے اور آپؐ کے پاس جو غریب لوگ آتے تھے ان کو کھانا کھلاتے تھے۔" یہ مہینہ رمضان کا مہینہ تھا جس میں آپؐ پر قرآن مجید نازل کیا گیا۔ اس لیے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں روزہ رکھتے تھے۔

خداوند تعالیٰ نے روزوں کے لیے وہی مہینہ انتخاب کیا جس میں آپ ہر سال اعتکاف کرتے تھے اور اسی میں آپؐ کو رسالت سے بھی مشرف کیا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں فرمایا :

| | |
|---|---|
| یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ | مسلمانو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے، شاید کہ تم پرہیزگاری کرو۔ یہ روزے چند گنتی کے دن کے ہیں۔ پس تم |

Marfat.com

مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ
وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ
مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ
لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ
اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ
بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ
وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ
اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا
يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ
لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۸۳ - ۱۸۵)

میں جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کی گنتی دوسرے دنوں
کے شمار سے ہے۔ اور جو لوگ کہ اس کی طاقت نہیں رکھتے
ان پر اس کے بدلے ایک فقیر کا کھانا فرض ہے۔ پس جو کوئی
شوق سے نیکی کرے تو وہ اس کے واسطے بہتر ہے اور یہ کہ
روزے رکھو تم تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو
رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن لوگوں کی ہدایت
کے لیے اتارا گیا، اور ہدایت کی اور تمیز کی کھلی نشانیاں،
پس جو تم میں سے حاضر ہو اس مہینہ میں تو چاہیے کہ وہ
اس مہینہ کا روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس
کی گنتی دوسرے دنوں سے ہے۔ خدا تمہارے ساتھ
آسانی کرنا چاہتا ہے اور سختی کرنا نہیں چاہتا تاکہ تم
لوگ پورا کرو گنتی کو اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس چیز پر کہ
ہدایت کی تمہاری اور شاید تم شکر کرو۔

ہمارا خیال ہے کہ حدیث نے مسلمانوں کو رمضان کی راتوں میں عورتوں کی مباشرت سے روک دیا تھا، لیکن قرآن مجید نے اس سختی کو کم کر دیا:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ
عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ
فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا
كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

تمہارے لیے روزوں کی رات میں اپنی بیویوں کی طرف
رغبت کرنا حلال کیا گیا۔ وہ لباس ہیں تمہارے لیے
اور تم لباس ہو ان کے لیے۔ خدا نے جان لیا کہ تم
خیانت کرتے تھے، پس خدا نے تم پر رحم کیا اور تم سے
درگذر کی۔ پس اب ملا کرو ان سے اور جو کچھ خدا نے
تمہارے لیے لکھا ہے اس کو ڈھونڈو اور کھاؤ پیو

Marfat.com

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ (البقرہ : ۱۸۷)

یہاں تک کہ جدا نظر آئے تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کی۔ پھر پورا کرو روزے کو رات تک اور نہ ملو ان سے اس حالت میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو۔

رمضان کے علاوہ سال میں اور جو روزے رکھے جاتے ہیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا۔

روزہ ۲ھ میں فرض کیا گیا۔

**حج اور عمرہ** | تمام مذہبی قوموں کے لیے خاص خاص مقامات ہیں جہاں وہ خدا کی عبادت اور تقرب کے لیے جمع ہوتی ہیں۔ خدا خود کہتا ہے :

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (الحج : ۳۴)

اور ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کی طرح مقرر کی تاکہ وہ خدا کا نام اس چیز پر یاد کریں جو ہم نے ان کو پالے ہوئے چارپایوں سے دی۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (الحج : ۶۷)

اور ہم نے ہر قوم کے لیے عبادت کی طرح مقرر کی کہ وہ عبادت کرتے ہیں اس کے مطابق۔

اسی طرح بیت الحرام اہل عرب کی خاص عبادت گاہ تھا جس کو ان کے باپ اسماعیلؑ نے اپنے باپ ابراہیمؑ کے ساتھ تعمیر کیا تھا۔ چنانچہ خدا خود کہتا ہے :

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیمؑ بنیاد کعبہ کی اور اسمعیلؑ اے ہمارے پروردگار قبول کر ہم سے بیشک تو ہے سننے والا جاننے والا۔ اے پروردگار ہم کو اپنا فرماں بردار اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنی فرماں بردار بنا اور دکھا ہم کو ہماری عبادت کی طرح، اور ہم پر

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرہ : ۱۲۷)

رحم کر۔ بیشک تو ہے رحم کرنے والا مہربان۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ (آل عمران : ۹۶)

بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے برکت والا اور دنیا کی ہدایت کے واسطے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم کا اور جو کوئی داخل ہو اس میں وہ ہوتا ہے امن میں۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ (الحج : ۲۶)

اور جس وقت جگہ مقرر کردی ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کو اس شرط پر کہ نہ شریک کرے میرے ساتھ کسی چیز کو اور پاک رکھ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور کھڑے رہنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي كُلِّ رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۔

(الحج : ۲۸-۲۹)

اور اعلان کردے لوگوں میں حج کا کہ آئیں تیرے پاس پیادے اور ہر لاغر اونٹنی پر جو آئیں گی دور راہ سے۔ تاکہ حاضر ہوں اپنے فوائد کے لیے اور معلوم دنوں میں خدا کا نام یاد کریں اس چیز پہ کہ دیا ہے ان کو پالتو چار پایوں سے۔ پس کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ بھوکے فقیر کو۔ پھر چاہیئے کہ دور کریں اپنے میل اور پوری کریں اپنی نذریں اور پھریں گرد خانہ قدیم کے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ تک اہل عرب اسی طریقہ پر قائم رہے۔ البتہ انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی روش میں بہت کچھ تغیرات کردیئے تھے، مثلاً انہوں نے بتوں کو خدا کا شریک

بنا دیا تھا اور ان کو خانہ کعبہ کی پشت، خانہ کعبہ کے متصل اور صفا و مروہ میں نصب کر دیا تھا اور ان کو تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا تھا۔ مشاعر ابراہیم کو بدل دیا تھا اور پالتو جانوروں پر غیر خدا کا نام لیتے تھے۔ لیکن چونکہ بعثتِ محمدیہ شریعت ابراہیمی کی مجدّد تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف مسلم تھے، مشرک نہ تھے، اس لیے خدا نے بیت الحرام کو اس امت کی عبادت گاہ قرار دیا اور اس کے حج و عمرہ کا حکم دیا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ○ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔

خدا کے لیے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے یعنی ان پر جو لوگ وہاں تک جانے کی مقدرت رکھیں۔ اور جو شخص انکار کرے تو خدا دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ اور خدا کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔

اور توحید کو بتوں کی آمیزش سے پاک کرنے اور اہلِ جاہلیت کی روش کے چھوڑنے کا حکم دیا:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ۔ (الحج: ۳۰)

پس بچتے رہو بتوں کی ناپاکی سے اور بچتے رہو جھوٹ بولنے سے، توحید کرنے والے اللہ کی، نہ شریک کرنے والے ساتھ اس کے، اور جو کوئی شریک کرے ساتھ اللہ کے پس وہ گویا گر پڑا آسمان سے، پس اچک لے جاتی ہیں اس کو چڑیاں، یا پھینک دیتی ہے اس کو ہوا دور کے مکان میں۔

اور وقتِ حج اور آدابِ حج کو اس آیت میں بیان فرمایا:

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ (البقرہ: ۱۹۷)

حج کے مہینے معلوم ہیں تو جس شخص نے ان مہینوں میں حج کی ٹھان لی، تو نہ شہوت جائز ہے، نہ بدکاری ہے، نہ جھگڑا ہے حج میں۔

اور حج کے مناسک اور مشاعر کو ان آیتوں میں بیان کیا:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ

بیشک صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں، تو

Marfat.com

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

(البقرہ : ۱۵۸)

جو کوئی حج کرے خانہ کعبہ کا یا عمرہ کرے پس نہیں ہے اس پر گناہ کہ طواف کرے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے بھلائی کرے تو خدا قدردان ہے جاننے والا۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ، (البقرہ : ۱۹۸ - ۲۰۰)

پس جب تم واپس آؤ عرفات سے تو یاد کرو خدا کو مسجد حرام کے پاس اور یاد کرو اس کو جیسا کہ ہدایت کی تم کو اور یہ کہ تم تھے اس سے پہلے گمراہوں میں سے۔ پھر پھرو جہاں سے پھرتے ہیں لوگ اور طلب مغفرت کرو خدا سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ پس جب تم اپنی عبادتیں کر چکو تو یاد کرو خدا کو اپنے باپوں کے یاد کرنے کی طرح یا اس سے زیادہ یاد کرنا۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ،

(البقرہ : ۲۰۳)

اور یاد کرو اللہ کو گنے ہوئے دنوں میں۔ پس جو کوئی جلدی کرے دونوں میں تو نہیں ہے گناہ اس پر اور جو کوئی دیر کرے تو نہیں ہے گناہ اس پر یہ واسطے اس شخص کے ہے جو پرہیزگاری کرے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ (الحج : ۳۲)

(قربانی کی بات) یہ ہے اور جو کوئی تعظیم کرے خدا کی نشانیوں کی تو وہ بیشک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے تمہارے لیے اس میں فوائد ہیں ایک مقررہ مدت تک۔ پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ کی طرف ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَاۗىِٕرِ

اور قربانی کے اونٹ کو بنایا ہم نے تمہارے لیے

Marfat.com

اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ (الحج : ۳۶)

خدا کی نشانیاں۔ تمہارے لیے اس میں نیکی ہے۔ پس یاد کرو خدا کا نام ان کے اوپر اس حال میں کہ وہ پاؤں باندھے ہوئے ہوں۔ پس جس وقت گر پڑیں پہلو ان کے تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ بے سوال فقیر اور سوال کرنے والوں کو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ (المائدہ: ۲)

مسلمانو! نہ بے حرمت کرو خدا کی نشانیوں کو اور نہ حرام مہینے کو اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور نہ وہ جانور جسے گلے میں پٹہ ڈال کر لے جائیں، اور نہ حرمت والے گھر کے قصد کرنے والوں کو جو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے فضل اور رضامندی کو۔

اور نظامِ احصار و تمتّع کے متعلق فرمایا:

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْبِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْصَدَقَةٍ اَوْنُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

پس اگر تم روک دیئے جاؤ تو (کرو) جو کچھ میسّر ہو قربانی سے اور نہ منڈاؤ اپنے سروں کو یہاں تک کہ پہنچے قربانی حلال ہونے کی جگہ۔ پس تم میں جو بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو بدلا ہے روزوں سے یا خیرات سے یا ذبح سے، پس جب تم امن میں ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ سے ساتھ حج کے تو جو کچھ میسّر ہو قربانی سے تو جو کوئی نہ پائے تو تین دن کا روزہ حج میں اور سات روزے اس وقت جب پھرو تم۔ یہ دس پورے ہوئے۔ یہ واسطے اس شخص کے ہے کہ نہ ہوں اس کے اہل رہنے والے

Marfat.com

(البقرہ: ۱۹۶) مسجد حرام کے۔

خداوند تعالیٰ نے مکّہ کو حرم اور جائے امن بنایا :

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ، (العنکبوت: ۶۷)

کیا کفارِ مکّہ نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ ہم نے حرم (مکّہ) کو امن کی جگہ بنا رکھا ہے اور لوگ (ہیں کہ) ان کے آس پاس سے پکڑے چلے جا رہے ہیں۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا اِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا۔ (القصص: ۵۷)

کیا ہم نے ان کو حرم (مکّہ) میں جہاں (ہر طرح کا) امن (و اطمینان) ہے، جگہ نہیں دی کہ ہر قسم کے پھل یہاں کھچے چلے آتے ہیں، رزق (جو ان) کو) ہمارے یہاں سے (پہنچتا ہے)

اور احرام باندھنے والے پر شکار کو حرام کیا اور اس پر کفارہ مقرر فرمایا :

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا۔ (المائدہ: ۹۵)

مسلمانو: جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ کرو۔ اور جو کوئی تم میں سے جان بوجھ کر شکار کرے گا تو جیسے جانور کو مارا ہے اس کے بدلے چارپایوں میں سے اسی سے ملتا ہوا (جانور) جو تم میں کے دو منصف ٹھہرا دیں (اس کو) دینا پڑے گا۔ (اور یہ) نیاز کعبہ پہنچائی جائے یا کفارہ (یعنی ان کی قیمت میں جتنے) محتاجوں کی گنجائش (ہو اُن) کا کھانا یا مسکینوں کے گننے کے برابر روزے۔

حج ۶ھ میں فرض ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال عمرہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن آپؐ کو خانہ کعبہ تک جانے سے روک دیا گیا۔ اس لیے آپؐ نے اسی عمرہ کو ۷ھ میں ادا فرمایا۔ اس کے بعد ۹ھ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا اور ۱۰ھ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم نے تمام مسلمانوں کے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا اور اسی میں لوگوں کے لیے حج کی کیفیت بیان فرمائی اور ان سے کہا :

خذوا عنی مناسککم : مجھ سے اپنے ارکان سیکھو۔

اور نظامِ حج میں مسلمانوں کے لیے متعدد فوائد ہیں۔

(۱) مکہ چونکہ ایک غیر مزروعہ سرزمین ہے اس لیے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ذریعہ سے حج کا پہلا فائدہ تو خاص اہلِ مکہ کو پہنچتا ہے۔ اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے :

رَبَّنَا اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ (ابراہیم : ۳۷)

اے میرے پروردگار ! میں نے آباد کیا اپنی بعض اولاد کو بن کھیتی والے میدان میں تیرے باحرمت گھر کے نزدیک، اے میرے پروردگار تاکہ قائم کریں وہ نماز کو پس لوگوں کے دلوں کو مائل کر ان کی طرف اور ان کو میووں سے رزق دے تاکہ وہ شکر کریں۔

(۲) چونکہ بہت سے حاجی زمانۂ حج میں اپنے تجارتی سامان ساتھ لاتے ہیں، جن کو اہلِ ضرورت خریدتے ہیں اور چونکہ ان میں ہر شخص شہرِ حرام اور بلدِ حرام میں ہوتا ہے، اس لیے اس کی جان و مال بالکل محفوظ ہوتے ہیں۔ اس بنا پر تجارتی گرم بازاری اور ضروریاتِ زندگی کی خرید و فروخت کے ذریعہ سے حج کا دوسرا فائدہ تمام عرب کو پہنچتا ہے۔ خدا نے اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے :

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ (الحج : ۲۸) تاکہ وہ لوگ اپنے فوائد کو حاصل کریں۔

(۳) مسلمانوں کے عام اجتماع، باہمی تعارف، اتحاد، طریقۂ عبادت اور اتحادِ قبلہ کے ذریعہ سے حج کا تیسرا فائدہ تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب دونوں کی عام اجتماع گاہ تھا۔ دور دراز راستوں سے لوگ وہاں آتے تھے اور ہر انسان اپنی علمی، دینی اور دنیوی ضروریات کو پورا کرتا تھا۔ چونکہ حج اکبر کا دن اس عام اتحاد کی ایک یادگار ہے اس لیے اگر وہ

Marfat.com

تمام مسلمانوں کی عید کا عام دن قرار پائے، تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ جس طرح عید الفطر نزولِ قرآن کی یادگار ہے اسی طرح حج اکبر کا دن ختم نزولِ قرآن کی یادگار ہے کیونکہ رمضان میں نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی اور حج اکبر کے دن اس کی تکمیل ہوئی۔

**زکوٰۃ** لغت میں زکوٰۃ کے اصلی معنی طہارت، نشوونما، برکت اور مدح کے ہیں اور قرآن وحدیث میں یہ تمام معنی مستعمل ہیں۔ مال کی اس مقدار میں جس کو ایک دولت مند شخص صدقہ دیتا ہے۔ اس لفظ کا استعمال اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ اس کے مال کا تزکیہ کرتا ہے یعنی اس کو پاک کرتا ہے اور اس کو بڑھاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس لفظ کی طرح اسی معنی میں صدقہ کا استعمال بھی کیا ہے۔

نماز کی طرح قرآن مجید نے زکوٰۃ کا ذکر بھی نہایت اہتمام کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا جاتا ہے اور بعض اوقات تنہا۔ اس کا ذکر کبھی لفظ زکوٰۃ، کبھی لفظ صدقہ کے ذریعے سے کیا جاتا ہے:

| | |
|---|---|
| وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ (حم السجدہ: ۶-۷) | اور افسوس ہے ان مشرکین پر جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ |
| خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا، (التوبہ: ۱۰۳) | ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے کر تو اس کے ذریعہ سے ان کو پاک کرے اور ان کا تزکیہ کرے۔ |
| كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔ (الانعام: ۱۴۱) | اس کے پھل کو کھاؤ جب وہ پھل لائے اور اس کے کاٹنے کے وقت اس کا حق دو۔ |
| وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (الروم: ۳۹) | اور جو کچھ دیتے ہو تم سود کو کہ وہ بڑھے لوگوں کے مالوں میں تو نہیں بڑھتا وہ خدا کے نزدیک اور جو کچھ دیتے ہو تم زکوٰۃ سے کہ چاہتے ہو تم رضامندی اللہ کی، تو یہ لوگ ہیں دوگنا کرنے والے۔ |

قرآن مجید نے اس مال کی تفصیل نہیں کی جس میں زکوٰۃ واجب ہے اور زکوٰۃ کی مفروضہ تعداد

Marfat.com

بھی نہیں بتائی۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاملینِ صدقہ کے نام جو خط لکھا ہے اس میں اس کی توضیح فرمادی ہے :۔

قرآن مجید نے مستحقینِ زکوٰۃ کی تعیین کر دی ہے :

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ : ۶۰) | صدقہ صرف فقیروں، محتاجوں، محاصلین زکوٰۃ اور مؤلفۃ القلوب لوگوں کے لیے ہے اور گردنوں کے آزاد کرنے میں اور قرضداروں میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کو، یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ |

نظامِ زکوٰۃ ایک عظیم الشان نظام ہے جو

(۱) دولتمند لوگوں کو محتاجوں کے بغض و عداوت سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲) جو لوگ اپنی قوت سے اپنی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے ان کی کفالت کے ذریعہ سے متعدد مصائب کو دُور کرتا ہے۔

(۳) تمام قوم کے مجموعی مصالح بالخصوص اس مصلحت کے متعلق جس کو خدا نے سبیل اللہ سے بیان فرمایا ہے، متعدد نیکیوں کے کرنے میں معین ہوتا ہے بشرطیکہ قوم میں ان مصالح کے انجام دینے والے موجود ہوں۔

زراعت اور مویشیوں کے ذریعہ سے جو پیداوار ہوتی تھی، اہلِ عرب نے اس کے متعلق ایک نظام قائم کر لیا تھا۔ انہوں نے اس کا ایک حصہ خدا کے لیے اور ایک حصہ بتوں کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ جہاں ان چیزوں کا بیان آئے گا جن کو اہلِ عرب نے حلال یا حرام کر دیا تھا، وہاں اس کی تفصیل آئے گی۔

قرآن مجید نے بعض اور چیزوں کو بھی عبادات کے سلسلہ میں داخل کر لیا ہے۔

(۱) ایک تو نظامِ قسم جس کی نسبت خداوند تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے :

Marfat.com

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ

(البقرہ : ۲۲۴ - ۲۲۵)

اور نہ بناؤ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ یہ کہ بھلائی کرو، پرہیزگاری کرو اور لوگوں کے درمیان صلح کراؤ اور خدا سننے والا جاننے والا ہے۔ تمہاری لایعنی قسموں پر خدا تم سے کچھ مواخذہ نہیں کرتا لیکن ان قسموں پر سے مواخذہ کرے گا جو تمہارے دلی ارادہ سے ہوں اور خدا بخشنے والا بردبار ہے۔

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا :

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(المائدہ : ۸۹)

تمہاری قسموں میں جو لایعنی ہیں ان پر خدا تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ ہاں وہ پکی قسموں پر تم سے مواخذہ کرے گا۔ تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا کہ تم اپنے اہل و عیال کو کھلایا کرتے ہو یا ان کو کپڑے پہنا دینا یا ایک غلام آزاد کر دینا۔ جو شخص غلام نہ پائے تو تین دن کے روزے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ۔ اور اپنی قسموں کی احتیاط رکھو۔ اسی طرح خدا اپنی آیات تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کی شکرگذاری کرو۔

اور سورۂ تحریم میں فرمایا :

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ

(التحریم : ۲)

تمہارے لیے خدا نے تمہاری قسموں کے توڑ ڈالنے کے کفارہ کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔

اور حدیث نے یہ بیان کر دیا کہ قسم صرف خدا کی کھائی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

(۲) دوسرے کھانے کی حلال و حرام چیزیں : چنانچہ قرآن مجید نے ان کی پوری تفصیل بیان کی ہے اور خداوند تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف بیان فرمایا ہے :

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ. (الاعراف : ۱۵۷)

اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔

اور سورۂ نحل میں فرمایا :

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (النحل : ۱۱۴ - ۱۱۵)

تو خدا نے تم کو جو حلال طیب روزی دی ہے اس کو کھاؤ اور اگر تم صرف خدا ہی کو پوجتے ہو تو اس کی نعمت کا شکر کرو۔ اس نے تو تم پر صرف مردار کو اور خون کو اور سؤر کے گوشت کو اور اس جانور کو جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر نامزد کیا جائے، حرام کیا ہے۔ پھر جو شخص (بھوک) سے بے قرار ہو اس حالت میں کہ نہ سرتابی کرنے والا ہو (حکم خدا سے) اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (حدِ ضرورت سے اور مجبور ہو کر کوئی حرام چیز کھالے) تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور سورۂ انعام میں فرمایا :

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

اے پیغمبر! کہو کہ کوئی کھانے والا (ان چیزوں میں سے جن کو تم حرام کہتے ہو) کچھ کھالے تو میری طرف جو وحی آئی ہے اس میں تو میں اس پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو، یا بہتا ہوا خون یا سؤر کا گوشت، کہ یہ چیزیں بے شبہ ناپاک ہیں، یا (وہ جانور) بموجب نافرمانی ہو کہ خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح اور

Marfat.com

فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
(الانعام : ١٤٥)

نامزد کیا گیا ہو تو جو شخص بھوک سے بے قرار ہو، اس حالت میں کہ خدا کی نافرمانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور نہ حدِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو، تو تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

اور سورۂ بقرہ میں فرمایا :

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (البقرہ : ١٧٢ - ١٧٣)

مسلمانو! ہمارے پاک رزق سے کھاؤ اور اگر تم صرف خدا ہی کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکریہ ادا کرو۔ تم پر تو خدا نے صرف مردار کو اور خون کو اور سؤر کے گوشت کو اور اس جانور کو جو خدا کے علاوہ اور کسی کے نام پر (ذبح) اور نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے۔ تو جو شخص بھوک سے بے قرار ہو اور خدا کی نافرمانی کرنے والا اور حدِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو ان چیزوں کے کھالینے میں بھی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا :

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

مرا ہوا (جانور) اور لہو اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر نامزد کیا گیا ہو اور وہ جانور جو گلا گھوٹنے سے مر گیا ہو اور چوٹ سے مرا ہوا اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور جو (کسی جانور کا) سینگ لگ کر مرا ہو، یہ سب چیزیں تم پر حرام کی گئیں اور نیز (وہ جانور) جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو، مگر (جس کے مرنے

Marfat.com

النُّصُبِ ۔ (المائدہ : ۳)

سے پہلے) تم نے اس کو حلال کر دیا ہو اور نیز (وہ جانور) جو بتوں پر ذبح کیے گئے ہوں ۔

اور نیز اسی سورہ میں فرمایا :

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ،

(المائدہ : ۴ - ۵)

اے پیغمبر لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیز اُن کے لیے حلال کی گئی ہے ۔ تو ان سے کہہ دے کہ کھانے کی تمام پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئیں اور شکاری جانور جو تم نے سدھا رکھے ہوں ( اور شکار کا طریقہ ) جیسا کہ خدا نے تم کو سکھا رکھا ہے ، ویسا ہی تم نے ان کو سکھا دیا ہو تو یہ شکاری جانور ) جو (شکار ) تمہارے لیے پکڑ رکھیں ان کو کھالو ۔ اور (جس طرح ذبح کرتے وقت خدا کا نام لیا کرتے ہو اسی طرح شکاری جانور کے چھوڑتے وقت خدا کا نام لے لیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو ۔ بے شک خدا جلد حساب لینے والا ہے ۔ آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں اور اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے ۔

اور فرمایا :

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ،

(المائدہ : ۹۶)

دریائی شکار اور کھانے کی دریائی چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں تاکہ تم کو اور دوسرے مسافروں کو فائدہ پہنچے ۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ

پس اگر تم خدا کے احکام پر ایمان رکھتے ہو تو جس

Marfat.com

كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا
تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ
قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا
مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۔ (الانعام: ۱۱۸-۱۱۹)

ذبیحے) پر اس کا نام لیا گیا ہو اسی میں سے کھاؤ۔ اور
آخر جس (ذبیحے) پر خدا کا نام لیا گیا ہو اس میں سے تم کیوں
نہیں کھاتے حالانکہ خدا نے جو چیزیں تم پر حرام کی ہیں،
ان کی تفصیل کر دی ہے بجز اس چیز کے جس کے کھانے
پر تم مجبور ہو۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ
وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۔

اور جس (ذبیحے) پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے
نہ کھاؤ۔ بیشک اس میں سے کھانا نافرمانی کی بات ہے۔

اور پینے کی چیزوں میں سے شراب کو حرام کیا۔

اور مشرکین نے کھانے کی جن چیزوں کو اپنے بتوں کے لیے مخصوص کر کے حرام کر لیا تھا اس پر اعتراض کیا:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ
وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ
بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا
كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى
اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى
شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝
(الانعام: ۱۳۶)

اور کافروں نے خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور خدا کے پیدا
کیے ہوئے چوپایوں میں سے اللہ کا بھی ایک حصہ ٹھہرایا
اور اپنے خیال کے مطابق کہا کہ یہ حصہ خدا کا اور یہ حصہ
ہمارے شرکاء کا ہے۔ پھر ان کا برتاؤ یہ ہوتا ہے کہ جو حصہ
ان کے شرکاء کا ہوتا ہے وہ تو خدا تک نہیں پہنچتا اور جو حصہ
خدا کا ہوتا ہے وہ ان کے شرکاء تک پہنچ جاتا ہے۔ کیا ہی برا
فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ
حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ
بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ
ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ

اور ان لوگوں نے کہا کہ فلاں چارپائے اور فلاں کھیتی
ممنوع ہیں کہ ان کو اس شخص کے سوا جس کو ہم اپنے
خیال کے مطابق چاہیں، دوسرا نہیں کھا سکتا۔ اور
کچھ چارپائے ایسے ہیں جن کے ذبح کرنے کے

Marfat.com

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ؕ
سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝
وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ
الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا
وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ
وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ
شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ
اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ
خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا
اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ
اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ
قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ۝ (الانعام: ۱۳۸-۱۴۰)

وقت) وہ ان پر خدا کا نام نہیں لیتے۔ خدا پر (یہ ان کی) افترا پردازیاں ہیں، تو جیسی جیسی افترا پردازیاں یہ لوگ کرتے ہیں عنقریب خدا ان کو ان کی سزا دے گا۔ اور انہوں نے (یہ بھی) کہا کہ (ہم نے بتوں کے نام کے) جو چار پائے چھوڑ رکھے ہیں ان چار پایوں کے پیٹ میں (سے جو بچہ نکلے اور اس میں جان ہو) وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر اس کا کھانا حرام ہے۔ اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو مرد و عورت (سب، اس کھانے میں) شریک ہیں، تو خدا عنقریب ان کی باتوں پر ان کو سزا دے گا۔ بیشک وہ حکمت والا باخبر ہے۔ بیشک وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے بدعقلی سے براہِ نادانی اپنے بچوں کو مار ڈالا اور خدا نے جو روزی ان کو دی تھی، خدا پر جھوٹ بہتان باندھ کر اس کو حرام کر لیا۔ بلاشبہہ یہ لوگ گمراہ ہوئے اور سیدھے راستے پر آنے والے تھے ہی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا :

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ
فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ

اور خدا نے چار پایوں میں سے (بعض بلند قامت) بوجھ اٹھانے والے (مثلاً اونٹ) اور (بعض) زمین سے لگے ہوئے (جو نہیں لادے جاتے مثلاً بھیڑ بکری) چار پائے پیدا کیے، خدا نے تم کو جو روزی دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ

Marfat.com

مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۝

(انعام : ۱۴۳-۱۴۴)

چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ خدا نے (چارپائے نر و مادہ) آٹھ قسم کے پیدا کیے ہیں۔ بھیڑوں میں سے (نر و مادہ) اور بکریوں میں سے (نر و مادہ) دو دو۔ اے پیغمبر کہو کہ خدا نے (بھیڑ بکری کے) دو نروں کو حرام کیا ہے یا دو مادئیوں کو یا اس (بچہ) کو جس کو ان دو مادئیوں کے پیٹ اپنے اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ مجھ کو علم کے ساتھ خبر دو اگر تم سچے ہو۔ اور اونٹوں میں سے (نر و مادہ) دو اور گائے میں سے (نر و مادہ) دو۔ اب اے پیغمبر ان سے پوچھو کہ (خدا نے اونٹ گائے) کے دو نروں کو حرام کر دیا ہے یا دو مادئیوں کو یا اس بچہ کو جس کو دو مادئیوں کے پیٹ اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا :

وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَاۗىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (المائدہ : ۱۰۳)

نہ بحیرہ[1] اور نہ سائبہ[2] اور نہ وصیلہ[3] اور نہ حام[4] (ان میں سے) کوئی چیز خدا نے نہیں ٹھہرائی بلکہ کافر اللہ پہ جھوٹ، بہتان باندھتے ہیں اور ان (میں) کے اکثر عقل نہیں رکھتے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مشرکین عرب کے یہاں کھیتوں اور مویشیوں کی پیداوار کے متعلق ایک نظام موجود تھا جس کا ایک حصہ انہوں نے خدا کے لیے مقرر کیا تھا اور وہ فقراء

---

[1] وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر کان پھاڑ کر چھوڑ دی جاتی تھی۔ [2] سانڈ جن سے کوئی کام نہ لیا جائے۔

[3] وہ اونٹنی جس کے پہلوٹی کے اوپر تلے کے دو بچے مادہ ہوں، اس کو متبرک سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔

[4] شتر نر جس کی نسل سے کئی بچے ہو گئے ہوں اور آخر میں اس کو خدمت سے معاف کر دیا ہو۔

و مساکین پر صرف کیا جاتا تھا۔ دوسرا حصہ بتوں کے لیے مقرر تھا جو متولیانِ بت خانہ پر صرف کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ لوگ بُتوں کے مقررہ حصے کی نگرانی نہایت اہتمام کے ساتھ کرتے تھے اس لیے اس کا کوئی جزو دوسرے کو نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن خدا کے مقررہ حصے کی یہ حالت نہ تھی بلکہ اس کے بعض اجزاء سے متولیانِ بت خانہ بھی فائدہ اٹھاتے تھے۔

دوسری آیت میں خداوند تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جو چوپائے اور جو کھیتیاں غیر خدا کے نام پر مقرر کی گئی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ممنوع جس کو اس شخص کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا جس کو وہ چاہیں۔

(۲) وہ چوپائے جن کی پیٹھ حرام کر دی گئی ہے (یعنی ان پر نہ لادا جا سکتا، نہ ان پر سواری کی جا سکتی)

(۳) وہ چوپائے جن کو وہ خدا کا نام لے کر ذبح نہیں کرتے۔

اور سورۂ مائدہ میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کا جو ذکر کیا گیا ہے، ان سے بعینہٖ یہی تینوں قسمیں مراد ہیں۔

اس کے بعد تیسری آیت میں خداوند تعالیٰ نے اس مقررہ نظام کو بیان فرمایا جو انہوں نے اُن چوپایوں کی پیداوار یعنی ان بچوں کے متعلق جو ان کے پیٹوں میں ہوتے تھے، قائم کر لیا تھا۔ اور اس کی بناء پر انہوں نے ان کو صرف اپنے مَردوں کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ وہی ان کا دودھ پیتے تھے اور وہی ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ عورتوں کے لیے انہوں نے ان کو بالکل حرام قرار دیا تھا، ان کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔ لیکن جب وہ مَر جاتا تھا تو سب کے سب اس کے کھانے میں شریک ہو جاتے تھے۔ اور ان تصرفات پر جن کو انہوں نے خود اختراع کر لیا تھا اور جھوٹ موٹ ان کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے، اس طرح سرزنش کی:

| | |
|---|---|
| اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصَّاكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا۔ (الانعام: ۱۴۴) | کیا جب خدا نے تم کو ان چیزوں کا حکم دیا تھا، تم موجود تھے؟ |

اور خدا کی اس بیان کردہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرب جو صدقات اہلِ حاجت

کے لیے نکالتے تھے اس کا انہوں نے ایک نظام قائم کر لیا تھا۔ البتہ اس نظام میں ایسی چیزوں کی آمیزش ہو گئی تھی جنہوں نے اس کو بدنما بنا دیا تھا یعنی شرک کی آمیزش اور بعض چوپایوں کا حرام اور بعض کا حلال کر لینا۔ اس بناء پر قرآن مجید نے اس پورے نظام کو لغو قرار دیا اور زکوٰۃ کا مستقل نظام قائم کیا جس کی بنیاد اس طرح قائم کی:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔ (الانعام: ۱۴۱) — اور اس کے حق کو اس کے کاٹنے کے دن دو۔

اور تمام چوپایوں کو حلال قرار دیا صرف چند چیزیں حرام کیں جن کے متعلق اس کے بعد ہی تصریح کر دی:

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الانعام: ۱۴۵)

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ کوئی کھانے والا (ان چیزوں میں سے جن کو تم حرام کہتے ہو) کچھ کھائے تو میری طرف جو وحی آئی ہے اس میں تو میں اس پر کوئی چیز حرام پاتا نہیں مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ چیزیں بے شبہ ناپاک ہیں یا (وہ جانور) موجب نافرمانی ہو کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کے لیے (ذبح اور) نامزد کیا گیا ہو۔ اس پر بھی جو شخص (بھوک سے) لاچار (ہو لیکن) نافرمانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور نہ (حدِ ضرورت سے) تجاوز کرنے والا ہو (اور وہ ان ناپاک چیزوں میں سے کچھ کھائے) تو تمہارا پروردگار بیشک بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سلسلے کی سب سے آخری آیت جو سورۂ مائدہ میں ہے، یہ ہے:

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام بھی کیے (تو جو کچھ منا ہی سے پہلے) کھا پی چکے، اس میں ان پر (کسی طرح کا) گناہ نہیں، جب کہ انہوں نے (حرام چیزوں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (المائدہ : ۹۳)

سے) پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا اور اللہ خلوصِ دل سے نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور خداوند تعالیٰ کے اس قول کے مطابق

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ۔ (الاعراف : ۱۵۷)

اور پیغمبر ان لوگوں پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

حدیث میں بعض حیوانات مثلاً درندہ جانور، پنجہ دار چڑیاں اور پالتو گدھوں کے گوشت کھانے کی ممانعت کی گئی۔

**جہاد** مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تیرہ سال تک اپنے دین کی دعوت دیتے رہے اور اس سلسلے میں آپ مشرکین کی طرف سے مختلف قسم کی تکلیف و ابتلاءات میں مبتلا کیے گئے۔ ان میں بعض تکلیفیں تو بذاتِ خود آپ کو پہنچی تھیں اور بعض سے آپ کے اصحابؓ کو دوچار ہونا پڑتا تھا۔ کفار بہت سے جھوٹے اتہامات و افتراآت کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن مجید کے سننے اور دعوتِ اسلام کے قبول کرنے سے روکتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان اتہامات و افتراآت کی تردید کی ہے اور مکی سورتیں ان کے بیان سے لبریز ہیں۔ چونکہ مکی مسلمان ان ناجائز مظالم کی مدافعت کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے اپنے مذہب کی حفاظت کے لیے ان کو مجبوراً مکہ چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

خدا کی مرضی سے مدینہ کے عرب یعنی اوس اور خزرج نے دعوتِ اسلام کو قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بات پر بیعت لی کہ جن چیزوں سے وہ اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں، ان سے آپؐ کی بھی حفاظت کریں گے۔ اس بیعت کے بعد جب کہ اہلِ مکہ نے آپؐ کی جان لینے پر پورا اتفاق کر لیا تھا، آپؐ نے اوس و خزرج کی طرف ہجرت کی۔ آپؐ کے مدینہ آنے کی ابتدا میں جہاد فرض ہوا جس بناء پر مسلمانوں کو جہاد کا اذن دیا گیا تھا۔ قرآن مجید نے متعدد مواقع پر اس کو بیان کیا ہے اور اس کا دارومدار دو باتوں پر ہے :

(۱) ظلم کے وقت مدافعت عن النفس (یعنی حفاظتِ جان)

(۲) اگر دعوتِ اسلام میں کوئی اس طریقہ سے رکاوٹ پیدا کرے کہ جو شخص ایمان لائے اس کو طرح طرح کی تکالیف پہنچا کر ابتلاء و امتحان میں ڈالے، تاکہ اس نے اپنے سے جس عقیدہ کو پسند کیا ہے۔ اس سے پلٹ جائے یا جو شخص اسلام لانا چاہتا ہے اس کو اسلام سے روک دے یا کسی داعیٔ اسلام کو تبلیغ دعوت سے باز رکھے، تو ان صورتوں میں دعوتِ اسلام کی مدافعت و حفاظت کی جائے۔

قرآن مجید نے جن مواقع پر ان امور کو بیان کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) خداوند تعالیٰ نے سورۂ حج میں جو سب سے پہلے جہاد کے متعلق نازل ہوئی ہے، فرمایا:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ

جن (مسلمانوں) سے (کافر) لڑتے ہیں (اب) ان کو (بھی ان کافروں سے لڑنے کی) اجازت ہے اس لیے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور کچھ شبہہ نہیں کہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ (یہ وہ مظلوم لوگ ہیں) جو صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے (نہ) ہٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے، کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ (بھی) ضرور اس کی مدد کرے گا۔ اور کچھ شبہہ نہیں کہ اللہ زبردست اور غالب ہے۔ یہ لوگ (یعنی شروع شروع کے مسلمان ہیں تو مظلوم لیکن) اگر (حاکم وقت بنا کر) ہم زمین میں ان کے پاؤں

Marfat.com

اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (الحج : ۳۹-۴۱)

جاویں تو وہ نماز پڑھیں گے ، زکوٰۃ دیں گے اور (لوگوں کو) اچھے کام کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے ۔ اور سب چیزوں کا انجام کار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے ۔

یہ آیت گویا مکی سورۂ شوریٰ کی اس آیت کی تفسیر ہے :

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الشوریٰ : ۴۱-۴۲)

اور وہاں کسی پر ظلم ہو اور وہ اس کے بعد بدلہ لے تو یہ لوگ (معذور ہیں) ان پر کوئی الزام نہیں ۔ الزام (تو) انہی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور ناحق ملک میں (لوگوں پر) زیادتی کرتے ہیں ۔ یہی لوگ ہیں جن کو عذاب دردناک ہوتا ہے ۔

(۲) خدا نے مدنی سورۂ بقرہ میں فرمایا :

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ

اور (مسلمانو) جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے (یعنی دین کی حمایت) میں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرنا ۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ اور (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں) ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکّہ سے) تم بھی ان کو وہاں سے) نکال باہر کرو اور فساد (کا برپا رہنا) خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے ۔ اور جب تک کافر ادب (اور حرمت) والی مسجد (یعنی خانۂ کعبہ) کے پاس تم سے نہ لڑیں تم بھی اس جگہ ان سے نہ لڑو لیکن اگر وہ لوگ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو ۔ ایسے کافروں کی

Marfat.com

كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

(البقرہ : ۱۹۰ - ۱۹۴)

یہی سزا ہے۔ پھر اگر باز آئیں تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہاں تک ان سے لڑو کہ (ملک میں) فساد باقی نہ رہے اور دین خدا کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر (فساد) سے باز آجائیں تو (ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیئے) زیادتی تو ظالموں ہی کے سوا کسی پر (جائز ہی) نہیں۔ ادب (وحرمت) والے مہینوں کا بدلہ ادب (وحرمت) والے مہینے اور (مہینوں کی خصوصیت نہیں، بلکہ) ادب کی (تمام چیزوں میں) ادلے کا بدلہ ہے تو جو تم پر (کسی قسم کی زیادتی کرے، تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے، ویسی زیادتی تم بھی اس پر کرو اور) زیادتی کرنے میں) اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین کر لو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔

اور مدنی سورۂ انفال میں فرمایا :

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

(الانفال : ۳۹ - ۴۰)

اور (مسلمانو!) کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فساد نہ رہے اور کل دین خدا ہی کا ہو جائے۔ پس اگر یہ لوگ (فساد سے) باز آجائیں تو جو کچھ یہ لوگ کریں گے اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، اور اگر سرتابی کریں تو (مسلمانو!) سمجھے رہو کہ اللہ تمہارا حامی ہے اور (کیا ہی) اچھا حامی اور (کیا ہی) اچھا مددگار ہے۔

Marfat.com

(۳) مدنی سورۂ نساء میں فرمایا :

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (النساء : ۷۵)

اور (مسلمانو!) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے (دشمنوں) سے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو اس بستی (یعنی مکہ) سے نکال جہاں کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

(۴) مشرکین کی ایک جماعت کے متعلق جس نے نہ اپنی قوم سے لڑنا پسند کیا اور نہ مسلمانوں سے لڑنا چاہا اور اس بنا پر فتنہ و فساد سے الگ ہو گئی، فرمایا :

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ (النساء : ۹۰)

پس اگر (ایسے لوگ) تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف (پیغام) صلح ڈالیں تو ایسے لوگوں پر (دست درازی کرنے کا) تمہارے لیے اللہ نے کوئی راستہ نہیں رکھا۔

لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ صلح کی طرف ان کا حقیقی میلان ہو اور اس میں کسی قسم کا تذبذب نہ ہو۔ چنانچہ اس قسم کے لوگوں کی حالت کو اس طرح بیان فرمایا :

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ

کچھ اور لوگ تم ایسے بھی پاؤ گے جو تم سے (بھی) امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے (بھی) امن میں رہنا چاہتے ہیں۔ (مگر یہ حال ہے کہ) جب کبھی کوئی ان کو فساد کی طرف لوٹا کر لے جائے تو اوندھے منہ اس میں گر جانے کو موجود، سو (ایسے لوگ) تم سے کنارہ کش نہ رہیں اور نہ تمہاری طرف (پیغام) صلح

وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء : ۹۱)

ڈالیں اور نہ (لڑائی سے) اپنے ہاتھ روکیں تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے مقابلے میں ہم نے تمہارے لیے کھلی ہوئی حجت پیدا کر دی ہے۔

(۵) صلح کے بارے میں فرمایا :

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۔

(الانفال : ۶۱ - ۶۳)

اور (اے پیغمبر) اگر (کافر) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہی (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔ اور اگر ان کا ارادہ تم سے دغا کرنے کا (بھی) ہو گا تاہم (تم کچھ پروا نہ کرو) اللہ تمہارے لیے کافی ہے۔ اے (پیغمبر) وہی خدا ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی۔ اور (مسلمانوں) کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی :

(۶) سورۂ توبہ میں فرمایا :

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ

اور جب یہ لوگ عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو (ان) کفر کے پیشواؤں سے لڑو۔ ان کی قسمیں کچھ بھی (اعتبار کے قابل) نہیں، تاکہ یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز آجائیں۔ (مسلمانو!) تم ان لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا اور تم سے (چھیڑ) بھی اول انہی نے

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥

(التوبہ : ۱۲ - ۱۳)

شروع کی۔ کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو۔ پس اگر تم لوگ ایمان رکھتے ہو (ان سے) کہیں بڑھ کر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

ان تمام آیتوں کا خلاصہ وہی ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا یعنی یہ کہ جہاد صرف مظالم کی مدافعت اور فتنۂ مذہبی کے انسداد کے لیے فرض کیا گیا۔ یہودِ مدینہ نے قریش اور منافقین کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کیا تھا اور ان کو غزوۂ احزاب میں اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ کانپ اٹھے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تحریری معاہدے ہو چکے تھے لیکن انہوں نے ان معاہدوں کو توڑ دیا اور ان کی شرائط کی خلاف ورزی کی۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کے ساتھ جہاد کا حکم جیسا کہ سورۂ توبہ میں مذکور ہے، دیا گیا:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ٥ (التوبہ : ۲۹)

اہلِ کتاب جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ روزِ آخرت کو اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دینِ حق کو تسلیم کرتے ہیں، ان سے بھی لڑو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر (اپنے) ہاتھوں سے جزیہ دیں۔

جہاد کا حکم پہلے قریش اور مدینہ کے یہود تک جنہوں نے قریش کو آمادۂ جنگ کیا تھا، محدود تھا، لیکن جب ان کے ساتھ جزیرۂ عرب کے اور قبائل بھی متحد ہو گئے تو خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ٥

(التوبہ : ۳۶)

اور تم مسلمان سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں۔ اور جانے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید کی مصالحانہ رُوح کی تائید و توضیح سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت کرتی ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ

جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انہوں

Marfat.com

فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ: ۸-۹)

نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا تم کو منع نہیں کرتا (کیونکہ) اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تو تم کو انہی لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں (تمہارے مخالفین کی) مدد کی۔ تو جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا (تو سمجھا جائے گا) کہ یہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرتے ہیں۔

**معاہداتِ باہمی** | قرآن مجید میں پابندیٔ معاہدات کے متعلق نہایت تاکیدی آیتیں آئی ہیں، جن میں بعض تو عام ہیں، مثلاً

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ: ۱)

مسلمانو! قول و قرار کو پورا کرو۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ (النحل: ۹۱)

اور جب تم لوگ آپس میں قول و قرار کرو تو اللہ کی قسم کو پورا کرو۔ اور قسموں کو ان کے پکا کیے پیچھے نہ توڑو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔ کچھ شک نہیں کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ (اور قسموں کے توڑنے میں) اس عورت جیسے نہ ہو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا کہ اپنی قسموں کو (اس وجہ سے) آپس کے فساد کا سبب بنانے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زبردست ہے۔

Marfat.com

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ (بنی اسرائیل، ۳۴)

اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی باز پرس ہوگی۔

اور بعض خاص، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے مشرکین سے اعلانِ برأت کے بعد سورہ براءۃ میں فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ٥ (التوبہ: ۱۰)

ہاں مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم (مسلمانوں نے) صلح کا عہد کر رکھا تھا، پھر انہوں نے (ایفائے عہد میں) تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، تو ان کے ساتھ جو عہد ہے اسے اس مدت تک جو ان کے ساتھ ٹھہری تھی، پورا کرو۔ بیشک اللہ ان لوگوں کو (جو بدعہدی سے بچتے ہیں) دوست رکھتا ہے۔

اور اسی سورہ میں اس کے بعد فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ٥ (التوبہ: ۷)

مگر جن لوگوں کے ساتھ تم (مسلمانوں) نے مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کے قریب (حدیبیہ میں) صلح کا عہد کیا تھا تو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھے رہو۔ بیشک اللہ ان لوگوں کو (جو بدعہدی سے بچتے ہیں) دوست رکھتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ براءت کا اعلان ان مشرکین سے کیا گیا تھا جنہوں نے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی یا ان سے خیانت کے آثار و دلائل ظاہر ہوئے تھے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اس سورہ کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ

جن مشرکوں کے ساتھ تم (مسلمانوں) نے صلح کا عہد

إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (التوبہ : ۱)

کر رکھا تھا (اب، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان کو صاف جواب ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کو مستثنیٰ فرمادیا ہے جنہوں نے معاہدے کی پابندی کی ہے۔ اس بنا پر برارت کا یہ اعلان سورۂ انفال کی اس آیت کا عملی طور پر نفاذ ہے :

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ (الانفال : ۵۸)

اور اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو مساوات کو ملحوظ رکھ کر (ان کے عہد کو اُلٹا) انہی کی طرف پھینک مارو۔ بیشک اللہ دغا بازوں کو دوست نہیں رکھتا۔

کیونکہ دغا کا خوف اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کے دلائل یعنی مظالم کا ظہور ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جن مشرکین نے اپنے عہد کے پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی، کسی کو مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد نہیں دی اور اپنے عہد پر قائم رہے، آیت کے رُو سے ان کے قول و قرار کو توڑا نہیں جا سکتا۔

اسی طرح جب مسلمانوں کو سورۂ نساء میں ان منافقین سے علیحدگی کی، جو مخفی طور پر مسلمانوں کی مخالفت میں مصروف تھے، ترغیب دی تو فرمایا :

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ (النساء : ۹۰)

مگر جو لوگ ایسی قوم سے جا ملے ہوں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہے۔

اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ معاہدین کے ملک کا احترام واجب ہے اور جو لوگ وہاں پناہ گزیں ہوں وہ محفوظ رہیں۔

اسی طرح اگر معاہد قوم کا کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو سورۂ نساء میں اس کی دیت بھی وہی قرار دی جو ایک مسلمان کے غلطی سے قتل کر دینے کی قرار دی گئی ہے :

وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ

اور اگر (مقتول) ان لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں (صلح کا) عہد ہے تو (قاتل کو چاہیے کہ وارثانِ

Marfat.com

اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔ (النساء : ۹۲) مقتول کو خون بہا پہنچائے اور (اس کے علاوہ) ایک مسلمان غلام بھی آزاد کر دے۔

اور یہ دیت بعینہٖ وہی ہے جو غلطی سے ایک مسلمان کے قتل کر دینے پر واجب الادا ہوتی ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا۔ (النساء : ۹۲) اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور وارثانِ مقتول کو خون بہا دے مگر یہ کہ (وارثانِ مقتول) خون بہا معاف کر دیں۔

بلکہ جو مسلمان دشمنوں کی قوم سے تعلق رکھتا ہو اس کے قتل کا خون بہا اس سے کم قرار دیا:

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔ (النساء : ۹۲) پھر اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ خود مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

اسی طرح جن مسلمانوں نے دشمن کے ملک سے ہجرت نہیں کی ہے بلکہ وہیں مقیم ہیں، ان کے متعلق فرمایا:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ۔ (الانفال : ۷۲) ہاں اگر وہ دین (کے بارے) میں تم سے طالبِ مدد ہوں تو تم کو ان کی مدد کرنی لازم ہے۔ مگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں (صلح کا) عہد ہو۔

اور اس طریقہ سے حقِ معاہدہ کو تمام حقوق سے بالاتر قرار دیا۔

خداوند تعالیٰ نے صلح کی کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے بلکہ اس کا ذکر بالکل غیر مقیّد طور پر کیا ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ (الانفال : ۶۱) اور (اے پیغمبر) اگر کافر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بیشک وہی (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔

**اسیرانِ جنگ** قرآن مجید نے سورۂ قتال (محمد) میں اسیرانِ جنگ کا حکم ان الفاظ میں بتصریح بیان کیا ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح ان کا خون بہا لو تو ان

Marfat.com

الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ (محمد : ۴)

کی ہتھکڑیاں کس لو (یعنی قید کر لو) پھر قید کرنے کے بعد یا تو احسان رکھ کر (چھوڑ دینا)، یا معاوضہ لے کر یہاں تک کہ لڑائی اپنا ہتھیار رکھ دے (یعنی لڑائی موقوف ہو جائے)

اس بنا پر ارباب اختیار کو دو باتوں میں سے قرآن مجید نے ایک کا اختیار دیا ہے۔ یا تو احسان کریں اور قیدیانِ جنگ کو بلا معاوضہ رہا کر دیں یا فدیہ یعنی معاوضہ لے کر ان کو چھوڑ دیں۔ لیکن اس کے لیے "اثخان فی الارض" کی شرط ہے اور اس کے معنی زمین میں قدم جمانے کے نہیں ہیں بلکہ دشمن کے قتل میں مبالغہ کرنے کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کامل خونریزی سے پہلے خداوند تعالیٰ نے فدیہ لینے پر مسلمانوں کو ملامت کی ہے اور سورۂ انفال میں فرمایا ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (الانفال : ۶۷)

پیغمبر جب تک زمین میں خوب خون نہ بہائے اس کے پاس قیدیوں کا رہنا مناسب نہیں۔ تم (مسلمان تو) مال و متاعِ دنیا کے خواہاں ہو اور اللہ تم کو آخرت (کی نعمتیں) دینا چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب باتدبیر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مخصوص اسباب کی بناء پر بعض قیدیوں کے قتل کا بھی حکم دیا ہے۔ مثلاً آپؐ نے بدر میں عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا، احد میں ابی عزہ الجمحی کے قتل کا حکم صادر فرمایا کیونکہ اس نے بدر میں آپؐ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپؐ کے مخالفین کی اعانت نہ کرے گا، لیکن اس نے اپنے عہد کو پورا نہیں کیا۔ اسی طرح فتح مکّہ کے بعد چند جرائم کے ارتکاب کی بناء پر اہلِ مکّہ میں سے آٹھ اشخاص کے خون کو مباح قرار دیا۔

غلامی کی کیفیت یہ ہے کہ جب اسلام آیا تو اہلِ عرب کے قبضے میں غلام موجود تھے اور اسلام نے بھی اس قبضہ کو بدستور قائم رکھا۔ چنانچہ مکی سورہ مومنون میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ

وہ (مسلمان) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈیوں)

Marfat.com

اِیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ (المؤمنون: ۵-۶)

ہے کہ (ان پر) ان پر کچھ الزام نہیں (اپنی مراد کو پہنچ گئے)

اور مکی سورۂ معارج میں بھی اسی قسم کی آیت موجود ہے۔ اور یہ آیتیں اس زمانے سے تعلق رکھتی ہیں جس کے پہلے مسلمانوں نے کوئی جنگ نہیں کی تھی۔ اور مدنی سورۂ نساء میں فرمایا:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ۔

پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بی بیوں میں برابری کے ساتھ برتاؤ) نہ کرسکو گے تو اس صورت میں) ایک ہی (بی بی کرنا) یا جو (لونڈی) تمہارے قبضے میں ہو (اسی پر قناعت کرنا)

پھر ان کو متعدد طریقوں سے غلاموں کی آزادی کی سخت ترغیب دی۔ چنانچہ ان طریقوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) سورۂ بلد مکیہ میں یہ قرار دیا کہ اگر کوئی انسان خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے، تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ غلام آزاد کرے۔ چنانچہ متعدد احسانات جتانے کے بعد فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۝

(البلد: ۱۱-۱۸)

پھر بھی وہ (ان نعمتوں کے شکریں) گھاٹی سے ہو کر نہ نکلا اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری کیا مراد) ہے (گھاٹی سے مراد ہے کسی کی) گردن کا (غلامی کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم کو خاص کر جب وہ اپنا رشتہ دار (بھی) ہو یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا۔ (تو جو ناحق کی شیخی مارتا ہے چاہئے تھا کہ اس گھاٹی میں سے ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ ان لوگوں (کے زمرے) میں ہوتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور (نیز) ایک دوسرے کو (خلق خدا پر) رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے۔ یہی لوگ (آخرت میں) مبارک (خوش نصیب) ہوں گے)

Marfat.com

اس طریقہ سے انسان جن خصائل کے ذریعہ سے اپنے خدا کا شکریہ ادا کر سکتا ہے۔ ان سب سے غلاموں کی آزادی کو مقدم قرار دیا ہے۔

(۲) مختلف جرائم کی پاداش میں جو کفارے واجب ہوتے ہیں ان میں اکثر غلاموں کی آزادی کو مقدم کیا ہے۔ چنانچہ غلطی سے قتل کر دینے کے کفارے میں فرمایا:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔ (النساء : ۹۲)

اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے۔

اور کفارۂ ظہار کے متعلق فرمایا:

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا۔ (المجادلہ : ۳)

اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر لوٹ کر وہی (کام) کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے ہیں (کہ نہیں کریں گے) تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد) کو ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ۔ (المائدہ : ۸۹)

تو اس (یعنی قسم کے توڑنے کا) کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلایا کرتے ہو یا انہی (دس مسکینوں) کو کپڑے بنا دینا یا ایک غلام آزاد کر دینا۔

(۳) مصارفِ زکوٰۃ بیان کیے تو اس کے آٹھ حصّوں میں سے ایک حصّہ غلاموں کے لیے متعیّن کیا یعنی یہ کہ جو امام مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرے وہ اس کی قیمت کو غلاموں کی آزادی میں صرف کرے۔

(۴) جو غلام روپیہ ادا کر کے آزادی کی درخواست کریں ان کی درخواست کے قبول کرنے اور ان کو رقم مقررہ کے ادا کرنے میں مدد دینے کا حکم دیا:

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ

اور تمہارے ہاتھ کے مال (یعنی غلاموں) میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو تم ان کے ساتھ مکاتبت

Marfat.com

فِيۡهِمۡ خَيۡرًا وَّ اٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اٰتٰٮكُمۡ ۔ (النور : ۳۳)

کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور خدا کے مال میں سے، جو اس نے تم کو دے رکھا ہے ان کو (بھی) دو۔

آزادی کی یہ تمام صورتیں ان ترغیبات کے علاوہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی آزادی کے متعلق دی ہیں اور لوگوں کو بار بار غلاموں پر رحم کرنے کی نصیحتیں کی ہیں۔

غلام بنانے کے متعلق قرآن مجید میں ایک آیت بھی نہیں ہے یعنی قرآن مجید میں کہیں یہ حکم نہیں ہے کہ لڑائی میں غلام بنائے جائیں۔

غنیمتِ جنگ | اہلِ عرب جنگ میں مالِ غنیمت حاصل کرتے تھے اور اس کو شرکائے جنگ پر تقسیم کرتے تھے، جس کا بڑا حصہ رئیس فوج کو دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

لك المرباع منها والصفايا وحكمك والنشيطة والفضول

"اے رئیس تیرے لیے غنیمت کا چوتھائی حصہ اور منتخب چیز اور نشیطہ اور فضول ہے، اور تیرا فیصلہ فیصلہ ہے۔"

اس شعر میں "مرباع" سے مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ، "صفی" سے وہ چیز جس کو رئیس پسند کر کے اپنے لیے انتخاب کرلے۔ "نشیط" سے وہ مال جو جنگ سے پہلے شرکائے جنگ کے ہاتھ میں پڑ جائے اور "فضول" سے وہ مال جو تقسیم سے بچ جائے، مراد ہے۔

اسلام آیا تو مسلمانوں کو سب سے پہلے مالِ غنیمت جنگِ بدر میں حاصل ہوا اور انہوں نے اس کی تقسیم کا طریقہ معلوم کرنا چاہا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ۚ (الانفال : ۱)

اے پیغمبر (مسلمان سپاہی) تم سے مالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں تو (ان سے) کہہ دو کہ مالِ غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے۔

اس کے بعد اس کی تقسیم کا طریقہ بیان فرمایا:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

اور جان رکھو کہ جو چیز تم (لڑائی میں) لوٹ کر لاؤ اس کا پانچواں حصہ خدا کا اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔

اسی طریقہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ لے لیتے تھے اور متذکرہ بالا اشخاص پر تقسیم فرما دیتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے خود فرمایا:

لیس لی من مغنکم الا الخمس والخمس مردود علیکم

تمہارے مالِ غنیمت میں سے میرے لیے صرف پانچواں حصہ بھی تمہیں لوگوں کو واپس دے دیا جاتا ہے۔

اور یہ حصہ خود ان لوگوں کو اس لیے واپس ملتا ہے کہ مالِ غنیمت کا بڑا حصہ مصالح عامہ کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔

"فی" یعنی اس مالِ غنیمت کے متعلق جو بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہو، فرمایا:

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ (الحشر: ۷)

(جو) مال اللہ اپنے رسول کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو (وہ) اللہ کا (حق) ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں کا۔ (یہ حکم) اس لیے (دیا گیا) کہ جو لوگ تم میں مال دار ہیں یہ (مال) ان (ہی) میں چلتا پھرتا نہ رہے۔

اس کے بعد فرمایا:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

(وہ مال جو بے لڑے مفت میں ہاتھ لگا ہے، منجملہ اور حق داروں کے، محتاج مہاجرین کا بھی (حق) ہے جو اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دیے گئے (اور اب

Marfat.com

وَ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحشر: ۸-۱۰)

(وہ) خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب گاری میں لگے ہیں۔ اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں، یہی تو سچے (مسلمان) ہیں۔ اور ان کا (بھی حق) ہے جو اُن سے پہلے مدینہ میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور (مالِ غنیمت میں سے) مہاجرین کو جو کچھ بھی دے دیا جائے اس سے یہ اپنے دل میں کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو مہاجرین کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔ اور ان کا (بھی حق) ہے جو مہاجرین اوّلین کے بعد (ہجرت کر کے) آئے (کہ یہ اگلے مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اور) دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور نیز ہمارے بھائیوں کے گناہ معاف کر، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں ان کی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غزوات کیے ان میں اپنے قول و فعل سے احکامِ قرآنی کی تشریح فرمائی ہے۔ چنانچہ ان میں سے خداوند تعالیٰ نے بعض غزوات کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے اور بعض غزوات کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر سرایا روانہ کیے وہ سب کے سب

احکام قرآن کے مطابق تھے۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن غزوات کا حال بیان کیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) غزوۂ بدر: اس کا ذکر سورۂ انفال کی اس آیت میں آیا ہے:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ (الانفال: ۵)

جس طرح تیرے پروردگار نے تجھ کو تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اور بے شک مسلمانوں میں سے ایک گروہ راضی نہ تھا۔

اور آلِ عمران کی اس آیت میں بھی اس کا ذکر ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ (آلِ عمران: ۱۲۳)

اور بے شک مدد کی اللہ نے تمہاری بدر میں حالانکہ تم ذلیل (کمزور) تھے

(۲) غزوۂ احد، سورۂ آلِ عمران میں اس کا ذکر اس آیت سے شروع ہوا ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آلِ عمران: ۱۳۹)

اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو تمہیں بلند یعنی غالب ہو۔

(۳) غزوۂ حمراء الاسد: سورۂ آلِ عمران کی اس آیت میں اس کا ذکر آیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ (آلِ عمران: ۱۷۲)

جن لوگوں نے خدا اور رسول کے لیے قبول کیا بعد اس کے کہ پہنچے ان کو زخم۔

(۴) غزوۂ بدر الآخری: قرآن مجید نے سورۂ آلِ عمران کی اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ بے شک تمہارے لیے آدمی جمع ہوئے ہیں تو تم ان سے ڈرو، پس زیادہ کیا اس نے ان کے ایمان کو اور انہوں نے کہا کہ خدا ہمارے لیے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے، اور وہ پلٹے خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ نہ لگی ان کو برائی اور انہوں نے خدا

ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ۝ (آل عمران : ۱۷۳) | کی خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(۵) غزوۂ بنو النضیر : قرآن مجید نے سورۂ حشر کی اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے :

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ (الحشر : ۲)

اسی نے کفار اہلِ کتاب کو ان کے گھروں سے نکالا اوّل بار اکٹھے کرنے میں۔

(۶) غزوۂ احزاب : قرآن مجید نے سورۂ احزاب کی اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے :

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ (الاحزاب : ۹)

اے مسلمانو! اپنے اوپر خدا کے اس احسان کو یاد کرو جس وقت آئیں تمہارے اوپر فوجیں، تو ہم نے بھیجا ان کے اوپر ہوا کو اور ان فوجوں کو کہ نہ دیکھا تھا تم نے ان کو۔

(۷) غزوۂ بنو قریظہ : اسی سورہ کی اس آیت میں اس کا بھی ذکر ہے :

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا۝ (الاحزاب : ۲۶-۲۷)

اور جن اہلِ کتاب نے ان کی مدد کی، خدا نے ان کو ان کے قلعوں سے اتارا، اور ان کے دلوں میں رُعب ڈالا ایک گروہ کو تم لوگ قتل اور دوسرے گروہ کو قید کرتے ہو۔ اور وارث کیا تم کو ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا اس زمین کا جس کو تم نے پامال نہیں کیا تھا۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

(۸) غزوۂ حدیبیہ : سورۂ فتح کی اس آیت میں اس کا ذکر ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ (الفتح : ۱۰)

بے شک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ صرف خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

(۹) غزوۂ خیبر : خدا نے اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے :

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ | خدا مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ وہ تجھ سے بیعت

Marfat.com

يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

(الفتح : ۱۸ - ۱۹)

کرتے تھے درخت کے نیچے تو خدا نے جانا اس چیز کو جو ان کے دلوں میں تھا۔ پس اتاری ان کے اوپر تسکین اور ان کو دی نزدیک کی فتح اور بہت سامال غنیمت کہ لیں گے وہ اس کو اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(۱۰) فتح مکہ : ان آیتوں میں اس کی طرف اشارہ ہے :

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ۔ (الحدید : ۱۰)

اور تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی، برابر نہیں ہیں۔ یہ ان لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی۔ لیکن ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (النصر : ۱)

جس وقت خدا کی مدد آئی اور (مکہ) فتح ہوا۔

(۱۱) غزوۂ حنین : قرآن مجید نے اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے :

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ (التوبہ : ۲۵ - ۲۶)

بے شک خدا نے بہت سے مقامات میں تمہاری مدد کی (بالخصوص) حنین کے دن جس وقت ناز ہوا تم کو اپنی کثرت پر لیکن اس نے تم کو فائدہ نہ پہنچایا اور تمہارے اوپر زمین باوجود اس کے کہ وہ کشادہ تھی، تنگ ہو گئی پھر تم بھاگ گئے پیٹھ پھیر کر، پھر اتاری خدا نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور اتاریں ایسی فوجیں کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو اور عذاب کیا کفار کو اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

(۱۲) غزوۂ تبوک : غزوۂ عسرہ بھی اسی کا نام ہے اور سورۂ توبہ میں اس کے بہت سے واقعات کی

Marfat.com

تفصیل مذکور ہے اور غزوات میں سب سے زیادہ مطول بیان قرآن مجید میں اسی غزوہ کا ہے۔ چنانچہ اس کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ (التوبہ : ۳۸)

اے مسلمانو! یہ کیا بات ہے، کہ جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تو تم زمین میں بوجھل ہو جاتے ہو۔ کیا تم نے آخرت کے بدلے میں دنیوی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ تو نہیں ہے زندگانی دنیا کا فائدہ آخرت میں مگر تھوڑا۔

تقریباً اخیر سورہ تک اسی کا ذکر ہے۔

یہ تمام غزوات قرآن مجید کے مذکورہ بالا اصول یعنی مدافعتِ ظلم، حفاظت، دعوتِ اسلام اور مصالحت کرنے والوں کے ساتھ میلانِ مصالحت کے مطابق واقع ہوئے اور آپؐ کی زندگی کے آخری زمانہ تک تمام جزیرۂ عرب آپؐ کے زیرِ اقتدار آگیا۔

**نظامِ منزلی** قرآن مجید نے نظامِ منزلی کی جو تفصیل کی ہے اور اس کے متعلق جو احکام نافذ کیے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے :

**نکاح** قرآن مجید نے نکاح کو جس اہمیت کے ساتھ مشروع کیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے عقدِ نکاح کا نام "مستحکم قول و قرار" رکھا ہے۔

وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا۔ (النساء : ۲۱)

اور بی بیاں تم سے پکّا قول لے چکی ہیں۔

اور خداوند تعالیٰ نے لوگوں پر اپنا یہ احسان جتایا ہے کہ اس نے میاں بی بی کے درمیان الفت و محبت قائم کی۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تا تم کو (ان کی طرف رغبت کرنے سے) راحت

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ (الروم : ۲۱) — اور تم (میاں بی بی) میں پیار اور اخلاص پیدا کیا اور جو لوگ سوچ سمجھ کر کام میں لاتے ہیں، ان کے لیے ان (باتوں) میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

اور میاں بی بی میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ، (البقرہ: ۱۸۷) — عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم ان سے سکون حاصل کرتے ہو اور وہ تم سے سکون حاصل کرتی ہیں۔ چنانچہ بعینہٖ یہی الفاظ خدا نے ایک اور موقع پر استعمال فرمائے ہیں:

جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا۔ (الفرقان: ۴۷) — خدا نے رات کو تمہارے لیے لباس بنایا۔

یعنی یہ کہ تم رات میں سکون حاصل کرتے ہو۔

حدیث میں بھی نکاح اور اضافۂ تعدادِ امت کی خاص طور پر سخت ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

تزوجوا، تناسلوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامۃ۔ — نکاح کرو، نسل بڑھاؤ، کیونکہ میں تمہارے ذریعہ سے قیامت کے دن اور امتوں پر فخر کروں گا۔

قرآن مجید نے نکاح کی ترغیب اس آیت میں دی ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (النور: ۳۲) — اور اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے ان کو جو نیک بخت ہوں۔ اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔ اور اللہ گنجائش والا واقف ہے۔

اہل عرب کے یہاں بی بیوں کی تعداد متعین نہ تھی۔ اس لیے بعض لوگ بسا اوقات دس دس عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ اس بنا پر قرآن مجید نے اس کی ایک متوسط تعداد مقرر کر دی اور ان لوگوں کو متعدد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی جو اپنی عورتوں کے بارے میں ناانصافی سے مامون ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا :

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا (النساء : ۳)

تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بی بیوں میں) برابری کے ساتھ برتاؤ نہ کر سکو گے تو (اس صورت میں) ایک ہی یا جو (لونڈی) تمہارے قبضے میں ہو (اسی پر قناعت کرنا)۔ نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لیے یہ تدبیر زیادہ قرینِ مصلحت ہے۔

متعدد عورتوں کے نکاح کی اجازت حسب ذیل مصالح پر مبنی ہے :

(۱) انسان کی طبعی ضرورت جس کی نسبت تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ بسا اوقات فطرتِ انسانی ایک عورت پر قناعت نہیں کرتی۔

(۲) تکثیرِ نسل۔

لیکن اس اجازت کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ متعدد بی بیوں میں غیر منصفانہ برتاؤ کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ شارع کی نگاہ میں یہ خرابی ان دونوں مصلحتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ تعدد نکاح ان بنیادی احکام میں داخل نہیں ہے جو شارعِ اسلامؑ کی نگاہ میں لازمی ہیں بلکہ وہ ایک مباح فعل ہے۔ اور ایک شخص کو حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے کی صورت میں اس کے کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔

قرآن مجید نے مسلمانوں پر چند عورتوں کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ اور یہ عورتیں وہ ہیں جن کے ساتھ وہ قرابت یا رضاعت یا مصاہرت کے تعلقات رکھتے ہیں :

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ

اور جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو، تم ان کے ساتھ نکاح نہ کرو، مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا)۔ یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور

سَبِيْلًا ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

(النساء ، ۲۲ - ۲۴)

بہت ہی برا دستور تھا ۔ (مسلمانو!) تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (رضاعی) مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری ساسیں تم پر حرام ہیں اور جن بی بیوں کے ساتھ تم صحبت داری کر چکے ہو، ان کی گیلڑ لڑکیاں جو (اکثر) تمہارے گودوں میں پرورش پاتی ہیں ۔ لیکن اگر ان بی بیوں کے ساتھ تم نے صحبت داری نہ کی ہو تو (گیلڑ لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے) تم پر کچھ گناہ نہیں ۔ تمہارے اپنے صلبی بیٹوں کی بی بیاں (بھی تم پر حرام ہیں) اور دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں رکھنا (بھی تم پر حرام ہیں) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) ۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے ۔ اور وہ عورتیں (بھی حرام ہیں) جو دوسروں کے قید (نکاح) میں ہوں مگر وہ (جو کافروں کی لڑائی میں قید ہو کر) تمہارے قبضے میں آئی ہوں ۔ یہ خدا کا حکم تحریری ہے (جو) تم پر (لازم کیا جاتا ہے)

اور حدیث میں ایک عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی اور خالہ کو نکاح میں رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ۔ اور جن عورتوں کے ساتھ نسبی تعلقات کی بناء پر نکاح حرام ہے، ان کے ساتھ رضاعی تعلقات سے بھی نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ۔

---

ؔلہ پہلے خاوند کا وہ بچہ جسے عورت اپنے ساتھ دوسرے خاوند کے یہاں لائی ہو ۔

Marfat.com

قرآن مجید نے مسلمان مرد یا مسلمان عورت کا نکاح مشرک عورت اور مشرک مرد سے حرام کیا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے :

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ۔

(البقرہ : ۲۲۱)

اور مسلمانو! مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک کرنے والی عورت کیسی ہی تم کو بھلی (کیوں نہ) لگے، اس سے مسلمان لونڈی بہتر ہے اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئیں اپنی عورتیں اُن کے نکاح میں نہ دو، گو وہ تم کو کیسا ہی بھلا (کیوں نہ لگے) اس سے مسلمان غلام بہتر ہے۔ یہ مشرک (مرد و زن تو) لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ بہشت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔

اور اہلِ کتاب کی عورتوں کو اس آیت کے ذریعہ سے حلال کیا :

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ۔

(المائدہ : ۵)

اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے، ان میں کی (بھی) بیاہتا بی بیاں (تمہارے لیے) حلال ہیں بشرطیکہ ان کے مہر ان کے حوالے کرو (اور) تمہارا ارادہ (ان کو) قیدِ نکاح میں لانے کا ہو نہ کھُلم کھُلا بدکاری کرنے کا اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے کا۔

اور پاکدامن عورت کا نکاح بدکار مرد کے ساتھ یا پاکدامن مرد کا نکاح بدکار عورت کے ساتھ حرام کیا :

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى

یہ بدکار مرد (تو اپنی رغبت سے) بدکار عورت یا مشرکہ عورت ہی سے نکاح کرے گا اور بدکار عورت کو بدکار یا مشرک کے سوا کوئی نکاح میں نہیں لائے گا۔

Marfat.com

الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (النور : ۳)

اور مسلمانوں پر تو ایسے تعلقات حرام ہیں ۔

جو لوگ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لیے لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز قرار دیا اور فرمایا ۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ (النساء : ۲۵)

اور تم میں سے جس کو مسلمان بی بیوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو (خیر) لونڈیاں (ہی سہی) جو (کافروں کی لڑائی میں) تم مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں بشرطیکہ ایمان رکھتی ہوں۔ اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ (آدم زاد ہونے کے اعتبار سے) تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ پس لونڈیوں کے مالکوں کے اذن سے ان کے ساتھ نکاح کر لو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ان کے حوالے کر دو۔ مگر شرط یہ ہے کہ قید (نکاح) میں لائی جائیں (اور) نہ (تو تم سے) بازاری عورتوں کا سا تعلق رکھنا چاہتی ہوں اور نہ خانگیوں کا سا۔

حدیث میں عقدِ نکاح کے لیے بعض قیدیں اور لگائی گئی ہیں اور قرآن مجید نے مرد پہ یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ مہر عورت کے حوالے کر دے :

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ

ان کے علاوہ (سب عورتیں) تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ شہوت رانی کے لیے نہیں بلکہ قیدِ (نکاح) میں لانے کے لیے مال (یعنی مہر) کے بدلے (نکاح کرنا) چاہو۔ پھر جن عورتوں سے تم نے صحبت اٹھائی ہو تو ان سے جو مہر ٹھہرا تھا ان کے حوالے کر دو اور ٹھہرائے پیچھے (مہر کے کم و بیش کرنے پر) آپس میں راضی ہو جاؤ

Marfat.com

الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ؀

تو تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں۔ اور بے شک اللہ (سب کے حال سے) واقف ہے (اور سب کام) حکمت و تدبیر سے کرتا ہے۔

قرآن مجید نے عورت کے مقابلہ میں مرد کا جو درجہ قرار دیا وہ یہ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۔

(البقرہ : ۲۲۸)

اور جیسے (مردوں کا) حق عورتوں پر ہے ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا (حق مردوں پر) ہے۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَي النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَھُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاهْجُرُوْھُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ؀ (النساء : ۳۴)

مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں (اس کے دو) سبب (ہیں ایک) یہ کہ (آدمیوں میں) اللہ نے بعض (یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں پر) برتری دی ہے۔ اور (دوسرا سبب) یہ کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہے۔ تو جو نیک (بی بیاں) ہیں (مردوں کا) کہا مانتی ہیں (اور) خدا کی عنایت سے (ان کے) بیٹھ پیچھے (ہر ایک چیز کی) حفاظت رکھتی ہیں۔ اور تم کو جن بی بیوں کے جھگڑے کا اندیشہ ہو تو (پہلی دفعہ) ان کو سمجھا دو، پھر ان کے ساتھ ہمبستری موقوف کرو۔ اس پر بھی نہ مانیں تو ان کے ساتھ مار پیٹ سے پیش آؤ۔ پھر اگر تمھاری بات ماننے لگیں تو تم بھی اُن پر (ناحق کے) پہلو نہ ڈھونڈتے پھرو کیونکہ اللہ (سب پر) غالب اور بڑا زبردست ہے۔

Marfat.com

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(النساء : ۱۲۸ - ۱۲۹)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو (میاں بی بی) دونوں (میں کسی) پر کچھ گناہ نہیں کہ (اصلاح کی کوئی بات ٹھہرا کر) آپس میں صلح کرلیں اور صلح (بہرحال) بہتر ہے۔ اور (تھوڑا بہت) بخل تو سب کی طبیعت میں ہوتا ہے۔ اور اگر (ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور سخت گیری سے) بچے رہو، تو خدا تمہارے ان نیک کاموں سے باخبر ہے۔ اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تو تم سے نہ ہو سکے گا کہ (کئی کئی) بی بیوں میں (پوری پوری) برابری کرسکو تو بالکل (ایک ہی کی طرف) مت جھک پڑو کہ دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا (ادھر) میں لٹک رہی ہے۔ اور اگر (آپس میں) موافقت اور (ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے) بچے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے اگرچہ حقوق میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات کی بنیاد قائم کی ہے تاہم گھر کا سردار مرد ہی کو بنایا ہے اور حسن معاشرت کا بکثرت حکم دیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی مردوں کو حسن معاشرت کا بکثرت حکم دیا گیا ہے۔

<u>طلاق</u> خداوند تعالیٰ نے نظام اجتماع یعنی نکاح کی طرح نظام افتراق یعنی طلاق کو بھی مشروع کیا۔ لیکن طلاق کو بالکل آزادانہ اور خود مختارانہ چیز نہیں بنایا بلکہ عقد نکاح کے گرد ایسی چار دیواریاں قائم کردیں جو اس کو وقتی تأثرات سے محفوظ رکھ سکیں۔ چنانچہ ان حدود کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) خداوند تعالیٰ نے انسان کے احساس نفرت کو، جو افتراق کا سبب ہے مشکوک قرار دیا اور

Marfat.com

فرمایا :

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝

اور بی بیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو اور تم کو (کسی وجہ سے) وہ ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی (خیر و برکت) دے۔

اور اس حدیث کے بھی یہی معنی ہیں :

لا یفرك مؤمن مؤمنة ان كره منها خلقا رضی منها آخر

کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے ناچاقی نہ رکھے۔ اگر اس کا ایک خُلق اس کو ناپسند ہو گا تو اس کا دوسرا خُلق پسند آئے گا۔

اسی طرح عورت کو بھی طلب صلح کی ترغیب دی :

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۔ (النساء : ۱۲۸)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو (میاں بی بی) دونوں (میں کسی) پر کچھ گناہ نہیں کہ (اصلاح کی کوئی بات ٹھہرا کر) آپس میں صلح کر لیں اور صلح (بہرحال) بہتر ہے۔

(۲) جس وقت باہم ناچاقی کا اندیشہ ہو، تحکیم یعنی پنچ ماننے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا :

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

(النساء : ۳۵)

اور اگر تم کو میاں بی بی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے میں سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے میں سے، اگر پنچوں کا (دلی) ارادہ (میاں بی بی میں) اصلاح کرا دینے کا ہو گا تو اللہ ان کو سمجھانے بجھانے سے دونوں میں موافقت کرا دے گا، بے شک اللہ (سب کے دلی ارادوں سے) واقف (اور) خبردار ہے۔

یہ خطاب تمام مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا ہے، اور اس کا نفاذ ان کا قائم مقام یعنی ان کا حاکم کرے گا۔

(۳) متذکرۂ بالا احکام کے نفاذ کے بعد اگر طلاق کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نہ ہو تو طلاق ابتدائے عدت یعنی عورت کی اس پاکی کے زمانہ میں جس میں مرد نے اس سے مقاربت نہ کی ہو، دینی چاہیئے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ (الطلاق : ۱)

اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہو کہ) جب تم (اپنی بی بیوں) کو طلاق دینی چاہو تو ان کو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور (طلاق کے بعد ہی سے) عدت گننے لگو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے، ڈرتے رہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قرآن مجید کے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا، اور ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی بی بی کو واپس لے لیں، اور جب طلاق دینی چاہیں تو حکم قرآن کے مطابق دیں۔

(۴) یہ حکم دیا کہ عدت کے پورے زمانہ میں عورت سسرال ہی میں قیام کرے، کیونکہ جب تک اس سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو، جو اس کے نکال دینے کا سبب ہو، وہ بدستور بی بی باقی رہے گی:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝ (الطلاق : ۱)

(عدت میں) ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ (خود بھی) نہ نکلیں مگر یہ کہ کھلم کھلا (کوئی) بے حیائی (کا کام) کر بیٹھیں تو ان کو نکال دینے کا مضائقہ نہیں۔ اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں۔ اور جس شخص نے اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں سے قدم باہر رکھا تو اس نے (آپ) ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ (اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے) تو نہیں جانتا شاید اللہ طلاق کے بعد (ملاپ کی) کوئی صورت پیدا کر دے۔

اخیر کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو سسرال میں قیام کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔

Marfat.com

(۵) عدت کے گذرنے کے بعد شوہر کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ عورت کو واپس لے لے یا اس کو عملاً چھوڑ دے۔ لیکن دونوں حالتوں میں گواہوں کی ضرورت ہے۔ جو دونوں کے لیے گواہی دیں:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ (الطلاق : ۲)

پھر جب عورتیں اپنی عدت کو پوری کرنے پر آئیں تو یا تو رجوع کر کے (سیدھی طرح ان کو (اپنی زوجیت) میں رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کر دو۔ جو کچھ بھی کرو) اپنے (لوگوں) میں دو معتبر (آدمیوں) کو گواہ کر لو اور (گواہو! گواہی کی ضرورت آپڑے تو) اللہ کا پاس کر کے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا۔

لیکن جب تک عدت کا زمانہ باقی ہے شوہر کو عورت کے واپس لینے کا زیادہ مستحق قرار دیا:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ (البقرہ : ۲۲۸)

اور اُن کے شوہر (اُن کو) اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ اس اثناء میں ان کو (اپنی زوجیت میں) واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔

(۶) مختلف عورتوں کو مختلف عدتوں کے گذارنے کا حکم دیا یعنی حائضہ عورت کی عدت کا زمانہ تین حیض کے آنے تک مقرر کیا:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ : ۲۲۸)

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو تین حیضوں کے آنے تک روک رکھیں۔

اور آئسہ (وہ معمر عورتیں جن کا حیض اقتضائے سن سے بند ہو گیا ہو) اور غیر حائضہ (یعنی وہ عورتیں جن کو اب تک حیض نہیں آیا ہے) کی عدت کا زمانہ تین ماہ قرار دیا:

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ

اور (مسلمانو! تمہاری مطلقہ) بی بیوں میں سے جن کو (پیرانہ سالی کی وجہ سے) حیض کے آنے کی اُمید نہ رہی اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت (حیض سے نہیں بلکہ

(الطلاق : ۴) دنوں کے حساب سے) تین مہینے اور (علیٰ ہذا القیاس) جن عورتوں کو حیض کے آنے کی نوبت نہیں آتی۔

اور حاملہ عورتوں کی عدت کا زمانہ وضعِ حمل قرار دیا :

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔

اور (رہیں) حاملہ عورتیں (سو) ان کی عدت ان کے بچے جننے تک۔

اور جن عورتوں کے ساتھ ان کے شوہروں نے مقاربت نہیں کی ہے، ان کو عدت سے مستثنیٰ کر دیا:

اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ (الاحزاب : ۴۹)

مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں کو اپنے نکاح میں لاؤ پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو عدت (میں بٹھانے کا)، تم کو ان پر کوئی (حق) نہیں کہ لگو عدت کی (ان سے) گنتی پوری کرانے۔

اور زمانۂ عدت میں مرد کو عورت کے ساتھ رفق و ملاطفت کا حکم دیا :

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ؕ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا

مطلقہ عورتوں کو (عدت کے لیے) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہو اور ان پر سختی کرنے کے لیے انکو ایذا نہ دو۔ اور اگر حاملہ ہوں تو بچہ جننے تک انکا خرچ اٹھاتے رہو۔ پھر بچہ جنے پیچھے) اگر وہ (بچے کو) تمہارے لیے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی دودھ پلائی دو اور آپس کی صلاح سے دستور کے مطابق (اجرت وغیرہ کا) ٹھہراؤ کر لو اور آپس میں کشمکش کرو گے تو (مرد کو کوئی) اور (عورت میسر آجائے گی اور وہ) اس کے لیے (بچے کو) دودھ پلائے گی۔ جس کو گنجائش ہو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے اور

Marfat.com

إِلَّا مَآ اٰتٰهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق : ۶-۷)

جس کی آمدنی تُلی ہو وہ جتنا خدا نے اس کو دیا ہے اسی کے موافق خرچ کرے۔ خدا نے سب کو جتنا دے رکھا ہے اس سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینی نہیں چاہتا۔ (گھبرانے کی بات نہیں) خدا تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے گا۔

(۷) یہ حکم دیا کہ جس عورت کو طلاق دی جائے اس کے ساتھ اتنا سلوک کر دینا چاہیئے جو اس کے لیے موجب تسکین ہو۔ اور جس عورت کی مہر متعیّن نہ ہو اور اس کو مقاربت سے پہلے طلاق دے دی جائے اس کے لیے اس حق کو فرض قرار دیا :

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ : ۲۳۶)

اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کا مہر ٹھہرایا ہو اور اس سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں ایسی عورتوں کے ساتھ کچھ سلوک کر دو۔ مقدار والے پر اپنی حیثیت کے مطابق (سلوک کرنا لازم ہے) اور بے مقدور پر اپنی حیثیت کے مطابق۔ (اور) سلوک (جو کچھ بھی ہو) دستور کے مطابق ہو۔ جن کا شیوہ احسان کرنے کا ہے ان پر (ایسی عورتوں کا بھی ایک طرح کا) حق ہے۔

اس کے بعد اس کا ذکر ایک عام لفظ میں کیا :

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ : ۲۴۱)

اور جن عورتوں کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ (مہر کے علاوہ بھی) دستور کے مطابق (جوڑے وغیرہ سے کچھ) سلوک کرنا مناسب ہے کہ پرہیزگاروں پر ان کا بھی ایک طرح کا حق ہے۔

اور جن عورتوں کو قبل از مقاربت طلاق دی جائے ان کی نسبت فرمایا :

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ (الاحزاب : ٤٩)

تو (ایسی صورت میں) ان کو کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دو۔

لیکن جن عورتوں کا مہر متعین کر دیا گیا ہے اگر ان کو قبل از مقاربت طلاق دے دی جائے تو اُن کے لیے نصف مہر کا ادا کرنا ضروری قرار دیا :

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ : ٢٣٧)

اور اگر مقاربت سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کا مہر ٹھہرا چکے ہو تو جو کچھ تم نے ٹھہرایا تھا اس کا آدھا (دینا آئے گا) مگر یہ کہ (عورتیں) چھوڑ بیٹھیں یا (مرد) جس کے ہاتھ میں عقد نکاح (کا جوڑے رکھنا یا توڑ دینا) ہے، وہ اپنا حق) چھوڑ دے (یعنی پورا مہر دینے پر راضی ہو) اور (اپنا حق) چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس کی بڑائی کو مت بھولو جو کچھ بھی تم) کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

(٨) اگر مرد عورت کو کچھ دے چکا ہے تو اس کو واپس لینے کی ممانعت فرمائی :

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ (النساء : ٢٠ - ٢١)

اور اگر تمہارا ارادہ ایک بی بی کو بدل کر اس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو گو تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سا مال دے دیا ہو تاہم اس میں سے کچھ بھی (واپس) نہ لینا۔ کیا (تمہاری غیرت جائز رکھتی ہے کہ) کسی قسم کا بہتان لگا کر اور صریح بے جا بات کر کے اپنا دیا ہوا اس سے واپس) لیتے ہو۔ اور دیا ہوا کیسے (واپس) لے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو

Marfat.com

اور بی بیاں (نکاح کے وقت مہر و نفقہ وغیرہ کا) تم سے پکا قول لے چکی ہیں۔

لیکن جب میاں بی بی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت سے کچھ مال لینے کی اجازت دی:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(البقرہ : ۲۲۹)

اور جو تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے تم کو کچھ (بھی) واپس لینا جائز نہیں مگر یہ کہ میاں بی بی کو اس بات کا خوف ہو کہ خدا نے (میاں بی بی کے سلوک کی) جو حدیں ٹھہرا دی ہیں ان پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔ تو اس صورت میں کہ تم لوگوں کو اس بات کا خوف ہو کہ میاں بی بی اللہ کی باندھی ہوئی حدوں پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور عورت (اپنا پیچھا چھڑانے کے عوض) کچھ دے تو اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں تو ان سے (آگے) مت بڑھو۔ اور جو اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں سے آگے بڑھ جائیں تو یہی لوگ برسرِ ناحق ہیں۔

طلاق کے تجربہ کی حد دو مرتبہ قرار دی:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ

(البقرہ : ۲۲۹)

طلاق (جس کے بعد رجوع بھی ہو سکتا ہے وہ تو دو ہی طلاقیں ہیں) جو دو دفعہ (کر کے) دی جائیں) پھر (دو طلاقوں کے بعد یا تو) دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا ہے، یا حُسنِ سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا۔

Marfat.com

لیکن جب تیسری بار طلاق دے دی تو وہ عورت اس پر بالکل حرام ہوگئی اور اس کے بعد میاں بی بی میں سے ہر ایک کو اپنا شریکِ زندگی تلاش کرنا چاہیے ،

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (البقرہ : ۲۳۰)

اب اگر عورت کو (تیسری بار) طلاق دے دی تو اس کے بعد جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اس کے لیے حلال نہیں ہوسکتی ۔

لیکن جب بی بی دوسرے شوہر کا تجربہ کر چکے تو اس کے بعد پہلا شوہر دوسری بار اس سے نکاح کرسکتا ہے ؛

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ : ۲۳۰)

ہاں اگر (دوسرا شوہر ہم بستر ہوکر) اس کو طلاق دے دے تو دونوں (میاں بی بی) پر کچھ گناہ نہیں کہ (پھر) ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو کہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں پر قائم رہ سکیں گے ۔ اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں جن کو ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو (مصالح خانہ داری کو) سمجھتے ہیں ۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہد مبارک میں تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھیں اور یہ (واللہ اعلم) اس بناء پر تھا کہ اگر شوہر کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ ایک ہی بار میں اپنی بی بی کو اپنے اوپر بالکل مختتم طور پر حرام کرلے تو اس سے وہ فوائد و خصوصیات بالکل معدوم ہو جائیں گی جو قرآن مجید کی ان آیتوں سے نکلتی ہیں جن میں دو بار کی طلاق میں رجعت کی اجازت ہے اور تیسری بار کی طلاق میں عورت بالکل حرام کردی گئی ہے ۔

(۱۰) قرآن مجید نے علیحدگی کی اور چند صورتوں کا ، جو زمانۂ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھیں ، ذکر کیا ہے اور ان کا ایک نظام قائم کردیا ہے ۔

Marfat.com

(۱) ان میں پہلی صورت ایلاء کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شوہر یہ قسم کھالے کہ وہ اپنی بی بی سے مقاربت نہ کرے گا۔ چنانچہ اس کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا :

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ : ۲۲۶ - ۲۲۷)

جو لوگ اپنی بی بیوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں ان کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ پھر (اس مدت میں) اگر رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کی ٹھان لیں تو (بھی) اللہ سنتا اور جانتا ہے۔

اس آیت کی ترتیب و نظام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شارع نے شوہر کے لیے ایک ایسی انتہائی مدت مقرر فرما دی ہے جس کے گذرنے سے پہلے وہ اپنی قسم کی حفاظت کرسکتا ہے۔ لیکن اگر اس مدت میں رجوع کرے تو خدا اس کو قسم کے مواخذہ سے، جیسا کہ اس سے پہلے کی آیت سے ثابت ہوتا ہے، بری کردے گا :

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (البقرہ : ۲۲۴ - ۲۲۵)

اور خدا کو (یعنی اس کے نام کو لوگوں کے ساتھ) سلوک کرنے اور پرہیزگاری رکھنے اور لوگوں میں ملاپ کرانے کا مانع (و مزاحم) نہ ٹھہراؤ اور اللہ سنتا اور جانتا ہے تمہاری قسموں میں جو لا یعنی (قسمیں) ہیں ان پر تو خدا تم سے کچھ مواخذہ کرتا نہیں لیکن ان (قسموں) پر تم سے (ضرور) مواخذہ کرے گا جو تمہارے دلی ارادہ سے ہوں اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

(۲) دوسری صورت ظہار کی ہے یعنی اہلِ عرب کے نزدیک عورت کے حرام کرنے کا ایک طریقہ تھا کہ شوہر اپنی بی بی کو یہ کہہ کر اپنے اوپر حرام کرلیتا تھا کہ "تو میری ماں کی پیٹھ کے مثل ہے"۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل کی :

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ

(اے پیغمبر) اللہ نے اس عورت[1] کی بات سن لی جو اپنے[2]

[1] خولہ بنت ثعلبہ [2] اوس بن صامت

Marfat.com

فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ
يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ
بَصِيْرٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ
مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ
اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ
وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ
الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ
غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ
مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ
لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ
بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ
فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ
مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ۭ (المجادلہ : ۱ - ۴)

کے بارے میں تم سے جھگڑتی اور خدا سے فریاد کرتی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (مسلمانو!) جو لوگ تم میں سے اپنی بی بیوں کے ساتھ ظہار کر بیٹھیں وہ (کچھ) ان کی مائیں (تو ہیں) نہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے (مگر) ہاں! بی بی کو ماں (کہہ بیٹھنے سے) انہوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات کہی۔ اور بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر لوٹ کر وہی (کام) کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے ہیں کہ (نہیں کریں گے) تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد کو) ایک غلام آزاد کرنا (چاہیے مسلمانو!) تم کو نصیحت کی جاتی ہے (تاکہ اس پر کاربند رہو) اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کی (سب) خبر ہے۔ پھر جس کو غلام میسر نہ ہو تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (مرد) لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے اور جس سے یہ نہ ہو سکے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ یہ (حکم) اس لیے (دیا جاتا ہے) کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر (پورا پورا) ایمان لے آؤ۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ شریعت نے طلاق کا جو نظام قائم کیا ہے وہ ایک ایسا بہترین نظام ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ کیونکہ میاں بی بی کے اختلاف کی

Marfat.com

بنا پر اگر سخت ناگواری کی صورت پیدا ہو جائے تو اس نظام کے رُو سے شوہر کے لیے بی بی کے ساتھ رہنا لازمی نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ علیحدگی کا معاملہ بھی ایسا آسان نہیں کہ بغیر ضمانت و کفالت کے طے ہو جائے۔

اگر عورت کا شوہر مر جائے تو شارع نے اس پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ اس کا سوگ کرے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (البقرہ: ۲۳۵)

اور تم میں جو لوگ مر جائیں اور بی بیاں چھوڑیں تو (عورتوں کو چاہیئے کہ) چار مہینے اور دس دن اپنے تئیں روکے رکھیں۔ پھر جب اپنی (عدت کی) مدت پوری کر لیں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا (وارثان میت) پر کچھ الزام نہیں۔ اور تم لوگ جو کچھ (بھی) کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

اور اس کا یہ حق قرار دیا کہ وہ اگر چاہے تو سسرال میں ایک سال تک قیام کر سکتی ہے اور اس حالت میں اس کے مصارف شوہر کے ترکہ سے ادا کیے جائیں گے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۴۰)

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بی بیاں چھوڑیں تو اپنی بی بیوں کے حق میں ایک برس تک کے سلوک (یعنی نان و نفقہ اور (گھر سے) نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں۔ پھر اگر عورتیں (از خود گھر سے) نکل کھڑی ہوں تو جائز باتوں میں سے جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

تھوڑے سے غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلی

Marfat.com

آیت میں عورت کے فرض کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اس کے حق کا تذکرہ ہے۔

اور ایسی عورتوں کے ساتھ کھلم کھلا نکاح کی بات چیت کرنے کی ممانعت کی البتہ کنایۃً و تعریضاً اس کی اجازت دی :

| | |
|---|---|
| وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ | اور اگر تم کسی بات کی آڑ میں (ان) عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو تو اس میں (بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم کو (ان عورتوں سے نکاح کر لینے) کا خیال آئے گا (سو مضائقہ کی بات نہیں) مگر ان سے (نکاح کا) ٹھہراؤ تو چپکے سے بھی نہ کرنا ہاں جائز طور پہ بات کہہ گزرو (تو کچھ حرج کی بات نہیں)۔ اور جب تک میعادِ مقرر (یعنی عدت) اختتام کو نہ پہنچ لے عقدِ نکاح کی بات پکی نہ کر بیٹھنا اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہارے جی میں ہے اللہ (اس کو) جانتا ہے تو اس سے ڈرتے رہو۔ |

(البقرہ : ۲۳۵)۔

قرآن مجید نے مطلقہ ماں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو دودھ پلائے :

| | |
|---|---|
| وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ | اور جو شخص (بی بی کو طلاق دے پیچھے اپنی اولاد کو) پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو اس کی خاطر مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں اور جس کا وہ بچہ ہے (یعنی باپ) اس پر دستور کے مطابق ماؤں کا کھانا کپڑا دینا لازم ہے۔ (نان ونفقہ کے ٹھہراؤ میں) کسی کو تکلیف نہ دی جائے گی مگر وہیں تک کہ اس کی گنجائش ہو۔ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ |

Marfat.com

فَاِنۡ اَرَادَا فِصَالًا عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا ؕ وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَيۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝

(البقرہ : ۲۳۳)

سے نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ اس کو جس کا بچہ ہے (یعنی باپ کو) اس کے بچہ کی وجہ سے (کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے)۔ اور دودھ پلانے کا نان و نفقہ جیسا اصل باپ پر ویسا (اس کے) وارث پر ہے۔ پھر اگر وقت سے پہلے (ماں باپ) دونوں اپنی مرضی و صلاح سے (دودھ) چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو (کسی دایہ سے) دودھ پلوانا چاہو (تو اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ جو تم نے دستور کے مطابق (ان کو) دینا طے کیا تھا (ان کے) حوالے کر دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

نظام منزلی کے سلسلے میں قرآن مجید میں اور چند چیزیں مذکور ہیں:

(۱) ایک تو یتیموں کی سرپرستی و اصلاح کے احکام۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ۔ (البقرہ : ۲۲۰)

اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (تو ان کو) سمجھا دو کہ (جس میں) ان (یتیموں) کی بہتری (ہو وہی) بہتر ہے۔ اور اگر ان سے مل جل کر رہو تو (وہ) تمہارے بھائی ہیں (کوئی غیر نہیں)

اور فرمایا:

وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰۤى اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

اور یتیموں کے مال ان کے حوالہ کرو اور مال طیب

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ (النساء : ٢)

کے بدلے مال حرام نہ لو اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر خورد برد نہ کرو کیونکہ (یہ بہت ہی) بڑا گناہ ہے۔

اور فرمایا :

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۔ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

(النساء : ٦)

اور یتیموں کو (دنیا کے) کاروبار میں لگائے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچیں اس وقت اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کردو اور ایسا نہ کرنا کہ ان کے بڑے ہونے کے اندیشے سے فضول خرچی کر کے جلدی جلدی ان کا مال (کھا پی) ڈالو اور جو (ولی سرپرست) با مقدور ہو اُسے (مال یتیم کے اپنے اوپر خرچ کرنے سے) بچا رہنا چاہیئے اور جو حاجت مند ہو وہ دستور کے مطابق (بقدر ضرورت) کھالے (تو مضائقہ نہیں) پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو (لوگوں کو) ان (کے مال کے لینے) کا گواہ کرلو ورنہ حساب لینے کو (تو حقیقت میں) اللہ بس ہے۔

اس کے بعد فرمایا :

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ

اور وارثانِ حقدار کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر (خود) اپنے (مرنے) پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں تو ان کے حال پر انہیں (کیسا کچھ) فکر نہ ہوتا۔ تو چاہیئے کہ (غربا کے ساتھ سختی کرنے میں) اللہ سے ڈریں اور (ان سے) سیدھی طرح بات کریں۔ جو لوگ ناحق

Marfat.com

فِیْ بُطُوْنِہِمْ نَارًا وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝ (النساء : ۱۰)

(ناروا) یتیموں کے مال خورد برد کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بس انگارے بھرتے ہیں اور عنقریب (مرے پیچھے) دوزخ میں پڑیں گے۔

اور یتیموں کے متعلق جو احکام دیئے ان کے سلسلے میں فرمایا :

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ۔ (النساء : ۱۲۷)

اور (خاص کر) یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔

(۲) دوسرے وصیّت، چنانچہ ارشاد ہوا :

کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَہٗ مِنْ بَعْدِ مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَہُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (البقرہ : ۱۸۰ - ۱۸۲)

(مسلمانو!) تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو (اور) وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے واجبی طور پر وصیت (کر مرے)، جو (خدا سے) ڈرتے ہیں ان پر (ان کے اپنوں کا یہ ایک) حق ہے۔ پھر جو وصیت کے سُنے پیچھے اسے کچھ کا کچھ کردے تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں پر ہے جو وصیت کو بدلیں۔ بے شک اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔ اور جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی خاص شخص کی) طرف داری یا (کسی کی) حق تلفی کا اندیشہ ہوا ہو اور وہ وارثوں میں میل کرادے تو ایسی صورت میں (وصیت کے بدلنے کا) اس پر کچھ گناہ نہیں (بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور حدیث میں بھی اسی مفہوم کی تائید کی گئی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ماحق امرئ مسلم لہ شئ یرید

ایک مسلمان کو جس کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اس کی

Marfat.com

ان یوصی فیہ بیت لیلۃ الا وصیۃ مکتوبۃ عندہ

وصیت کرنی چاہتا ہو صرف یہ فرض ہے کہ وہ رات بسر کرے تو اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود رہنی چاہیے۔

(۳) تیسرے آداب استیذان یعنی کسی کے گھر آنے جانے کے طریقے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝ (النور: ۲۷ - ۲۹)

مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا (دوسرے) گھروں میں گھر والوں سے پوچھے اور ان سے سلام علیک کہے بدوں نہ جایا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یہ حکم تم کو اس غرض سے دیا گیا ہے کہ جب ایسا موقع ہو تو (تم) اس کا خیال رکھو۔ پھر اگر تم کو معلوم ہو کہ گھر میں کوئی آدمی موجود نہیں تو جب تک تمہیں (خاص) اجازت نہ ہو ان میں نہ جاؤ اور (اگر گھر میں کوئی ہو اور) تم سے کہا جائے کہ (اس وقت موقع نہیں) لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ۔ یہ (لوٹ آنا) تمہارے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ غیر آباد مکانوں میں جن میں تمہارا اسباب ہو ان میں (بے اجازت) چلے جانے سے تم پر (کچھ) گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم علانیہ کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے۔

اور فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ

مسلمانو! تمہارے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلام)

Marfat.com

الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(النور : ٥٨)

اور تم میں سے جو (حد) بلوغ کو نہیں پہنچے، تین وقتوں میں (تمہارے پاس آنے کی) تم سے اجازت لے لیا کریں۔ (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب تم دوپہر کو (سونے کے لیے معمول کے مطابق) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد۔ (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں، ان (اوقات) کے سوا نہ تو بے اذن آنے دینے میں) تم پر کچھ گناہ ہے اور نہ (بے اذن چلے آنے میں) ان پر (کچھ گناہ)، (اور) تم میں سے بعض کو (یعنی لونڈی غلاموں کو) بعض (یعنی تمہارے) پاس آنے جانے کی ضرورت لگی ہی رہتی ہے، (تو بار بار اذن مانگنے میں تم کو بڑی تکلیف ہوگی) یوں اللہ (اپنے) احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اور فرمایا:

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً

(النور : ٦١)

تو جب گھروں میں جانے لگو تو اپنے (لوگوں) کو سلام کیا کرو، (سلام ایک) دعائے خیر ہے جو تم مسلمانوں کو) خدا کی طرف سے (تعلیم کی گئی ہے) برکت والی عمدہ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہائے مبارکہ کی نسبت خصوصیت کے ساتھ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ

مسلمانو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تم کو کھانے کے لیے (آنے کی) اجازت دی جائے (تو اس صورت میں) ایسا وقت تاک کر جاؤ) کہ تم کو کھانے کے تیار

Marfat.com

فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ

(الاحزاب : ۵۳)

ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑے مگر جب تم کو بلایا جائے تو (عین وقت پر) جاؤ اور جب کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں نہ لگ جاؤ۔ اس سے پیغمبر کو ایذا ہوتی تھی اور وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے۔ اور اللہ تو حق (بات کے کہنے) میں (کسی کا کچھ) لحاظ کرتا نہیں ہے۔

(۴) چوتھے آداب حجاب (یعنی پردہ کے طریقے) پردے کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو عورت کے لباس، اسباب آرائش اور مرد کی طرف اس کے دیکھنے اور اس کی طرف مرد کے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے وہ جو عورت کے گھر سے نکلنے اور کاروبار میں مرد کے ساتھ شریک ہونے سے متعلق ہے۔ ان دونوں قسموں میں سے پہلی صورت کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ

اور (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ (وہ بھی) اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے (چار و ناچار) کھلا رہتا ہے۔ (تو اس کا ظاہر ہونے دینا مضائقے کی بات نہیں) اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (یعنی میل جول کی) عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلاموں) پر یا (گھر کے لگے ہوئے ایسے) خدمتیوں پر کہ مرد (تو

لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (النور : ۳۱)

ہیں (مگر عورتوں سے کچھ) غرض (و مطلب) نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بڈھے پھوس) یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے (کی بات سے) آگاہ نہیں اور (چلنے میں) اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) ان کے اندرونی زیور کی خبر ہو۔ اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم (آخر کار) فلاح پاؤ۔

اور فرمایا :

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ (الاحزاب : ۵۹)

اے پیغمبر! اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں، اس سے غالباً یہ (الگ) پہچان پڑیں گی (کہ نیک بخت ہیں) اور کوئی چھیڑے گا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور فرمایا :

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (النور : ۶۰)

اور بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید (باقی) نہیں (رہی) مگر اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) اتار رکھیں تو اس میں ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ ان کو اپنا بناؤ دکھانا منظور نہ ہو اور (اگر اس کی بھی) احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ (سب کی) سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

دُوسری صورت کے متعلق ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا :

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ (الاحزاب : ۳۳)

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کا بناؤ سنگار نہ دکھاؤ۔

Marfat.com

اور ان کے بارے میں ارشاد ہوا :

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ
مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ
لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ
لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَا أَنْ
تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهٖ أَبَدًا ۚ
إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمًا ○

(الاحزاب : ۵۳)

اور جب پیغمبر کی بی بیوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے آڑ سے مانگو۔ اس سے تمہارے دل ان کی طرف سے خوب پاک (صاف) رہیں گے اور (اسی طرح) ان کے دل بھی۔ اور تم کو شایاں نہیں کہ رسولِ خدا کو ایذا دو۔ اور نہ یہ (بات شایاں ہے) کہ ان کے بعد کبھی ان کی بی بیوں سے نکاح کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بڑی (بیجا) بات ہے۔

**نظامِ وراثت** اصولِ قرابت کے موافق اہلِ عرب کے یہاں وراثت کا عام رواج تھا اور اس اصول کے مطابق میّت کا وارث اس کا سب سے قریبی قرابت دار یعنی بیٹا ہوتا تھا۔ جو اس کی مدد کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وراثت صرف مردوں یعنی بیٹوں تک محدود تھی کیونکہ یہی لوگ تلوار اٹھاتے تھے اور خاندانی شرف کی حفاظت کرتے تھے۔ لڑکوں کے ہوتے ہوئے ان کے علاوہ اور کسی کو ترکہ سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ لڑکے کا قائم مقام صرف میّت کا باپ ہو سکتا تھا جو اس کے بعد میّت کا سب سے قریبی قرابت دار تھا۔ پھر باپ کے بعد بھائی اور بھائی کے بعد چچا وھلم جرّا۔

اسلام آیا تو اس نے بھی اسی اصول کو قائم رکھا۔ لیکن چونکہ وہ ایک ایسی امّتِ اسلامیہ پیدا کرنا چاہتا تھا جس کے افراد ایک مضبوط رشتے میں مربوط ہو جائیں، اس لیے اس نے اس اصول کی بنیاد اسلام اور ہجرت پر قائم کی۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولٰٓئِكَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرتیں کی اور اللہ کے رستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین) کو جگہ دی اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ہیں ایک کے وارث ایک۔ اور جو لوگ ایمان

Marfat.com

اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ
وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا
وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ
اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ
فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا
اُولٰۗئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ
فَاُولٰۗئِكَ مِنْكُمْ ۭ (الانفال: ٧٢-٧٥)

تو لے آئے اور ہجرت نہیں کی تو تم مسلمانوں کو ان کی
وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کر کے تم
میں (نہ) آئیں۔ ہاں اگر دین (کے بارے) میں تم سے
طالب مدد ہوں تو تم کو ان کی مدد کرنی لازم ہے مگر اس
قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں (صلح) کا عہد
(و پیمان) ہو۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ
رہا ہے۔ اور کافر ایک کے وارث ایک، (ان کو ایک
دوسرے کی میراث لینے دو) اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک
میں شورش پھیل جائے گی اور بڑا فساد ہوگا۔ اور جو لوگ
ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے
میں جہاد بھی کیے اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی
اور (ان کی) مدد کی یہی پکے مسلمان ہیں۔ ان کے لیے
(گناہوں کی) معافی ہے اور عزت (و آبرو) کی روزی۔
اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی
اور تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جہاد بھی کیے تو وہ تمہیں
میں داخل ہیں۔

اور اس قانون کے رو سے مہاجر اور ان لوگوں کے درمیان جو ایمان نہیں لائے یا ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی، وراثت کا تعلق منقطع ہو گیا۔

اس کے بعد یہ وراثت اقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق مقرر کی۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

اور رشتہ دار اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے
(کی میراث) کے زیادہ حق دار ہیں۔ بے شک اللہ

Marfat.com

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٥ (الانفال : ٧٥)

چیز سے واقف ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ٥ (الاحزاب : ٦)

اور رشتہ دار کتاب اللہ کے رُو سے (تمام مسلمانوں اور مہاجروں سے بڑھ کر ایک کے حق دار ایک ہیں۔ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہو (تو وہ بات دوسری ہے) یہی حکم کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اور فرمایا :

وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ٥ (النساء : ٣٣)

مرد اور جو (ترکہ) ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو ہم نے ہر ایک (مرنے والے کی میراث) کے حق دار ٹھہرا دیئے ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ تمہارا عہد و پیمان ہے تو (بطور خود) ان کا حصہ ان کو بھی دے دو ہر چیز خدا کے سامنے ہے۔

اس آیت کی رُو سے میّت کا ترکہ اس کی اولاد کے بعد اس کے سب سے قریبی رشتہ داروں یعنی باپ، ماں، اقرباء اور ان لوگوں کو ملتا تھا جن سے رشتہ داری کا عقد و پیمان کیا گیا تھا۔ اور اس عقد و پیمان کی صورت یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص کسی دوسرے آدمی سے رشتہ داری کا معاہدہ اس شرط پر کرتا تھا کہ دونوں باہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا اور اصطلاح میں اسی کو ولاء الموالات کہتے ہیں۔

اس کے بعد جاہلیت کا وہ اصول توڑ دیا جس کے رُو سے ترکے صرف مرد کو ملتے تھے چنانچہ فرمایا:

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ کَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ٥ (النساء : ٧)

ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں تھوڑا ہو یا بہت، مردوں کا حصہ ہے۔ اور (ایسا ہی) ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصہ (ہمارا) ٹھہرایا ہوا (ہے)۔

Marfat.com

اور یہ تمام عام اصول ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ہر وارث کے حصہ کی تفصیل نہیں کی ہے جس کی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، یہ ہے کہ احکام فقہی میں قرآن مجید نے تدریج و آہستگی کو ملحوظ رکھا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے پہلے صاحبِ مال کو یہ حکم دیا کہ اپنے مال میں سے جو کچھ وہ اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کو دینا چاہتا ہے، خود بیان کر دے۔ اسی بنا پر آیتِ وصیت، جس کو ہم پہلے لکھ آئے ہیں، نازل کی۔ اس کے بعد خود اس حصے کی تفصیل کی جو اولاد اور ان کے علاوہ دوسرے وُرثہ میں ہر ایک کو ملنا چاہیئے۔ اور جس صورت میں میّت کے ساتھ تمام وُرثہ کی رشتہ داریاں یکساں حیثیت کی ہوں اس حالت میں اناث پر ذکور کی تفضیلت کے اصول کو ملحوظ رکھا۔ البتہ اخیافی بھائیوں بہنوں کے متعلق اگرچہ کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے تاہم ظاہر قرآن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سب کے سب وراثت میں برابر کے حق دار ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اولاد کی وراثت کے متعلق فرمایا:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِىٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ (النساء: ۱۱)

(مسلمانو!) تمہاری اولاد کے حصوں کے بارے میں اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر (دیا کرو) پھر اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ترکے میں ان کا (حصہ) دو تہائی، اور اگر اکیلی ہو تو اس کا آدھا۔

اور ماں باپ کی وراثت کے متعلق فرمایا:

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٌ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ۔ (النساء: ۱۱)

اور میّت کے ماں باپ کو (یعنی) دونوں میں ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اس صورت میں کہ میت کی اولاد ہو اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کا حصہ ایک تہائی (باقی باپ کا)۔ پھر اگر (ماں باپ کے علاوہ) میّت کے (ایک سے زیادہ) بھائی یا بہنیں ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ۔

اور میاں بی بی کی وراثت کے متعلق فرمایا:

Marfat.com

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ، ..... وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ، (النساء : ۱۲)

اور جو (ترکہ) تمہاری بی بیاں چھوڑ مریں، اگر ان کے اولاد نہیں تو ان کے ترکے میں تمہارا آدھا اور اگر ان کے اولاد ہے تو ان کے ترکہ میں تمہارا چوتھائی۔

اور تم کچھ (ترکہ) چھوڑ مرو اور تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، بیبیوں کا (حصہ) چوتھائی اور اگر تمہارے اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے بیبیوں کا آٹھواں (حصہ)۔

اور ماں کی اولاد کی وراثت کے متعلق فرمایا:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ، (النساء : ۱۲)

اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اس کے باپ بیٹا (یعنی اصل و فرع) نہ ہو اور (دوسری ماں سے) اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا (حصہ) اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں (برابر کے) سب شریک ہیں۔

اور عصباتی بھائی بہنوں کے متعلق فرمایا:

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۗ (النساء : ۱۷۶)

(اے پیغمبر) لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں تو (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ اللہ کلالہ کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ باپ دادا کہ اسی کو کلالہ کہتے ہیں) اور اس کے (صرف ایک) بہن ہو تو بہن کو اس کے ترکہ کا آدھا اور بہن (مر جائے اور اس) کے اولاد نہ ہو تو اس کے (سارے مال) کا یہ وارث (بھائی)، پھر اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کو

Marfat.com

اس کے ترکہ میں سے دو تہائی اور اگر بھائی بہن (ملے جلے) ہوں (کچھ) مرد اور کچھ عورتیں تو دو عورتوں کے حصّہ کے برابر ایک مرد کا حصّہ۔

لیکن ان وراثتوں کو وصیت اور قرض کے ادا کرنے کے بعد تقسیم کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولیٰ رجل ذکر۔ — ذوی الفرض کا حق پہلے ان کو دو، اس کے بعد جو بچ رہے وہ قریبی مرد رشتہ دار کو دو۔

اس حدیث سے ان لوگوں کا حق وراثت بھی معلوم ہوتا ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے نہیں کیا یعنی چچا اور بھتیجے۔

**معاملات** معاملات سے مراد وہ تمام معاہدے ہیں جن کے ذریعہ سے لوگ باہم لین دین کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے اجمالی اور کلّی طور پر ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی تفصیل امّتِ محمدیہ کے لیے چھوڑ دی ہے۔ چنانچہ ان قواعد کلّیہ کی تفصیل یہ ہے :

(۱) خداوند تعالیٰ نے وفائے عہد کا عام حکم دیا :

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ:۱) — مسلمانو! قول و قرار کو پورا کرو۔

اور یہ ایک ایسا عام لفظ ہے جو ان تمام ضروری اور لازمی باتوں میں شامل ہے جن کو ایک آدمی دوسرے آدمی کے لیے اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے۔

(۲) ناجائز طور پر لوگوں کے مال کو خورد برد کرنے اور اس کو حکام تک رسائی پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے سے منع کیا :

وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِھَا اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ — اور آپس میں ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال کو خورد برد نہ کرو، نہ مال کو حاکموں کے پاس رسائی کا ذریعہ گرداننو تاکہ لوگوں کے مال میں سے (تھوڑا بہت جو) کچھ

Marfat.com

تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۸۸)

ہاتھ لگے اس کو، جان بوجھ کر ناجائز طور پر ہضم کر جاؤ۔

اور تجارتی منافع کو جائز قرار دیا :

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء : ۲۹)

مسلمانو! ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال کو خورد برد نہ کیا کرو۔ ہاں آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو (اور اس میں کچھ ہاتھ لگ جائے تو وہ ناروا نہیں)

چونکہ اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ انسان کو دوسرے شخص کے ہر قسم کے مال سے، گو وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، کسی قسم کا فائدہ اٹھانا نہیں چاہیے، اس لیے خداوند تعالیٰ نے فرمایا :

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ

(النور : ۶۱)

نہ تو اندھے (آدمی) کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ (عموماً) مسلمانوں کے لیے (اس میں کچھ مضائقہ ہے) کہ اپنے گھروں سے (کھانا) کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھائیں یا الگ الگ۔

(۳) قرآن مجید نے بیع کا، جو باہمی مبادلات میں نہایت اہمیت رکھتی ہے، خاص حیثیت سے ذکر کیا ہے اور اس کی حلّت اور سُود کی حرمت بیان کی ہے۔ چنانچہ فرمایا :

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ

جو لوگ سود کھاتے ہیں (قبروں سے) کھڑے نہیں

Marfat.com

اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ (البقرہ : ۲۷۵)

ہو سکیں گے مگر جیسا کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو شیطان نے آسیب سے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ جیسا معاملہ بیع کا ہے ویسا ہی معاملہ سود کا ہے، حالانکہ بیع کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

اس کے بعد فرمایا :

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ (البقرہ : ۲۷۶)

اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور جتنے ناشکر ہیں اور کہنا نہیں مانتے، خدا ان کو دوست نہیں رکھتا۔

پھر فرمایا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(البقرہ : ۲۷۸ - ۲۸۰)

مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود (لوگوں کے ذمے) باقی ہے اس کو چھوڑ دو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے ہوشیار رہو۔ اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تم کو (لینی پونجی) مل جائے گی، نہ تم (کسی کا) نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے۔ اور اگر (کوئی) تنگدست تمہارا (مقروض) ہو تو فراخی تک کی مہلت (دو) اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کو (اصل قرضہ بھی) بخش دو۔

اور فرمایا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۔ (آل عمران : ۱۳۰)

مسلمانو! سود (در سود) نہ کھاؤ (کہ اصل میں مل مل کر) دو گنا چوگنا (ہوتا چلا جائے)

قرآن مجید نے بیع اور ربٰو کی حقیقت نہیں بیان کی ہے اور اس معاملہ میں مخاطبین کے رسم و

رواج پر اکتفا کیا ہے کیونکہ وہ لوگ خرید و فروخت کرتے تھے، اور ایک مدت مقررہ کے لیے قرض دیتے تھے۔ چنانچہ جب ادائے قرض کا زمانہ آتا تھا تو قرضخواہ مقروض سے قرض یا سود کا مطالبہ کرتا تھا۔ اب اگر وہ قرض ادا نہیں کر سکتا تھا تو اس پر قرض کو دوگنا کر دیتا تھا۔ مثلاً اگر ایک سال کی اونٹنی ہوتی تھی تو اس کو دو سال کی اور ایک پیالہ کھانا ہوتا تھا تو اس کو دو پیالہ کر دیتا تھا۔

قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے کہ سود اس فیاضانہ اصول کے منافی ہے جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد قائم کی گئی ہے:

| | |
|---|---|
| وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ۝ (الروم: ۳۹) | اور (یہ) جو تم لوگ سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو تو وہ (سود) خدا کے یہاں نہیں بڑھتا۔ اور (وہ) جو تم محض خدا کی رضاجوئی کے ارادے سے زکوٰۃ دیتے ہو تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو وہی (اپنے دینے کو خدا کے ہاں) بڑھا رہے ہیں۔ |

اور عرب کے معمول وعادت اور بعض احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ ادائے قرض کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لیے قرض کی جو مدت مقرر کی جاتی ہے، سود اسی کا معاوضہ ہے۔

قرآن مجید نے جو اہم اصول پیش کیے ہیں ان میں قرض مؤجل کی تحریر کا نظام بھی داخل ہے۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں سب سے بڑی آیت سورۂ بقرہ میں آئی ہے، اور نزول کے رُو سے قرآن مجید کی سب سے آخری آیت یہی ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ | مسلمانو! جب تم ایک میعاد مقرر تک ادھار کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور (اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو) تمہارے درمیان میں (تمہارے باہمی قرارداد کو) کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے اور (جس سے لکھواؤ تو اس) لکھنے والے کو چاہیے کہ لکھنے سے |

Marfat.com

الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ
مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ
الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ
وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ
فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ
الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْـَٔــمُوْٓا
اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى
اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا
اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا
شَهِيْدٌ ۭ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ
بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ
عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا

انکار نہ کرے۔ جس طرح خدا نے اس کو (لکھنا پڑھنا) سکھایا ہے، اسی طرح اس کو بھی چاہیئے کہ (بے عذر) لکھ دے اور جس کے ذمے قرض عائد ہو گا (وہی دستاویز کا) مطلب بولتا جائے۔ اور اللہ سے کہ وہی اس کا پروردگار ہے ڈرے اور (بتاتے وقت) قرض دہندہ کے حق میں سے کسی طرح کی کمی نہ کرے۔ پھر جس کے ذمے قرض عائد ہو گا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور ہو یا خود اداۓ مطلب نہ کر سکتا ہو تو جو اس کا ولی (ہو وہ) انصاف کے ساتھ (دستاویز کا مطلب بولتا جائے) اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے گی تو ایک دوسرے کو یاد دلا دے گی اور جب گواہ (اداۓ شہادت کے لیے) بلائے جائیں تو جائیں (حاضر ہونے سے) انکار نہ کریں اور معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی دستاویز کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ (کارروائی) ہے اور گواہی کے لیے بھی یہی طریقہ بہت ٹھیک ہے، اور زیادہ تر اس کے قریب ہے کہ تم (آئندہ کسی طرح کا) شک (و شبہہ) نہ کرو۔ مگر سودا دم نقد ہو جس کو تم (ہاتھوں ہاتھ) آپس میں لیا دیا کرتے ہو تو اس کی دستاویز کے نہ لکھنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور ہاں جب اس طرح کی خرید و فروخت

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

(البقرہ : ۲۸۲ - ۲۸۳)

کرو تو (احتیاطاً) گواہ کرلیا کرو اور کاتب (دستاویز) کو (کسی طرح کا) نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو، اور ایسا کرو گے تو یہ تمہاری نافرمانی ہے اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تم کو تعلیم دیتا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے (اور قرض لینا ہو) تو رہن یا قبضہ (رکھ لو) پس اگر تم میں سے ایک کا ایک اعتبار کرے (اور بے رہن رکھے قرض دے دے) تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے (یعنی قرض لینے والا) اس کو چاہیئے کہ قرض دینے والے کی امانت (یعنی قرض) کو ادا کردے، اور خدا سے، جو اس کا پروردگار ہے، ڈرے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائے گا تو وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ (بھی) تم لوگ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیصلوں میں بہت سے معاملات احادیث میں مذکور ہیں۔ اور وہ سب کے سب یا تو قرآن مجید کے عام احکام کے مطابق ہیں یا اس کے مجمل احکام کی تفصیل ہیں یا اس کے مطلق کو مقیّد کیا گیا ہے۔ چنانچہ جہاں استنباطِ احکام کے متعلق ہم مسلمانوں کے اجتہاد کا ذکر کریں گے، ان کا ایک حصہ نقل کریں گے۔

**تعزیرات** قرآن مجید نے مجرموں کو جن سزاؤں کی دھمکی دی ہے ان میں اکثر اخروی سزائیں ہیں اور جو جرائم اس نے بیان کیئے ہیں، ان ہی کے ساتھ اکثر ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ البتہ دنیوی سزاؤں میں صرف پانچ سزائیں خدا نے اپنی کتاب میں مقرر کی ہیں۔

(۱) قصاص

عادت و تقلید نے عرب میں قصاص کا یہ نظام قائم کر دیا تھا کہ پورا قبیلہ کا قبیلہ اپنے ایک فرد کے جرم کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ البتہ جب عام مجالس میں کوئی قبیلہ کسی شخص کی آوارگی یا اوباشی کا اعلان کر دیتا تھا تو وہ اس کے جرائم کی ذمہ داریوں سے بری ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مقتول کا ولی صرف قاتل سے بہت کم قصاص لیتا تھا بالخصوص جب مقتول شریف یا اپنی قوم کا سردار ہوتا تھا، اس وقت قصاص کا مطالبہ اس قدر وسعت اختیار کر لیتا تھا کہ دو قبیلوں میں جنگ چھڑ جاتی تھی۔ اور چونکہ اکثر قاتل کا قبیلہ اس کی حمایت کرتا تھا اس لیے اس سے ایسے فسادات و محاربات قائم ہو جاتے تھے جن کا سلسلہ بہت طویل زمانے تک قائم رہتا۔

اس بناء پر قرآن مجید نے قصاص کی ذمہ داری کی تحدید کر دی اور اس کو صرف قاتل تک محدود رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى۔ (البقرہ: ۱۷۸)

مسلمانو! جو لوگ (تم میں) مارے جائیں ان کے بارے میں تم کو (جان) کے بدلے (جان) کا حکم دیا جاتا ہے، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف قاتل سے اس کے جرم کا مواخذہ کرنا چاہیئے اس کے بعد نہایت مختصر اور دقیق الفاظ میں اس زندگی میں نظامِ قصاص کی ضرورت بتائی اور فرمایا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرہ: ۱۷۹)

اور عقلمندو!! قصاص (کے قاعدے) میں تمہاری زندگی ہے (اور اس غرض سے جاری کیا گیا ہے) تاکہ تم (خونریزی سے) باز رہو۔

اور اجمالی طور پر یہی مفہوم مکی سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت کا بھی ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۳)

اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے والی (وارث کو قاتل سے قصاص لینے کا) اختیار دیا ہے۔ تو اس کو چاہیئے کہ خون (کا بدلہ لینے) میں زیادتی نہ کرے (واجبی بدلہ لینے میں بھی) اس کی جیت ہے۔

اہل عرب کے یہاں نظامِ دیت پر عام طور پر عمل درآمد جاری تھا۔ قرآن مجید نے بھی اس کو قائم

Marfat.com

رکھا اور اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا :

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○

(النساء : ۹۲)

اور جو مسلمان غلطی سے بھی مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور وارثانِ مقتول کو خون بہا دے (سوا اگر) مگر یہ کہ وارثانِ مقتول خون بہا معاف کر دیں۔ پھر اگر مقتول ان لوگوں میں کا ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ خود مسلمان ہو تو بس ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور اگر مقتول ان لوگوں میں کا ہو جن میں اور تم میں (صلح) کا عہد (و پیمان) ہے تو (قاتل کو چاہیئے کہ) وارثانِ مقتول کو خون بہا پہنچائے اور (اس کے علاوہ) ایک مسلمان غلام (بھی) آزاد کرے اور جس کو (مسلمان غلام آزاد کرنے کا) مقدور نہ ہو تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے کہ توبہ کا یہ طریقہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے اور اللہ (سب کے حال سے) واقف ہے (اور) اس کا انتظام (بڑا) پکا انتظام ہے۔

اور احادیث نے نظامِ دیت کی وضاحت کر دی ہے۔ اور بعض دیتوں کا ذمہ دار عاقلہ (یعنی اہلِ قبیلہ یا اہلِ خاندان یا اہلِ محلہ کو بھی ٹھہرایا ہے۔ اور یہ اہلِ عرب کا وہی وسیع مواخذہ ہے جو اس صورت میں قائم رہ گیا ہے :

اور اعضاء کے قصاص میں قرآن مجید نے توراۃ کا یہ نظام بتایا ہے :

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ

اور ہم نے (توراۃ میں یہود کو) تحریری حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ (ویسے ہی) زخم، پھر جو (مظلوم) بدلہ معاف کر دے تو

Marfat.com

لَہٗ ؕ (المائدہ: ۴۵) وہ اس (کے گناہوں کا) کفارہ ہوگا۔

(۲) حدِّ زانی

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں بالتفصیل زانی کی سزا سو درّے مقرر کی ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں فرماتا ہے:

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (النور: ۲)

عورت اور مرد زنا کریں تو ان میں سے ہر ایک کو سو درّے مارو اور اگر اللہ اور روزِ آخرت کا یقین رکھتے ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں تم کو ان (کے حال) پر (کسی طرح کا) ترس دامن گیر نہ ہو اور نیز ان کے سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت (عبرت کے لیے) موجود رہے۔

لیکن زانیہ لونڈی کی سزا اس کی آدھی مقرر کی۔ چنانچہ سورۂ نساء میں فرمایا:

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیْھِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ (النساء: ۲۵)

پھر اگر قید (نکاح) میں آئے پیچھے کوئی بے حیائی کا کام کریں تو جو سزا بی بی کی اس کی آدھی لونڈی کی۔

لیکن حدیث میں ایک نکاح شدہ زانی کی سزا رجم (یعنی سنگسار) کرنا ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ ابو اسحٰق شیبانی نے عبداللہ بن اوفیٰ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا "ہاں"۔ انہوں نے پوچھا کہ "سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد یا اس سے پہلے، تو بولے "میں نہیں جانتا"

(۳) حدِّ قاذف۔

جو شخص کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی سزا اسّی درّے مقرر کی۔ چنانچہ سورۂ نور میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کو اسّی درّے مارو اور (آئندہ) کبھی ان کی گواہی مت قبول کرو اور یہ لوگ خود بدکار ہیں۔ مگر جنہوں نے ایسا کیے پیچھے توبہ کی اور اپنی عادت درست

Marfat.com

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور : ۴-۵)

کرلی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر خود شوہر اپنی بی بی پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کے لیے ایک خاص نظام مقرر فرمایا۔ چنانچہ اسی سورہ میں فرمایا :

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور : ۶-۷)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور بجز اپنے ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے مدعیوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ وہ چار بار خدا کی قسم کھا کر بیان کرے کہ بلاشک وشبہہ (اپنے دعوے میں) سچا ہے اور پانچویں (دفعہ یوں کہے) کہ اگر وہ جھوٹ بولتا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔

اور چونکہ شوہر کی یہ چار قسمیں چار گواہوں کی قائم مقام ہیں اس لیے قرآن مجید نے عورت کی برات کا بھی ایک خاص طریقہ مقرر کیا :

اور اس کے بعد فرمایا :

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور : ۸-۹)

اور (مرد کے قسم کھائے پیچھے) عورت (کے سر) سے اس طرح پر سزا ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار خدا کی قسم کھا کر بیان کردے کہ یہ شخص سرتا سر جھوٹا ہے اور پانچویں (بار) یوں (کہے) کہ اگر یہ (شخص) اپنے دعوے میں سچا ہو تو مجھ پر خدا ہی کا غضب پڑے۔

ان دونوں آیتوں پر تھوڑے سے غور وفکر کرنے کے بعد یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کا موضوع یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے زنا کا الزام ثابت کیا جائے اور بی بی اس سے اپنی برأت کرے۔ اس کو نکاح اور اولاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) حدِ سارق۔

خداوند تعالیٰ نے چور کی سزا یہ مقرر کی کہ اس کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں فرمایا :

Marfat.com

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(المائدہ : ۳۸ - ۳۹)

اور (مسلمانو) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو ان کے دونوں (داہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ سزا ان کے کرتوت کے بدلے میں عبرت کے لیے خدا کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ تو جو اپنے قصور کے پیچھے توبہ کرلے اور (اپنی عادت) سنوارے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ بے شک اللہ (بندوں کے) گناہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۵) حدِ قطع الطریق۔

خداوند تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں ڈاکوؤں کی یہ سزا مقرر کی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (المائدہ : ۳۳-۳۴)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ (ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیے جائیں) یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں (الٹے سیدھے) کاٹ دیے جائیں یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہوئی اور (اس کے علاوہ) آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے۔ مگر مسلمانو! جو لوگ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کرلیں (تو ان کے حال سے تعرض نہ کرو اور) جانے رہو کہ اللہ (لوگوں کے قصور) معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ان سزاؤں کے علاوہ قرآن مجید میں اور کوئی سزا مذکور نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں ایک چھٹی سزا بھی بیان کی گئی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوش کو بھی سزا دی ہے۔

قرآن مجید نے سزاؤں کا دار و مدار جن اصولوں پر رکھا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) قوم کی بھلائی، چنانچہ قصاص کے متعلق فرمایا:

وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى

عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم لوگ

الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۷۹) (خونریزی سے) باز رہو۔

(۲) مجرم کی تنبیہ تاکہ وہ دوبارہ جرم نہ کر سکے۔ چنانچہ چور اور چورنی کی سزا کے متعلق فرمایا:

جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۔ (المائدہ: ۳۸) یہ سزا ان کے اعمال کے بدلے میں عبرت و سرزنش کے لیے خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔

اور ڈاکوؤں کی سزا کے متعلق ارشاد ہوا:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۔ (المائدہ: ۳۳) یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔

(۳) جسمانی سزائیں، جن کا اثر نہایت سخت ہوتا ہے۔

اور حدیث میں ان سزاؤں کے عمل میں لانے کے لیے احتیاط کا حکم دیا گیا ہے تاکہ جو حاکم خود ان سزاؤں میں سختی کرنا چاہے اس کو تنبیہ ہو جائے اور وہ احتیاط کے ساتھ اثباتِ جرم میں رعایت کرے۔ چنانچہ ترمذی میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ رض کی روایت سے یہ حدیث مذکور ہے:

ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطى فى العفو خير من ان يخطى فى العقوبة،

مسلمانوں کو سزاؤں سے جہاں تک تم سے ہو سکے بچاؤ۔ اور اگر کوئی گنجائش ہو تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ رہائی میں امام کا غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا میں غلطی کرے۔

یہ وہ احکام ہیں جو خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل فرمائے تھے اور آپ کو حکم دیا تھا کہ لوگوں تک ان کو پہنچا دیں اور اُن کے لیے ان کی توضیح و تشریح کر دیں۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق آپ نے ان کی تبلیغ کر دی اور لوگوں کے لیے جو احکام نازل ہوتے تھے، عملی اور قولی حدیثوں سے ان کی تشریح فرما دی۔

Marfat.com

# دوسرا دور

## فقہ بہ عہدِ کبار صحابہؓ ۱۱ھ سے ۴۰ھ تک

اجمالی طور پر سیاسی صورتِ حال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے جانشین ہوئے۔ سوء اتفاق سے ان کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اکثر اہلِ عرب مرتد ہو گئے۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کے عزمِ صادق اور مہاجرین اور انصار کی قوتِ ایمانیہ نے اس حالت میں نہایت کامیاب طریقہ پر ستونِ اسلام کو قائم رکھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے متعدد فوجیں روانہ کیں اور ان کے ذریعہ سے اہلِ عرب کی کج رفتاری کو سیدھے راستہ پہ لگایا اور دوبارہ اتحادِ عربی کو قائم کیا۔ اس مہم کے سر ہونے کے بعد انہوں نے ایرانی اور رومی سلطنتوں میں اشاعتِ اسلام کے لیے عراق و شام میں فوجیں بھیجیں۔ لیکن ابھی تک اس مہم کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ انہوں نے وفات پائی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا اور اس کے ذریعہ سے یہ فتح مکمل ہو گئی اور مشرقی جانب سے مسلمان اکثر ایرانی شہروں پر غلبہ حاصل کرتے ہوئے نہرِ جیحون (آمو دریا) تک پہنچ گئے۔ شمالی جانب سے انہوں نے شام اور بلادِ آرمینیا پر قبضہ کر لیا اور مغربی جانب سے مصر پر مسلّط ہو گئے۔ انہی کے زمانے میں اسلام کے بڑے بڑے شہر مثلاً فسطاط، کوفہ اور بصرہ آباد ہوئے اور وہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت، جن میں بہت سے صحابہؓ تھے، آباد ہوئی اور عرب کے علاوہ اور بہت سی دوسری قومیں حلقۂ اسلام میں داخل ہوئیں۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی اسلامی فتوحات نے مشرق و مغرب میں نہایت وسعت حاصل کی۔ لیکن ابھی تک یہ عمارت مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو ایک سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا یعنی ان کے دشمنوں کے اتفاقِ رائے سے ان کے خلاف ایک شورش برپا ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر و شام اور عراق سے چند جماعتیں مدینہ میں آئیں اور ان کو شہید کر دیا، جس سے مسلمانوں میں اختلاف کی

Marfat.com

بنیاد پڑی، اور ان کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ حضرت عثمانؓ سے بُغض رکھتا تھا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر اسی نے بیعت کی تھی۔ دوسرا فرقہ ان کے قاتلوں کا دشمن تھا اور اسی نے حضرت امیر معاویہؓ کی اطاعت کی تھی۔ پہلا فرقہ عراق کے دارالسلطنت کوفہ میں اور دوسرا فرقہ شام کے پایۂ تخت دمشق میں رہتا تھا۔ ان دونوں فرقوں کے بُغض و عداوت اور لعن طعن کا یہ نتیجہ ہوا کہ صفین کے ریگستان میں دونوں میں باہم عظیم الشان معرکہ ہوا اور عالمِ اسلامی کے چیدہ مسلمان فریقین کی جانب سے اس معرکہ میں باہم نبرد آزما ہوئے۔ لیکن کسی فریق کے لیے اس معرکہ کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا کیونکہ اہلِ شام نے کتاب اللہ کو حَکَم بنایا اور اکثر اہلِ عراق نے بھی اس کو قبول کیا۔ لیکن یہ تحکیم ایک فریق یعنی حامیانِ معاویہؓ کی طاقت اور دوسرے فریق یعنی حامیانِ علیؓ کے ضعف کا ذریعہ بن گئی۔ کیونکہ ان کی فوج میں ایسے اشخاص پیدا ہو گئے جنہوں نے تحکیم پر اعتراض کیا اور جن لوگوں نے اس کو قبول کیا تھا ان پر لعن و طعن کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؓ اپنے فریق کو جس نے تحکیم کے ذریعہ سے اپنی قوت میں اضافہ کر لیا تھا، چھوڑ کر خود اپنی فوج کی مخالفت میں مصروف ہو گئے اور آخر کار انہی خوارج میں سے ایک خارجی نے ان کو ناگہانی طور پر شہید کر دیا اور ان کی شہادت سے مسلمانوں کی عام جماعت نے امیر معاویہؓ کی خلافت پر اتفاقِ عام کر لیا۔ الغرض یہ دَور ختم ہوا تو مسلمان سیاسی حیثیت سے تین فرقوں میں منقسم ہو گئے:

(۱) جمہور مسلمان، جو امیر معاویہؓ اور ان کی خلافت کو پسند کرتے تھے۔

(۲) شیعہ، جو حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کی محبت پر قائم تھے۔

(۳) خوارج، جو حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ تینوں سے بُغض رکھتے تھے۔

اور ان تینوں فرقوں نے جیسا کہ آئندہ دَور سے معلوم ہوگا، فقہ اسلامی پر خاص اثر ڈالا ہے۔

**قرآن و حدیث دوسرے دَور میں**

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ قرآن مجید نجماً نجماً یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہوا چنانچہ جب قرآن مجید کا کوئی ٹکڑا نازل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں تک اس کو پہنچا دیتے تھے اور اپنے کاتبانِ وحی کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے۔ عام لوگوں میں بعض لوگ تو صرف اس کے حفظ پر اکتفا کرتے تھے لیکن بعض لوگ اس کو لکھ لیتے تھے۔ آیات و سُوَر کی جو ترتیب ہوتی

Marfat.com

تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خود اُن کو بتا دیتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے زمانے تک قرآن مجید ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا تھا بلکہ حفّاظِ قرآن کے سینوں، کاتبانِ وحی اور دوسرے کاتبوں کے صحیفوں میں محفوظ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں بہت سے لوگ حافظِ قرآن تھے جن میں بعض لوگوں کو پورا قرآن یاد تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ان کو ایک مصحف میں پورے قرآن کے جمع کرنے کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا، کیونکہ یمامہ کی جنگ میں بہت سے حفّاظِ قرآن نے شہادت پائی جس سے حضرت ابوبکرؓ کو قرآن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اہلِ یمامہ کی شہادت کے بعد مجھ کو حضرت ابوبکرؓ نے بلوایا، میں پہنچا تو حضرت عمرؓ بن الخطاب بھی ان کے پاس موجود تھے۔ مجھ سے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ نے مجھ سے آ کر بیان کیا کہ "جنگِ یمامہ میں بکثرت حفّاظِ قرآن شہید ہوئے، اگر اسی طرح اور لڑائیوں میں بھی حفّاظ نے شہادت پائی تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا بہت سا حصّہ ضائع ہو جائے گا، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا ہم وہ کام کریں جس کو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہیں کیا؟ بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔ غرض وہ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے یہاں تک کہ خدا نے اس کے لیے میرے دل کو کھول دیا اور مَیں نے بھی وہی رائے قائم کر لی جو حضرت عمرؓ کی تھی۔ زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "تم جوان عاقل آدمی ہو۔ ہم تم میں کوئی قابلِ الزام عیب نہیں پاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے، اس لیے قرآن مجید کو ڈھونڈ و اور جمع کرو، تو خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکانے کی تکلیف دیتے تو وہ مجھ کو ان کے ارشاد یعنی جمع قرآن سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔ میں نے کہا، آپ لوگ وہ کام کیونکر کرتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہیں کیا۔ بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔ الغرض حضرت ابوبکرؓ بھی مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرے دل کو بھی اس چیز کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دلوں کو کھول دیا تھا۔ میں نے قرآن کو تلاش کر کے کھجور کے شاخوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے جمع کرنا شروع کیا یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصّہ مجھ کو ابوخزیمہ انصاریؓ سے ملا

ان کے علاوہ میں نے ان کو کسی دوسرے کے یہاں نہیں پایا۔ لقد جاءکم رسول آخر سورۂ براءۃ تک۔ تو یہ صحیفے تا دمِ وفات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کی زندگی میں ان کے پاس، پھر حضرت حفصہؓ کے پاس رہے۔

بروایت سیوطی حارث محاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کا لکھنا بدعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے۔ البتہ وہ مختلف ٹکڑوں ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں پر متفرق طریقے سے لکھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صرف یہ کیا کہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ مجموعی صورت میں نقل کرنے کا حکم دیا، گویا اس کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ مبارک میں چند اوراق جن میں قرآن متفرق طور پر لکھا ہوا تھا، پائے گئے اور حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ نے ان کی شیرازہ بندی کردی تاکہ ان میں سے کوئی ورق ضائع نہ ہونے پائے۔

حضرت زید بن ثابتؓ اگرچہ خود حافظِ قرآن اور کاتبِ وحی تھے تاہم انہوں نے صرف اپنی یاد، اور اپنے لکھے ہوئے اجزاء پر قناعت نہیں کی بلکہ انہوں نے اور حفاظ کی یاد، دوسرے کاتبوں کے صحیفے اور ان اجزاء سے بھی مدد لی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں لکھے ہوئے محفوظ تھے اور مہاجرینؓ و انصارؓ کے اتفاق سے اس مجموعہ کو مکمل کیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اس طرزِ عمل کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ نے اپنی اس ضمانت کو پورا فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ہ (الحجر: ۹) — ہمیں نے ذکر کو اتارا اور ہمیں اس کے نگہبان ہیں۔

یہ تمام صحیفے جیسا کہ اوپر گذرا، بہ ترتیب یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بڑے بڑے اسلامی شہروں میں اس مصحف کی اشاعت کی ضرورت محسوس کی اور ان کو جس چیز نے اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا وہ یہ تھی کہ ان شہروں میں حفاظِ قرآن پھیل کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے لگے تھے، لیکن ان کی زبان کے اختلاف کے لحاظ سے ان کے درمیان

Marfat.com

قرآن مجید کے بعض حروف میں کسی قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض قاری اپنی قراءت کو دوسرے قاری کی قرأت پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس کو ایک سخت اور قابلِ تدارک خطرے کا ذریعہ خیال کیا۔ امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عثمانؓ اہلِ شام کی فوج کو اس غرض سے بھیج رہے تھے کہ اہلِ عراق کے ساتھ شریکِ جنگ ہو کر آرمینیا اور آذربائجان کی فتح میں حصہ لے، حضرت حذیفہ بن نعمانؓ ان کی خدمت میں آئے اور ان لوگوں نے قرآن کی قرأت میں جو کچھ اختلاف کیا تھا، اس کے متعلق اپنی پریشانی ظاہر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ قبل اس کے کہ امّتِ محمدیہ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کرے، آپ اس کا تدارک فرمائیے۔ چنانچہ ان کے کہنے کے بموجب حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو غیر مرتب صحیفے لکھوائے تھے وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم ان کو مصاحف میں نقل کروا کے آپ کو واپس کر دیں۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے ان کی خدمت میں بھیج دیئے اور انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمانؓ بن حارث بن ہشام کو اس کے نقل کرنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے ان کو مصاحف میں نقل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے تینوں قریشی اشخاص یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن حارثؓ سے فرمایا کہ جب تم میں اور زید بن ثابتؓ کے درمیان قرآن مجید کی کسی چیز میں کوئی اختلاف پیش آئے، تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ وہ قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ ان لوگوں نے اس پر عمل کیا، یہاں تک کہ جب ان غیر مرتّب صحیفوں کو مصاحف میں نقل کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو حضرت حفصہؓ کی خدمت میں واپس کر دیا اور ان نقل شدہ مصاحف میں سے ہر صُوبے میں ایک ایک مصحف بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس مصحف کے علاوہ قرآن مجید جس صحیفہ اور جس مصحف میں لکھا ہوا ہو، وہ جلا دیا جائے۔ یہ کام ۲۵ھ میں انجام پایا، اور جو مصاحف اس مصحف سے لکھے گئے وہ کوفہ، بصرہ، دمشق، مکّہ اور مدینہ روانہ کیے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے خود اپنے لیے ایک مصحف رکھ چھوڑا، جس کا نام "مصحف امام" تھا۔ یہ تمام مصاحف ان شہروں کی جامع مسجدوں میں رکھے گئے جن کو دیکھ کر قرّاء پڑھتے تھے اور حفّاظ ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ غرض حضرت عثمانؓ کے اس طرزِ عمل سے قرآن مجید کا

Marfat.com

حرف حرف اختلاف کے خطرے سے محفوظ ہوگیا۔

لیکن قولی حدیثوں کے جمع و ترتیب کی طرف اس قدر توجہ نہ تھی، بلکہ اس کے برخلاف تقلیلِ روایت کی کوشش کی جاتی تھی۔ چنانچہ ان سلبی کوششوں کے متعلق چند تصریحات حسبِ ذیل ہیں :۔

(۱) حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں مراسیل ابن ابی ملیکہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے اور تمہارے بعد جو لوگ ہوں گے اُن میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہ روایت کرو۔ جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے۔ اس کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام کیے ہوئے کو حرام سمجھو۔

(۲) حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ شعبہ وغیرہ نے بیان سے اور بیان نے شعبی سے اور شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ہم کو عراق کی طرف روانہ فرمایا تو ہمارے ساتھ خود بھی چلے اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہاری مشایعت کرتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں، ہماری عزت افزائی کے لیے۔ بولے اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ تم ایسی آبادی کے لوگوں کے پاس جاتے ہو جو شہد کی مکھیوں کی طرح گنگنا گنگنا کر قرآن مجید پڑھتے ہیں تو احادیث کی روایت کر کے ان کی تلاوتِ قرآن میں رکاوٹ نہ پیدا کرنا۔ صرف قرآن مجید پر بس کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو۔ اور اس میں میں بھی تمہارا شریک ہوں۔ چنانچہ جب قرظہ آئے تو لوگوں نے روایتِ حدیث کی خواہش کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت کی ہے۔

(۳) دراوردی نے محمد بن عمرو سے اور محمد بن عمرو نے ابی سلمہ سے اور ابی سلمہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے ان سے کہا کہ تم حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح روایت کرتے تھے؟ بولے جس طرح میں تم سے روایت کرتا ہوں اگر اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی کرتا تو وہ مجھے اپنے کوڑے سے مارتے۔

(۴) معن بن عیسٰی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو مالک نے عبداللہ بن ادریس کے ذریعہ سے اور عبداللہ بن ادریس نے شعبہ کے ذریعہ سے اور شعبہ نے سعید بن ابراہیم کے ذریعہ سے اور سعید بن ابراہیم نے اپنے باپ کے ذریعہ سے خبر دی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین اشخاص یعنی ابن مسعودؓ، ابو الدرداءؓ اور ابومسعودؓ انصاری کو قید کر دیا اور فرمایا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بہت زیادہ روایتیں کر دیں۔

(۵) ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ یہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کرو جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں جاری تھا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتِ حدیث کرنے کے متعلق لوگوں کو دھمکیاں دی تھیں۔

(۶) سیوطی نے تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک میں ایک روایت میں جس کا سلسلہ حضرت عروہ بن زبیرؓ تک منتہی ہوتا ہے، یہ نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے احادیث کو لکھنا چاہا اور اس بارے میں اصحابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو عام صحابہؓ نے اس کا مشورہ دیا۔ لیکن وہ ایک مہینہ تک خود غیر متیقن طور پر اس معاملے میں استخارہ کرتے رہے۔ اس کے بعد ایک دن انہوں نے یقینی رائے قائم کرلی اور فرمایا کہ میں نے جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے، تم سے تحریرِ احادیث کا ذکر کیا تھا۔ پھر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ تم سے پہلے اہلِ کتاب میں سے بہت سے لوگوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انہی کتابوں میں مشغول ہو گئے اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ اس بنا پر خدا کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کروں گا۔ اس لیے انہوں نے تحریرِ احادیث کا کام چھوڑ دیا۔

ابنِ سعد نے بھی طبقات میں اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔

(۷) امام بخاری نے اعمش سے انہوں نے ابراہیم تیمی سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے اور ان احادیث کے جو اس صحیفہ میں درج ہیں، پڑھنے کی اور کوئی کتاب نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس صحیفہ کو کھولا تو اس میں حسبِ ذیل حدیثیں درج تھیں :-

(۱) اسنان الابل — مختلف عمر کے اونٹوں کے صدقات کا بیان

(۲) المدینۃ حرم من عیر الی کذا فمن احدث فیہا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔

مدینہ عیر سے یہاں تک حرم ہے۔ جو شخص اس میں کوئی جرم کرے گا اس پر خدا کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت پڑے گی اور اس کی سفارش اور اس کا فدیہ خدا نہ قبول کرے گا۔

(۳) ذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بہا ادناھم فمن اخفر مسلما فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا

مسلمانوں کی امان یا مسلمانوں کا قول وقرار ایک ہے۔ اور ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان اس کا مالک ہے۔ تو جو شخص کسی مسلمان کا قول توڑ دے اس پر خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت پڑے گی اور خدا نہ اس کی سفارش اور نہ اس کا فدیہ قبول کرے گا۔

(۴) من والی قوما بغیر اذن موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔

جس شخص نے کسی قوم سے بغیر اس کے موالی کی اجازت کے موالات کی تو اس پر خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت پڑے گی اور خدا نہ اس کی سفارش قبول کرے گا نہ فدیہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تذکرے میں مذکور ہے کہ وہ حدیث کی بہت کم روایت کرتے تھے اور الفاظ میں نہایت احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ (غالباً یہ حضرت عمرؓ کا فیض تھا) ابوعمرو الشیبانی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھتا رہا لیکن وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نہیں کہتے تھے اور جب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے تو کانپ اٹھتے تھے اور کہتے تھے "اس طرح" یا "اس کے مثل" یا "اس کے قریب" پایا۔

ان ائمہ فتاویٰ اور پیشوایانِ اسلام سے جو روایتیں نقل کی گئیں ان پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ احادیث سے بہت زیادہ استدلال نہیں کرتے تھے اور ان کو احکامِ قرآنیہ کا مکمل نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن احادیث سے استدلال کرنے کے متعلق جو روایتیں ان سے مروی ہیں، اگر ہم ان پر نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیوں صحابہؓ سے یہ خواہش کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سے روایتیں کم کریں۔ چنانچہ اس قسم کی چند روایتیں یہ ہیں:

(۱) ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بہ سند روایت کی ہے کہ دادی حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں اپنا حق وراثت مانگنے کے لیے آئی لیکن انہوں نے کہا کہ میں کتاب اللہ میں تمہارا کوئی حصہ نہیں پاتا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا کوئی حصہ مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ کیا تمہارا کوئی مؤید ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے بھی یہی شہادت دی تو انہوں نے اس کو بھی حصہ دلوایا۔

(۲) حریری نے ابو نضرہ سے اور انہوں نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے دروازے کے اوٹ سے حضرت عمرؓ کو تین بار سلام کیا لیکن ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں ملی اور وہ واپس آگئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے اور بلوا کر کہا کہ تم کیوں پلٹ گئے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "جب تم میں کوئی شخص تین بار سلام کر چکے اور اس کو اذن نہ ملے تو واپس چلا آئے۔" اب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر میرے پاس ایک گواہ لاؤ ورنہ تم کو سزا دوں گا۔ اب حضرت ابو موسیٰؓ ہمارے پاس حالتِ غم میں آئے اور ہم سب بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے ہم کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا کہ کیا تم میں سے کسی نے اس حدیث کو سنا ہے؟ ہم نے کہا ہم میں سے ہر ایک نے اس کو سنا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے ان کے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا جس نے آکر حضرت عمرؓ کو اس حدیث کی خبر دی۔

(۳) ہشام نے اپنے باپ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے عورت کے ساقط کردہ حمل (یعنی جو کسی کے مارنے پیٹنے سے ساقط ہو جائے) کی دیت کے بارے میں مشورہ کیا تو مغیرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ایک لونڈی یا غلام دلوائی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک اور آدمی کو بھی لاؤ جو اس کو جانتا ہو تو محمد بن مسلمہؓ نے بھی یہی شہادت دی۔

(۴) حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ سے چند حدیثیں بیان کیں تو انہوں نے کہا کہ اس پر میرے سامنے

Marfat.com

کوئی گواہی لاؤ۔ وہ اس غرض سے نکلے تو ان کو چند انصاری ملے جن سے انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تم پر تہمت نہیں لگائی بلکہ میں نے یہ چاہا کہ اس معاملہ میں ثبوت طلب کر لوں۔

(۵) عثمان بن مغیرہ ثقفی نے علی بن ربیعہ سے اور انہوں نے اسماء بنت الحکم الفزاری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تھا تو خدا کو اس کے ذریعہ سے مجھے جس قدر فائدہ پہنچانا ہوتا تھا، پہنچا دیتا تھا۔ لیکن جب آپؐ کے علاوہ مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو میں اس سے قسم لیتا تھا اور جب وہ قسم کھا چکتا تو میں اس کی تصدیق کرتا تھا۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دَور کے ائمہ مسلمین اور پیشوایانِ اسلام صرف اس خوف سے تقلیلِ روایت کا مشورہ دیتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کذب وغلط بیانی کا رواج نہ ہونے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے جو روایتیں کی جاتی تھیں، اس پر ثبوت طلب کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ صرف انہی حدیثوں کو قبول کرتے تھے جن کی نسبت دو شخص شہادت دیتے تھے کہ انہوں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ اسی بناء پر حضرت ابوبکرؓ نے ایک ایسے شخص کو طلب کیا جو مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت کی تائید کرے اور حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہؓ، حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت ابیؓ کے مؤیدین کی تلاش کی اور حضرت علیؓ راوی سے قسم لیتے تھے۔ حالانکہ رفعت و عظمت کے لحاظ سے ان میں باہم کس قدر اعتماد تھا لیکن جب قابلِ اطمینان طریقہ پر روایت کا ثبوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اس پر عمل کرتے تھے اور اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔

ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دَور میں حدیث کی روایت کم ہوئی اور صرف انہی حدیثوں پر اکتفا کیا گیا جن کی روایت دو گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو جائے اور وہ بھی اس وقت جب کوئی ایسا واقعہ پیش آئے، جس کے لیے حدیث کے بیان کرنے کی ضرورت ہو۔

**اس دَور میں اجتہاد** اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ شارعؑ کے معتبرہ دلائل یعنی قرآن وحدیث سے حکم شرعی

کے استنباط میں پوری کوشش صرف کی جائے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ قرآن و حدیث کے ظاہر الفاظ سے حکم کا استنباط کیا جائے اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے، جب یہ الفاظ اس حکم کے محل وقوع میں بھی شامل ہوتے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ حکم، قرآن و حدیث کے عقلی مفہوم سے اخذ کیا جائے، مثلاً نصِ قرآن یا نصِ حدیث کی کوئی علت ہو جو یا تو صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہو یا استنباط کے ذریعہ سے نکالی گئی ہو اور وہ محلِ حکم میں بھی پائی جاتی ہو لیکن قرآن و حدیث کے الفاظ اس میں شامل نہ ہوں۔ اصطلاح میں اس کو قیاس کہتے ہیں۔

اس دور میں استنباط صرف ان فتووں تک محدود تھا جو وہ لوگ دیتے تھے جن سے کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مسائل کے اثبات اور ان کے جواب میں بہت زیادہ پاؤں نہیں پھیلاتے تھے بلکہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے اور جب تک کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو جائے اس کے متعلق اپنی رائے نہیں ظاہر کرتے تھے۔ البتہ جب مسئلہ پیدا ہو جاتا تھا تو اس کے لیے استنباطِ حکم میں اجتہاد کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبار صحابہؓ سے جو فتوے منقول ہیں، ان کی تعداد بہت کم ہے۔

یہ لوگ اپنے فتاویٰ میں صرف دو چیزوں پر اعتماد کرتے تھے:

(۱) ایک تو قرآن کیونکہ وہی دین و ملت کی بنیاد ہے۔ اور چونکہ وہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا، اس لیے وہ اس کو نہایت واضح طور پر سمجھتے تھے۔ اس کے ساتھ ان کو خصوصیت کے ساتھ اسبابِ نزول کا علم تھا اور اس وقت عرب کے علاوہ اور کوئی شخص ان میں شامل نہیں ہوا تھا۔

(۲) دوسرے حدیث، چنانچہ جب کوئی حدیث مل جاتی تھی تو وہ لوگ بالاتفاق اس کا اتباع کرتے تھے اور جو شخص اس کی روایت کی تصدیق کرتا تھا اس پر اعتماد کرتے تھے۔ اس بناء پر جب حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے اور اگر اس میں اس کا حکم مل جاتا تو اسی پر فیصلہ کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر دوڑاتے، اور اگر ان کے پاس کوئی قابلِ فیصلہ حدیث ہوتی تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو

لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ اس حالت میں اکثر لوگ اُٹھ کر کہتے کہ آپ نے اس معاملہ میں یہ یہ فیصلہ کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے لیکن اگر ان کو وہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ دریافت فرماتے۔ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی فیصلہ موجود ہوتا اور ان کو اس کے خلاف کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اسی احتیاط فی القبول کے ساتھ جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔

صحابہؓ کے سامنے ایسے مسائل بھی پیش ہوتے تھے جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہوتی تھی۔ اس حالت میں ان کو مجبوراً قیاس کرنا پڑتا تھا جس کو وہ لوگ رائے سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید میں کوئی تصریح نہ پاتے اور لوگوں کے پاس حدیث بھی نہ ملتی تو لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے۔ اور جب کسی چیز پر ان کا اتّفاق رائے ہوجاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ جب شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ان کو ہدایت کی کہ جو کچھ تمہیں کتاب اللہ سے معلوم ہوسکے اس کو اسی میں دیکھو اور اس کے متعلق کسی سے دریافت نہ کرو۔ اور جو چیز تم کو اس میں نہ معلوم ہوسکے اس کے متعلق حدیثِ نبوی کا تتبع کرو۔ اور جو چیز تم کو حدیث میں بھی نہ معلوم ہو اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ "قضاءت فریضہ محکمہ یا سنّتِ متبعہ کا نام ہے۔ لیکن جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہہ ہو تو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو۔ پھر اُن سے قیاس کرو۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مفوّضہ (وہ عورت جس کو طلاق لینے کا اختیار دے دیا جائے) کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ "میں اس کے بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اگر وہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ خدا اور خدا کا رسول اس سے بری ہے۔" حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کیا کہ کتاب اللہ میں بقیہ کا ثلث ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اور تم اپنی رائے

سے کہتے ہو۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک آدمی سے ملے تو فرمایا کہ تمہارے معاملہ میں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ علیؓ اور زیدؓ نے یہ فیصلہ کیا۔ بولے اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا۔ اس نے کہا کہ آپ کو کس نے روکا ہے؟ خلیفہ تو خود آپ ہیں۔ بولے اگر میں تم کو قرآن و حدیث کی طرف لوٹا سکتا تو انہی کی طرف لوٹاتا۔ لیکن میں تم کو اپنی رائے کی طرف لوٹاتا ہوں اور رائے ایک مشترک چیز ہے۔ اس بنا پر انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا۔

لیکن با ایں ہمہ وہ لوگ رائے پر اعتماد کرنا پسند نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ دین کے بارے میں بلا علم رائے زنی پر دلیر نہ ہو جائیں اور اس میں ایسی چیزیں نہ شامل کر دیں جو اس میں شامل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہؓ نے رائے کی برائی بیان کی ہے۔ لیکن یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ انہوں نے جس رائے کی برائی کی ہے وہ اس رائے سے الگ ہے جس پر انہوں نے خود عمل کیا ہے۔ اس لیے قابلِ ذم رائے اگر ہے تو یہ ہے کہ فتویٰ میں خواہشِ نفس کی پیروی کی جائے اور اس کا استناد دین کی کسی اصل کی طرف نہ کیا جائے اور قابلِ ستائش رائے وہ ہے جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی کے لیے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ "ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو معلوم کرو۔ پھر اُن سے قیاس کرو" کیونکہ اس صورت میں رائے پر عمل کرنا درحقیقت قرآن و حدیث کے عقلی مفہوم پر عمل کرنا ہے۔ بہرحال جن فتاویٰ میں ان لوگوں نے رائے سے استناد کیا ہے وہ بہت کم ہیں۔

شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب کسی حکم کے متعلق ایک جماعت سے مشورہ لیتے اور وہ اس کے متعلّق اپنی رائے سے مشورہ دے دیتی تو لوگ اس پر عمل کرتے، اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اس کی مخالفت کرتا۔ اظہار رائے کے اسی طریقہ کا نام اجماع تھا۔ اور چونکہ اس وقت مجتہدین صحابہؓ کی تعداد محدود تھی، اس لیے ان سے مشورہ لینا اور ان کی رائے کے نتیجہ سے واقف ہو جانا ممکن تھا۔ اور اس لیے اجماع ایک آسان چیز تھی۔ الغرض اس طریقہ پر اس زمانے میں احکام کے ماخذ چار تھے۔

(۱) قرآن، اور یہی قابلِ اعتماد ماخذ تھا۔

(۲) حدیث۔

Marfat.com

(۳) قیاس یا رائے ، یہ قرآن و حدیث ہی کی فرع تھا ۔

(۴) اور یہ بدیہی بات ہے کہ وہ اپنے اجماع میں قرآن، حدیث اور قیاس ہی سے استناد کرتے ہوں گے ۔

شیخین کی سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ احکام میں بہت کم اختلاف ہونے پایا کیونکہ وہ یا تو مشورہ کے بعد صادر کیے جاتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اختلاف نہیں ہو سکتا تھا ۔ یا وہ کتاب محکم اور سنتِ متبعہ معروفہ کے رُو سے صادر ہوتے تھے ۔ ایسی حالت میں اختلاف کا سبب صرف وہ فتاویٰ ہو سکتے تھے جو رائے سے صادر کیے جاتے تھے ۔ لیکن ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کو رائے پر بہت کم اعتماد تھا ۔ اس کے ساتھ لوگوں پر حضرت عمرؓ کی عام ہیبت چھائی ہوئی تھی ۔ اس لیے فتویٰ دینا ان کے نزدیک کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ اس ذمہ داری کو لوگ ایک دوسرے کے سر پر ڈالنا چاہتے تھے ۔

یہ کھُلی ہوئی بات ہے کہ وہ اپنی رایوں کو خود اپنی طرف منسوب کرتے تھے، شریعت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے ۔ اس لیے عملی حیثیت سے اس کو لازمی نہیں قرار دیتے تھے ۔ چنانچہ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب اپنی رائے سے کوئی اجتہاد کرتے تھے تو کہتے تھے کہ "یہ میری رائے ہے اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں" حضرت عمرؓ کے ایک محرّر نے یہ لکھا کہ "یہ خدا کی رائے اور عمرؓ کی رائے ہے" تو انہوں نے کہا کہ یہ نہایت بُری بات ہے ۔ یہ عمرؓ کی رائے ہے، اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو عمرؓ کی جانب سے" اور فرمایا "سنّت وہ ہے جس کو خدا اور خدا کے رسولؐ نے مقرر کیا ہے ۔ رائے کی غلطی کو امّت کے لیے سنّت نہ بناؤ ۔"

امام محمد بن حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے اور انہوں نے حمادؒ سے اور انہوں نے ابراہیم نخعیؒ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا مہر متعیّن نہیں کیا اور اس کے ساتھ مقاربت کرنے سے پہلے مر گیا ۔ اب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عورت کے لیے پورے مہرِ مثل کا فتویٰ دیا ۔ چنانچہ جب وہ یہ فتویٰ دے چکے تو فرمایا کہ "اگر یہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب اور شیطان کی جانب سے ہے ۔ خدا اور خدا کے رسولؐ اس کے ذمہ دار نہیں" اس پر اُن کے

Marfat.com

ہم نشینوں میں سے ایک آدمی (یعنی معقل بن سنان الاشجعیؓ جو صحابئ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے) نے کہا کہ "خدا کی قسم آپ نے وہی فیصلہ کیا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق الاشجعیہ کے معاملہ میں کیا تھا۔" چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فتویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ کے مطابق پڑ گیا تھا، اس لیے وہ اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی اس قدر خوش نہیں ہوئے تھے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس فتویٰ میں ان کے مخالف ہیں۔ وہ اس عورت کو وراثت دلواتے ہیں۔ اس کے لیے عدت لازمی قرار دیتے ہیں اور اس کو مہر نہیں دلواتے اور کتاب اللہ کے مقابلے میں قبیلہ اشجع کے ایک بدو کا قول تسلیم نہیں کرتے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس عورت کو طلاق دی جاتی تو اس کو مہر نہ ملتا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْتَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ (البقرہ: ۲۳۶)

اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اس بناء پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ موت کو طلاق کے مثل قرار دیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ قبولِ روایت میں نہایت متشدد تھے، اس لیے اس حدیث کو قبول نہیں کرتے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ موت کو طلاق کے مثل نہیں سمجھتے اور معقل کی روایت سے اپنی رائے کی تائید کرتے ہیں۔

اس موقع پر ان چند مسائل کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن میں اس دور کے بڑے بڑے مفتیوں نے اختلاف کیا ہے تاکہ ان سے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں۔

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مطلقہ عورت نے اپنی عدت کے زمانے میں نکاح کر لیا (اور قرآن مجید میں اس کی ممانعت آئی ہے)۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ نے شوہر کو چند کوڑے لگائے اور دونوں میں علیحدگی کروا دی اور فرمایا جو عورت اپنی عدت میں نکاح کرلے تو جس شخص نے اس سے نکاح کیا ہے اگر اس کے ساتھ مقاربت نہیں کی ہے تو ان دونوں میں علیحدگی کروا دی جائے گی اور اس کو اپنے پہلے شوہر کے طلاق کی بقیہ عدت گزارنی پڑے گی۔ اس کے بعد دوسرا شوہر اس کے ساتھ منگنی کر سکے گا، لیکن اگر اس نے اس سے مقاربت کر لی ہے تو دونوں میں علیحدگی کروا دی جائے گی۔ اس کے بعد عورت کو

Marfat.com

پہلے شوہر کی طلاق کی عدت گذارنی ہوگی پھر دوسرے شوہر کی علیحدگی کی عدت گذارے گی۔ اس کے بعد وہ اس سے کبھی نکاح نہ کر سکے گا۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک جب پہلے شوہر کی طلاق کی عدت گذر چکے گی تو دوسرا اگر چاہے گا تو اس کے ساتھ نکاح کر سکے گا۔ اس مسئلہ میں ان دونوں بزرگوں میں اختلاف یہ ہے کہ جب شوہر ثانی نے زوجہ معتدہ کے ساتھ مقاربت کر لی تو وہ اس کے لیے دائمی طور پر حرام ہو گئی یا نہیں؟ قرآن مجید کی کوئی آیت دونوں میں سے کسی کی بھی تائید نہیں کرتی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے زجر و تادیب کے قاعدے پر عمل فرمایا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اصول عام پر۔

(۲) حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ جو آزاد عورت غلام کی بی بی ہو جائے وہ صرف دو طلاقوں سے دائمی طور پر حرام ہو جائے گی۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کی اور فرمایا کہ وہ تین طلاق سے کم میں دائمی طور پر حرام نہ ہوگی۔ البتہ جو لونڈی آزاد مرد کی بی بی ہو وہ صرف دو طلاقوں سے دائمی طور پر حرام ہو جائے گی۔ تو ان مفتیوں نے اس پر تو اتفاق کر لیا ہے کہ غلام کے حقوق بہ نسبت آزاد آدمی کے آدھے ہیں البتہ ان میں یہ اختلاف ہے کہ طلاق کا اعتبار شوہر کے لحاظ سے کیا جائے گا یا بی بی کے لحاظ سے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت زیدؓ کے نزدیک چونکہ شوہر طلاق دینے والا ہے اس لیے طلاق کا اعتبار اسی کے لحاظ سے کیا جائے گا۔ لیکن حضرت علیؓ کے نزدیک چونکہ طلاق بی بی پر پڑتی ہے اس لیے اس کا اعتبار بی بی کے لحاظ سے کرتے ہیں۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنی بی بی کو حالتِ مرض میں طلاق دی تو حضرت عثمانؓ نے اس کی عدت گذرنے کے بعد اس کو ان کے ترکہ سے وراثت دلوائی۔ لیکن ایک روایت ہے کہ شریحؒ نے ایک شخص کے بارے میں جس نے اپنی عورت کو حالتِ مرض میں تین طلاقیں دی تھیں، حضرت عمر بن الخطابؓ کو لکھا تو انہوں نے ان کو لکھا کہ جب تک وہ اپنی عدت میں ہے اس کو وراثت دلوا دو۔ لیکن اگر عدت گذر جائے تو وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں۔ ان دونوں بزرگوں کا اس پر تو اتفاق ہے کہ مریض کی طلاق زوجیت کا رشتہ اس طرح نہیں منقطع کر دیتی کہ وہ وراثت کا سبب نہ ہو سکے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی ایک حد مقرر کی ہے یعنی تا زمانۂ عدت اور حضرت عثمانؓ نے اس کی حد مقرر نہیں فرمائی۔ اور

Marfat.com

اِس مسئلہ میں قرآن و حدیث کا کوئی صریح حکم جس کی طرف رجوع کیا جا سکے، نہیں ہے۔

(۴) جس حاملہ عورت کا شوہر مر جائے اس کی عدّت حضرت عمر بن الخطابؓ نے وضع حمل مقرر کی ہے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ وضعِ حمل اور چار مہینے دس دن کی مدّت میں جو زمانہ زیادہ طویل ہو گا وہی اس کی عدت کا زمانہ ہو گا۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اگر کسی حاملہ عورت کو طلاق دی جائے تو زمانۂ وضعِ حمل کو خداوند تعالیٰ نے اس کی عدّت مقرر کیا ہے اور جس عورت کا شوہر قضاء کر جائے اس کی عدّت کا زمانہ چار مہینے دس دن قرار دیا ہے۔ اور اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی تفصیل نہیں کی ہے۔ اس بناء پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس عورت (جس کا شوہر مر جائے) کے معاملہ میں دونوں آیتوں پر عمل کیا ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیتِ طلاق کو آیتِ وفات کا مخصّص ٹھہرایا ہے۔ اس معاملہ میں ایک حدیث بھی ہے اور وہ یہ کہ سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ کے شوہر نے انتقال کیا تو ان کی وفات کے پچیس دن کے بعد ان کے یہاں ولادت ہوئی۔ ولادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی عدّت کے گذر جانے کا فتویٰ دیا۔ لیکن روایات کے قبول کرنے میں حضرت علی کی جو متشدّدانہ رائے ہے وہ ہم کو معلوم ہو چکی ہے۔

(۵) امام مسلمؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال تک اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی جاتی تھیں تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو کام تحمل و تامل کا تھا اس میں لوگوں نے جلد بازی کر دی تو ہم بھی ان کی سزا کے لیے اس کو نافذ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو نافذ کر دیا لیکن اور صحابہؓ نے اس پر اتّفاق نہیں کیا بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے اس کے خلاف روایت موجود ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تعزیراً نافذ کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے انہوں نے ظواہرِ نصوص کی پیروی کی ہے۔

(۶) اگر شوہر ایلا کرے یعنی اپنی بی بی سے مقاربت کرنے کی قسم کھا لے اور بغیر رجعت کیے ہوئے اس پر چار مہینے گذر جائیں تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ بی بی پر طلاق بائن پڑ جائے گی

اور اب اگر شوہر اس سے نکاح کرنا چاہے تو اس کو نئے سرے سے منگنی کرنا ہوگی. لیکن اور صحابہؓ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جب یہ مدت گذر جائے گی تو شوہر کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا یا تو رجعت کرے یا طلاق دے دے صرف چار مہینے کا گذر جانا طلاق نہ شمار کیا جائے گا. اور قرآن مجید کی آیت میں ان دونوں فتووں کا احتمال ہے۔

| | |
|---|---|
| لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ : ۲۲۶ - ۲۲۷) | جو لوگ اپنی بیبیوں سے ایلا کرتے ہیں، ان کو چار مہینے انتظار کرنا ہوگا. اس کے بعد اگر رجعت کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کی ٹھان لیں تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ |

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ ہے اور اس میں حضرت عمرؓ بھی ان کے موافق ہیں، کہ مطلقہ عورت جب تک تیسرے حیض کے بعد غسل کرکے پاک وصاف نہ ہوجائے اپنی عدت سے نہیں نکل سکتی. لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ ہی وہ عدت سے نکل جائے گی اور اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ لفظ "قروء" کے متعلق ان میں باہم اختلاف ہے. حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک اس کے معنی طُہر یعنی پاکی کے ہیں (اس لیے تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ تین پاکیوں کا زمانہ گذر گیا) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے معنی حیض کے لیتے ہیں (اس لیے جب تک وہ تیسرے حیض سے پاک نہ ہوجائے تین حیض کا زمانہ گذر نہیں سکتا)

(۸) اگر ایک عورت کو جسے معمولاً حیض آتا ہے، طلاق دی جائے اور طلاق دینے کے بعد اس کا حیض بند ہوجائے تو اس کی نسبت حضرت عمرؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ نو مہینے تک انتظار کرے گی۔ اس زمانۂ انتظار میں اگر یہ معلوم ہوگیا کہ وہ حاملہ ہے تو یہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا ورنہ نو مہینے کے بعد اس کو تین مہینے تک عدت میں رہنا ہوگا۔ لیکن ان کے علاوہ اور لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کو اپنے آئسہ (یعنی بالکل حیض سے نا اُمید) ہونے کا انتظار کرنا ہوگا. اس کے بعد وہ مہینوں کے حساب سے عدت گذارے گی. حضرت عمرؓ کے علاوہ جن لوگوں نے فتویٰ دیا ہے اس میں عدت کے متعلق

Marfat.com

قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس عورت کو پہلے معمولاً حیض آتا تھا اس لیے قرآن مجید کی آیت کی رُو سے اس کی عدّت کا زمانہ تین حیض ہے اور اب تک وہ آئسہ نہ تھی کہ اس کو مہینوں کے حساب سے عدّت بسر کرنا پڑے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے فتویٰ میں عدّت کے معنی کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی اس بات کا ثبوت کہ عورت کو حمل نہیں ہے اور حمل کی غالب مدّت کے گذرنے کے بعد اس کا شبہہ باقی نہ رہ جائے گا اس لیے وہ مہینوں کے حساب سے عدّت بسر کرے گی۔

(۹) جس عورت کو تین طلاق دی جا چکے اس کی نسبت حضرت عمرؓ نے یہ فتویٰ دیا کہ اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل ہے لیکن جب ان کو حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی یہ حدیث معلوم ہوئی کہ تیسری طلاق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو حقِ نفقہ اور حقِ سکونت سے محروم کر دیا تو فرمایا کہ "ہم اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنے پیغمبر کی سنّت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی"۔ اور خدا کی کتاب سے یہ آیت مُراد ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ (الطلاق: ۱)

(عدّت میں) ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ (خود بھی) نہ نکلیں، مگر یہ کہ کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں تو ان کے نکال دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لیکن اور لوگوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل نہیں ہے اور ان لوگوں نے اوّلاً تو حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور دوسرے اس آیت کے آخری ٹکڑے سے بھی دلیل لاتے ہیں:

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا۔ (الطلاق: ۱)

(اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے) تو نہیں جانتا شاید اللہ طلاق کے بعد (ملاپ کی) کوئی صورت پیدا کر دے۔

لیکن یہ عورت جس کو تین طلاق دی جا چکی اور وہ اپنے طلاق دینے والے پر حرام ہو چکی اس کے بارے میں خدا ملاپ کی کیا صورت پیدا کر سکتا ہے؟ ان کے علاوہ اور لوگوں کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو نفقہ تو نہیں لیکن سکونت کا حق حاصل ہے۔ ان لوگوں نے حقِ نفقہ کا انکار اس آیت کے مفہوم سے کیا ہے:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ (الطلاق : ۶)

اور اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو بچے جننے تک ان کا خرچ اٹھاتے رہو۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ غیر حاملہ عورت کو حق نفقہ حاصل نہیں۔

(۱۰) دادا کی موجودگی میں حضرت ابو بکرؓ بھائیوں کو وراثت نہیں دلواتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے دادا کی موجودگی میں بھی بھائیوں کو وراثت دلوائی۔ حضرت ابو بکرؓ نے دادا کو باپ تسلیم کیا ہے اور باپ کی موجودگی میں بہ نص قرآن بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو باپ نہیں تسلیم کیا اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی ان کے ساتھ متفق الرائے ہیں۔

(۱۱) امام مالکؒ نے موطا میں روایت کی ہے کہ ایک جدہ (یعنی نانی) حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں اپنی میراث (یعنی نواسے کے ترکے سے) مانگنے آئی۔ انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور حدیث میں بھی ہم کو تمہارا حصہ معلوم نہیں ہوتا۔ اس وقت واپس جاؤ تاکہ ہم لوگوں سے دریافت کرلیں۔ انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نانی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کیا تمہارے علاوہ کوئی اس کی شہادت دے سکتا ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے بھی کھڑے ہو کر یہی بات کہی اور حضرت ابو بکرؓ نے اس کو چھٹا حصہ دلوایا۔ اس کے بعد دوسری جدہ (یعنی حقیقی دادی) حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں اسی غرض سے حاضر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ تمہارے لیے نہ تھا بلکہ نانی کے لیے تھا۔ میں بذاتِ خود فرائض میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتا۔ البتہ اسی چھٹے حصے میں اگر تم دونوں شریک ہو تو برابر تقسیم کرلو۔ ورنہ جو تنہا ہو وہ اسی کا حق ہے۔

(۱۲) امام مالکؒ نے موطا میں روایت کی ہے کہ ضحاکؓ بن خلیفہ نے عریض (مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے) سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی اور اس کو حضرت محمد بن مسلمہؓ کی زمین میں سے لے جانا چاہا لیکن محمد بن مسلمہؓ نے اس سے انکار کیا۔ اس پر ضحاکؓ نے کہا تم مجھے کیوں روکتے ہو؟ وہ تو تمہارے ہی فائدے کی چیز ہے۔ تم اس سے ہر طرح پر فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ لیکن پھر بھی انہوں نے انکار کیا۔ اب انہوں نے

Marfat.com

اس معاملہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے محمد بن مسلمہؓ کو بلوایا اور حکم دیا کہ ان کو نہر لے جانے دو۔ لیکن انہوں نے اب بھی انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے فائدے کی چیز میں کیوں رکاوٹ پیدا کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لیے بھی مفید ہے۔ تم اس سے ہر قسم کا فائدہ اُٹھا سکتے ہو اور تم کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں۔ اَب حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم وہ نہر تمہارے پیٹ پر سے ہو کر گذرے گی۔ چنانچہ ضحاکؓ کو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ محمد بن مسلمہؓ کی زمین میں سے نہر کو نکال لے جائیں۔

(۱۳) امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھولے بھٹکے اونٹ بالکل آزادانہ چھوٹے ہوئے رہتے تھے۔ بچے جنتے تھے اور ان کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے ان کی تعریف (یعنی مالک کی تلاش کے لیے اعلان) کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ فروخت کر دیئے جاتے تھے اور جب ان کا مالک آتا تھا تو اس کو ان کی قیمت دے دی جاتی تھی۔

(۱۴) عراق اور شام کی فتح کے بعد صحابہؓ کے دَور میں سب سے اہم مسئلہ جو پیدا ہوا یہ تھا کہ یہ زمین جو فوجی طاقت سے فتح ہوئی ہے اس کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کریں؟ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کے لحاظ سے اس کو مالِ غنیمت میں محسوب کر کے اس کا چار خمس مجاہدین پر تقسیم کر دینا چاہیئے اور ایک خمس ان مصالحِ عامہ پر صرف کرنا چاہیئے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے یہ مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اگر یہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اس میں وراثت جاری ہو تو اس کے بعد کے آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہو گا؟ میری یہ رائے نہیں ہے۔" اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا "تو کیا رائے ہے؟ زمین اور رعایا دونوں کو خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو بطور مالِ غنیمت کے دیا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا بات تو وہی ہے جو تم کہتے ہو لیکن میری رائے یہ نہیں ہے۔ خدا کی قسم میرے بعد جو ملک فتح ہو گا اس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے سَر کا وبال ہو جائے اگر عراق کی زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اسی طرح شام کی زمین مع ذمی رعایا کے بانٹ

Marfat.com

دی جانے تو سرحد کی حفاظت کیونکر ہو گی؟ شام، عراق اور دوسرے شہروں کے چھوٹے بچوں اور بیوہ عورتوں کو کیا ملے گا؟ لیکن انہوں نے حضرت عمرؓ سے بڑا مباحثہ کیا اور کہا کہ خدا نے ہماری تلواروں کے ذریعہ سے ہم کو جو مالِ غنیمت عطا فرمایا ہے اس کو آپ ایسے لوگوں پر وقف کرنا چاہتے ہیں جو شریکِ جنگ نہیں ہوئے۔ آپ اس کو ایسے لوگوں کے لڑکوں اور پوتوں کو دینا چاہتے ہیں جو جنگ میں موجود نہ تھے۔ لیکن باایں ہمہ حضرت عمرؓ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہتے تھے، کہ "یہ میری رائے ہے۔" اب ان لوگوں نے کہا کہ اس معاملہ میں مشورہ کیجئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مہاجرینِ اوّلین سے مشورہ طلب کیا۔ ان لوگوں نے بھی اختلاف کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی رائے یہ تھی کہ ان کے حقوق تقسیم کر دیئے جائیں۔ اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم حضرت عمرؓ کے ہم رائے تھے۔ اب حضرت عمرؓ نے دس انصار کو طلب فرمایا جن میں پانچ آدمی شرفائے اوس کے اور پانچ آدمی شرفائے خزرج کے تھے۔ یہ لوگ جمع ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ لوگ میری ذمہ داریوں میں شریک ہوں کیونکہ میں بھی آپ ہی لوگوں کا ایک معمولی فرد ہوں اور آج آپ ہی لوگ حق کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ کسی نے میری مخالفت کی اور کسی نے میری موافقت۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری اس خواہشِ نفسانی کی تقلید کریں۔ آپ کے ساتھ خدا کی حق گو کتاب ہے۔ اگر میں کوئی ایسی بات کہوں جس کو میں کرنا چاہتا ہوں تو اس سے میرا مقصد صرف حق ہو گا۔" ان لوگوں نے کہا "اے امیرالمومنین فرمائیے ہم سنیں گے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے لوگوں کی بات سن لی جو خیال کرتے ہیں کہ ان کے حقوق کو ظلماً لینا چاہتا ہوں۔ اور خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں ظلم کا ارتکاب کروں۔ اگر میں ان سے ظلماً کوئی ایسی چیز لے لوں جو ان کی ہو، اور اس کو دوسروں کو دے دوں تو میں بدبخت ہوں گا۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ ملکِ کسریٰ کی فتح کے بعد اگر تمام مال و جائیداد اور رعایا کو مالِ غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دیا جائے اور خمس کو میں اس کے مصارف میں صرف کر دوں تو کوئی دوسرا ملک فتح نہ ہو سکے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ میں تمام اراضی کو مع رعایا کے وقف قرار دوں اور ان پر خراج اور جزیہ مقرر کر دوں تاکہ وہ شرکائے جنگ، خردسال بچوں اور ان کے بعد کے مسلمانوں کے لیے

Marfat.com

وقتِ عام ہو۔ کیا آپ لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان سرحدوں کی حفاظت کے لیے بہت سے اشخاص کی ضرورت ہے جو وہاں جمع رہیں۔ کیا آپ لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان بڑے بڑے شہروں یعنی شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر کے لیے یہ ضروری ہے کہ فوجوں کے ذریعہ سے ان کی حفاظت کی جائے اور ان کو وظائف دیئے جائیں؟ لیکن اگر زمین اور رعایا تقسیم کر دی گئی تو ان کو کہاں سے وظیفہ دیا جائے گا؟ اب ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہی کی رائے ٹھیک ہے اور آپ نے یہ بہت صحیح فرمایا کہ "اگر یہ سرحدیں اور شہر فوجوں کے ذریعہ سے محفوظ نہ رکھے جائیں اور ان کے وظائف نہ مقرر کیے جائیں تو تمام کفار اپنے اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں گے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میرے لیے معاملہ صاف ہو گیا اور زمین کو خود اس کے اصلی مالکوں کے ہاتھ میں رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر کیا۔ ان کی یہ رائے صحیح تھی، اور عام رائے کی پیروی میں مخالفین خاموش ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں پر برابر برابر مال تقسیم فرماتے تھے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ لیکن ان سے کہا گیا کہ آپ نے تقسیم مال میں تمام لوگوں کو برابر کر دیا حالانکہ بہت سے لوگ فضیلت رکھتے ہیں۔ ان کو قدامت حاصل ہے۔ ان کے اگلے کارنامے ہیں۔ ان لوگوں کو ترجیح دینی چاہیئے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ان چیزوں کا ثواب تو خدا کے یہاں ملے گا۔ معاش کے معاملہ میں مساوات ہی بہتر ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتوحات کو وسعت ہوئی تو انہوں نے ترجیحی حقوق قائم کیے اور فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی ہے میں ان کو ان لوگوں کے برابر نہیں کر سکتا جو آپؐ کے ساتھ شریکِ جہاد ہوئے ہیں اور اسی اصول پر انہوں نے فوجی دفتر مرتب کیا۔

ہمارا مقصد یہ نہیں کہ اس دَور کے تمام مفتیوں کے فتاویٰ کا استقصا کریں اور ان کے تمام اختلافی مسائل کو بیان کریں۔ ہم نے صرف چند مثالیں اس غرض سے درج کی ہیں کہ ان کے استنباط کا طریقہ معلوم ہو جائے اور باوجود قربِ عہدِ رسالت کے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں چنانچہ ان مسائل سے اختلاف کے یہ تین سبب معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تو قرآن کے سمجھنے میں اختلاف ہوا اور اس کی وجہ سے فتویٰ میں بھی اختلاف ہو گیا۔ چنانچہ اس کی چند صورتیں یہ ہیں:

Marfat.com

(۱) قرآن مجید میں ایک ایسے لفظ کا آنا جس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، مثلاً اس آیت میں :

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ (البقرہ : ۲۲۸)
مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

لفظ "قروء" کے معنی کے سمجھنے میں اختلاف ہوا اور حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی حیض کے اور حضرت زید بن ثابتؓ نے طُہر یعنی پاکی کے سمجھے اور ہر ایک نے دلائل سے اپنے اپنے مفہوم کی تائید کی۔ اسی طرح آیتِ ایلا میں خداوند تعالیٰ نے مولی یعنی بی بی کے پاس جانے کی قسم کھانے والے کے لیے چار مہینے کی مدت مقرر کی جس میں اس کو انتظار کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد فرمایا:

فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ٥ (البقرہ : ۲۲۶ - ۲۲۷)
اگر قسم سے رجوع کر جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کی ٹھان لیں تو اللہ سُننے والا جاننے والا ہے۔

جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ مدتِ معیّنہ کے گذرنے کے بعد ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ رجعت صرف مدتِ معیّنہ میں ہو سکتی ہے اور جب وہ مدت گذر گئی تو رجعت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے گذرنے کے ساتھ ہی طلاق پڑ جائے گی۔

(۲) دو الگ الگ چیزوں کے متعلق دو مختلف حکموں کا آنا جس سے یہ گمان پیدا ہو کہ ان میں سے ایک حکم دوسری چیز کے بعض اجزاء کو بھی شامل ہے اور اس طرح وہ دونوں حکم اس جز میں باہم متعارض ہو جائیں، مثلاً جس عورت کا شوہر مر گیا، اس کی عدت کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے اس نے اس پر چار مہینے دس دن کا انتظار واجب کیا ہے۔ اور اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم حاملہ عورت کو بھی شامل ہے لیکن جس حاملہ عورت کو طلاق دی جائے اس کی مدت کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے اس نے اس کی عدت وضعِ حمل کو قرار دیا ہے۔ اس بنا پر جس حاملہ عورت کا شوہر مر گیا ہو وہ دونوں آیتوں کے تحت میں داخل ہو سکتی ہے۔ پہلی آیت کے رُو سے اگر چار مہینے دس دن سے پہلے ہی وضعِ حمل ہو جائے تب بھی اس کو اس مدت میں عدت گذارنی چاہیئے، لیکن دوسری یعنی مطلقہ عورت کی عدت والی آیت کے رُو سے اگر اس

Marfat.com

مدّت کے گذر جانے سے پہلے لڑکا ہو جائے تو اس پر اس مدّت کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ اس کی عدت زمانۂ وضعِ حمل کو قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ بعض کبار صحابہؓ نے ان دونوں راویوں کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

(دوسرے) حدیث کی وجہ سے فتووں میں اختلاف پیدا ہوا۔ چنانچہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بعض حدیثیں عام طور پر معلوم تھیں اور صحابہؓ کے ایک جمِ غفیر کے سامنے یا تو ان پر عمل کیا گیا تھا یا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئی تھیں۔ مثلاً نماز، کیفیتِ نماز، تعدادِ رکعاتِ نماز، حج اور شعائرِ حج کے متعلق جو حدیثیں تھیں وہ اسی قسم کی تھیں۔ لیکن بعض حدیثوں پر صرف ایک یا دو آدمیوں کے سامنے عمل کیا گیا تھا یا آپ کی زبان مبارک سے وہ انہی اشخاص کے سامنے ادا ہوئی تھیں۔ اس بنا پر ان کی روایت صرف انہی لوگوں تک محدود تھی جو اس وقت موجود تھے۔ چنانچہ اکثر قولی حدیثیں اسی قسم کی ہیں اور وہی منشاء اختلاف ہیں۔ کیونکہ اس دَور میں روایتِ حدیث کا رواج نہ تھا اور حدیثیں کسی ایسی کتاب میں مدوّن نہیں کی گئی تھیں جس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ اس لیے جب مفتیوں کے سامنے کوئی واقعہ آتا تھا اور ان کو اس کے متعلق قرآن مجید میں کوئی آیت نہیں ملتی تھی تو وہ لوگ اپنے رفقاء سے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ دریافت فرماتے تھے۔ اور اس حالت میں بعض لوگ ایسے نکل آتے تھے جو اُن کے لیے حدیث بیان کر دیتے تھے، اور وہ لوگ کافی احتیاط کے بعد اس کے مطابق فتویٰ دے دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت راوی سے ایک ایسے شخص کا مطالبہ کرتے تھے جو سماعِ حدیث میں اس کا شریک ہو۔ اور حضرت علی بن ابی طالب راوی سے قسم لیتے تھے۔ لیکن جو حدیث ایسی روایت کی جاتی تھی جس کی صداقت پر ان کو کافی اطمینان نہیں تھا اس پر وہ عمل نہیں کرتے تھے۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہم اپنے خدا کی کتاب اور اپنے پیغمبر کی سنت کو ایک عورت کے قول سے نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کو کیا معلوم کہ وہ صحیح کہتی ہے یا غلط، اس نے یاد رکھا بھول گئی"۔ غرض عدمِ روایت کے رواج اور روایت کردہ حدیثوں کے قبول کرنے میں چھان بین کی بنا وہ لوگ کبھی اس مفہوم کے رُو سے فتویٰ دیتے تھے جو آیاتِ قرآنیہ کے عموم سے سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ موقع پر ایسی حدیث موجود ہوتی تھی جو اس عموم کی تخصیص کرتی تھی لیکن جب کوئی نص موجود نہ ہوتی تو وہ لوگ رائے اور اجتہاد سے فتویٰ صادر کرتے تھے۔

Marfat.com

(تیسرے) رائے کی وجہ سے فتوے میں اختلاف پیدا ہوا۔ چنانچہ ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جب واقعہ کے متعلق قرآن پاک یا حدیث کی کوئی نص نہیں ہوتی تھی تو وہ لوگ رائے سے فتویٰ دیتے تھے۔ لیکن رائے کے متعلق وہ یہ لحاظ نہیں کرتے تھے کہ اس واقعہ کی کوئی معین اصل ہے یا نہیں؟ بلکہ جو چیز عملاً موافق مصلحت اور فقہ اسلامی کی روح سے قریب تر ہوتی تھی اسی کا نام انہوں نے رائے رکھا تھا۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ ان کے پڑوسی کی نہر اُن کی زمین میں سے نکالی جاسکتی ہے کیونکہ اس میں فریقین کا فائدہ تھا اور محمد بن مسلمہؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ یا مثلاً انہوں نے دفعۃً واحدۃً تین طلاق کے پڑ جانے کا فتویٰ دیا کیونکہ جو معاملہ غور و فکر کا محتاج تھا اس میں لوگ جلد بازی سے کام لینے لگے تھے۔ یا مثلاً جس شخص نے زمانۂ عدت میں کسی عورت سے نکاح کر لیا تو علیٰحدگی کے بعد انہوں نے دوبارہ تعزیری طور پر اس کے نکاح کو اس کے لیے حرام قرار دیا۔ لیکن مصالح پر مختلف لوگ مختلف حیثیتوں سے نگاہ ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بعض مفتیوں نے ان کی رائے کی مخالفت کی اور چند مسائل میں جیسا کہ ہم "بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث" اور عطیہ میں باہمی ترجیح کے متعلق بیان کر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کی اور ان کے فیصلہ سے الگ فیصلہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی چند مسائل میں اس دَور کے مفتیوں کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ جو یتیم ان کی کفالت میں ہوتے تھے وہ ان کے مال سے زکوٰۃ نکالتے تھے۔ لیکن ان کے علاوہ اور صحابہؓ کا فتویٰ یہ تھا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس دَور میں اختلاف بہت زیادہ نہ تھا۔ کیونکہ جتنے مسائل و واقعات پیدا ہوتے تھے اسی قدر وہ فتویٰ دیتے تھے۔ اور ان کے زمانے میں فتاویٰ مدوّن نہیں کیے گئے تھے۔

غرض اس دَور تک فقہ حسب ذیل چیزوں کا نام تھا:۔

(۱) قرآن مجید کے احکام و آیات۔

(۲) وہ حدیثیں جو عام طور پر معلوم تھیں اور ان پر عموماً عمل کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ وہ حدیثیں جن کو دوسرے صحابہؓ نے روایت کیا تھا اور کبار صحابہؓ نے ان کو قبول کر لیا تھا۔ یا وہ حدیثیں جن کو کبار صحابہؓ نے خود سُنا تھا۔

Marfat.com

(۳) چند فتاوی جو اجتہاد و بحث کے بعد ان کی رائے سے صادر ہوئے۔

اس دور کے مشہور ترین مفتی خلفاء اربعہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ ہیں۔ لیکن ان میں حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے زیادہ تر فتوے دیے ہیں اور حضرت زید بن ثابتؓ خصوصیت کے ساتھ فرائض کے مفتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات تو اس قدر واضح ہیں کہ اس موقع پر ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ ان کے علاوہ ہم دو بزرگوں کے حالات درج کرتے ہیں۔

**حضرت عبداللہ بن مسعودؓ** | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہذلی، بنو زہرہ کے حلیف اور قدیم الاسلام ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے آپ کو چھ مسلمانوں میں کا چھٹا مسلمان پایا۔ اس وقت سطح زمین پر ہم لوگوں کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا۔ مکہ میں سب سے پہلے انہی نے باعلان قرآن مجید پڑھا۔ جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لے لیا اور وہ آپؐ کی خدمت کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کو اندر آنے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، تمہاری اجازت صرف یہ ہے کہ تم میری بات سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو۔ چنانچہ وہ آپؐ کے پاس اندر آتے جاتے، آپؐ کو جوتا پہناتے، آپؐ کے ساتھ اور آپؐ کے آگے آگے چلتے، جب آپؐ غسل فرماتے تو پردہ کرتے اور جب آپؐ سوتے تو آپؐ کو بیدار کرتے۔ حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر، احد، خندق، بیعۃ الرضوان اور تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے اور آپؐ کے بعد معرکۂ یرموک میں شرکت کی۔ ان سے بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا کہ ہم کو ایسا شخص بتائیے جو طور و طریقے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تر ہو تاکہ ہم اس سے حدیث سنیں اور اخذ کریں۔ بولے "طرز و روش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تر ابن مسعودؓ ہیں۔ اصحاب محمد میں جو لوگ محفوظ ہیں وہ جانتے ہیں کہ ابن ام عبد

Marfat.com

(عبداللہ بن مسعودؓ) سب سے زیادہ مقرب بارگاہ الٰہی ہیں" حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ خلیفہ بناتا تو ابن ام عبدؓ کو بناتا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان کو کوفہ بھیجا اور باشندگانِ کوفہ کو لکھا کہ میں نے عمار بن یاسرؓ کو امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف ترین بدری صحابی ہیں۔ ان کی پیروی اور اطاعت کرو اور ان کا کہنا مانو۔ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے لیے اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔ اور انہوں نے اہلِ کوفہ کے معلم اور قاضی کی حیثیت سے وہاں قیام کیا اور وہاں کے باشندے ان سے حدیث اخذ کرتے رہے اور انہوں نے جیسا کہ ان کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ قرآن کو پڑھا، اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھا۔ مذہب کے فقیہ اور حدیث کے عالم تھے۔

ان کی زندگی کے اخیر حصہ میں حضرت عثمانؓ سے ان کے تعلقات خراب ہو گئے اور انہوں نے ان کو مدینہ میں بلالیا۔ چنانچہ وہ مدینہ میں آئے اور تادم وفات وہیں مقیم رہے۔ ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات سے پہلے جو ۳۲ھ میں واقع ہوئی، ہر ایک نے دوسرے کے لیے طلبِ مغفرت کی۔

**حضرت زید بن ثابتؓ** ان کے باپ کا نام ضحاک تھا اور انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں آئے تو ان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے غزوۂ خندق میں شرکت کی۔ تبوک کی جنگ میں بنو مالک ابن النجار کا جھنڈا حضرت عمارہؓ ابن حزم کے ہاتھ میں تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے کر زید بن ثابتؓ کے حوالے کر دیا۔ عمارہؓ نے کہا، یا رسول اللہ کیا میرے متعلق آپ کو کوئی بات معلوم ہوئی ہے؟ فرمایا، نہیں، لیکن قرآن مقدم ہے اور زیدؓ نے تم سے زیادہ قرآن پڑھا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ آپؐ کے پاس سریانی زبان میں بہت سے خطوط آتے تھے اس لیے حضرت زید بن ثابتؓ نے آپؐ کے ارشاد سے سریانی زبان سیکھی۔ آپؐ کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ

Marfat.com

اور حضرت عمرؓ کے بھی کاتب رہے اور حضرت عمرؓ نے ان کو تین بار مدینہ ہی میں اپنا جانشین بنایا۔ حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جاتے تھے تو ان کو اپنا جانشین بناتے تھے۔ وہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ فرائض کے عالم تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید تم میں سب سے زیادہ علم فرائض کو جانتے ہیں۔ وہ صحابہؓ میں بہت بڑے عالم اور راسخین فی العلم میں سے تھے۔ جب وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ تنہا ہوتے تھے تو نہایت خوش طبع ہوتے لیکن قوم کے مجمع میں نہایت باوقار رہتے تھے۔ وہ عثمانی تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن ان کے فضل اور ان کی تعظیم کا اظہار کرتے تھے۔ بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن مجید کو انہی نے جمع کیا اور حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں اس کام کے لیے چند لوگوں کو مقرر کیا تھا، ان کے ساتھ بھی وہ شریک رہے۔

Marfat.com

# تیسرا دور

## (صغار صحابہؓ اور ان کے تلامذہ تابعینؒ کے عہد میں فقہ)

یہ دور حکومت معاویہؓ یعنی سنہ ۴۱ھ سے شروع ہوا اور اس وقت تک قائم رہا جب عربی سلطنت میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے یعنی دوسری صدی ہجری کے آغاز تک۔

**سیاسی صورتِ حال** یہ دور اس زمانہ سے شروع ہوا جب عام اسلامی جماعت نے حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت پر اتفاق عام کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے اکتالیسویں سال کو عام الجماعۃ یعنی جماعت کا سال کہا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ابھی تک سیاسی اختلافات کی بیخ کنی نہیں ہوئی تھی بلکہ کچھ لوگ ایسے باقی رہ گئے تھے جو حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے خاندان کے ساتھ دل میں بغض و اختلاف رکھتے تھے۔ یہ لوگ دو گروہوں میں منقسم تھے، جن میں پہلا گروہ خارجیوں کا تھا جو اپنے سیاسی اصول کے موافق استبدادی سلطنت اور مستبد بادشاہ کا دشمن تھا اور اس کے نزدیک خلافتِ اسلامیہ کسی خاص خاندان اور کسی خاص شخص کی ذات میں محدود نہ تھی بلکہ اس کا دار و مدار جمہور کے ارادہ پر تھا اور وہ اپنی سیاست اور حکومت کے لیے خود موزوں شخص کا انتخاب کر سکتے تھے۔ یہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ سے بالکل اپنی علیحدگی ظاہر کرتے تھے کیونکہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیاست سے اختلاف کیا اور اپنے خاندان والوں کی رعایت اور عزت افزائی کی اور قومی حقوق میں ان کو ترجیح دی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے اور اپنے مخالفین کے درمیان تحکیم پر رضامندی ظاہر کی اور حضرت امیر معاویہؓ نے خلافت پر بزور تسلط حاصل کر لیا۔ دوسرا گروہ شیعوں کا تھا جو خلافت کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے خاندان کا حق سمجھتا تھا۔ اس لیے جس شخص نے ان کے اس حق کو غصب کر لیا وہ ان کے نزدیک ظالم ہے اور اس کی حکومت جائز نہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ کے سیاسی طرزِ عمل نے شیعوں کے شورش انگیز خیالات کو پُرسکون بنا دیا تھا اور خارجیوں کی سختیاں کم کر دی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ہی اتحادِ اسلامی کے خلاف شورشیں برپا ہونے لگیں۔ چنانچہ اہلِ مدینہ نے یزید کی نسخ بیعت کے لیے شورش کی اور حضرت امام حسینؓ نے اس خیال سے عراق کا رُخ کیا کہ وہاں ان کے باپ کے حامیوں میں سے ایسے اشخاص مل جائیں گے جو ان کے مغصوب حق کی واپسی میں ان کی مدد کریں گے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں پناہ گزیں ہو کر مخالفت کی۔ ان لوگوں کی شورش نے اہلِ مدینہ کو بہت مضطرب الحال بنا دیا اور ان پر سخت آفتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام حدودِ عراق میں داخل ہونے سے پہلے ہی شہید کر دیئے گئے اور ان کے اہلِ بیت میں بہت سے لوگوں نے خود اہلِ عراق کے درمیان شہادت پائی اور اگر یزید مر گیا نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا بھی یہی حشر ہوتا۔

یزید کی موت کے بعد فتنہ و فساد کی آگ اور بھی بھڑکی اور جب تک عبدالملک بن مروان نے مکّہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا کام تمام نہ کر لیا اور وہ تمام ممالک واپس نہ لے لیے جو شورش کا مرکز تھے، یہ آگ اسی شدّت کے ساتھ بھڑکتی رہی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور ان ممالک کی واپسی کے بعد اب دوبارہ مسلمانوں میں اتفاق عام پیدا ہوا اور شیعوں کی دعوت اور خوارج کی شدّت زائل ہو گئی۔ لیکن حضرت امیر معاویہؓ کی ذات پر مسلمانوں کا جو اتّفاق ہوا تھا اس سے یہ اتفاق مختلف تھا کیونکہ امیر معاویہؓ نے اس کو رفق، ملاطفت اور حُسنِ مجاملت کے ذریعہ سے محفوظ رکھا تھا اور عبدالملک نے اس کی بنیاد بالکل قوت پر قائم کی تھی، کیونکہ اس نے مرکزِ فساد میں حجاج بن یوسف پر اعتماد کیا تھا جو ان مستبدین کا امام تھا جو جبر و اقتدار کے ساتھ اتحاد و اتفاق قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کا اثر دیرپا نہیں ہو سکتا، اس لیے عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث الکندی کے زیرِ اثر اس کے خلاف ایک دوسری عظیم الشان شورش پیدا ہوئی اور اگر شام کی پے در پے کمک جس نے سخت جدوجہد کے بعد اس شورش کا خاتمہ کر دیا نہ پہنچتی رہتی تو اس شورش نے تقریباً بنو امیہ کے اقتدار ہی کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ اسی طرح حجاج کو خوارج سے بھی سخت مقابلہ کرنا پڑا اور اگر مہلب بن ابی صفرہ کی ہمت شاملِ حال نہ ہوتی اور خارجیوں میں فرقہ بندی

نہ ہو گئی ہوتی تو ان کا معاملہ بھی نہایت سخت ہو جاتا۔ ان تمام مصائب کے خاتمہ کے بعد ولید بن عبدالملک کا دَور آیا جو حکومت بنوامیہ کا سب سے زیادہ روشن اور خوشگوار دَور تھا۔ اس دَور میں فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو گیا اور مشرق و مغرب میں عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ قائم ہوا۔ لیکن جس طرح آندھیوں کے سخت جھکڑوں کے بعد سکون پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح یہ سکون بھی عارضی اور وقتی تھا۔ ولید کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کا دَور آیا اور اس نے سپہ سالاران سلطنت یعنی قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم بن محمد اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ جنہوں نے مشرق و مغرب میں اس سلطنت کے اقتدار کو پھیلایا تھا، بدسلوکی کی، کیونکہ قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم حجاج بن یوسف سے تعلق رکھتے تھے۔ اور سلیمان اس سے بغض رکھتا تھا۔ اسی طرح بعض ذلیل خواہشوں کی بنا پر موسیٰ بن نصیر سے بھی اس کے تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ان کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے دل سلیمان بن عبدالملک سے صاف نہ رہ سکے۔ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا جنہوں نے لوگوں میں عدل و مساوات پھیلایا اور ان کے اسلاف کے قبضہ میں جو چیزیں تھیں ان کو مظالم کے نام سے واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔ خلافت کے متعلق ان کی رائے خوارج کی رائے سے بہت کچھ مشابہت رکھتی تھی کیونکہ انہوں نے اس کو اپنی قوم سے نکالنا چاہا اور اس کا اہل اس شخص کو قرار دیا جو علم اور دین کے لحاظ سے اس کے لیے موزوں تر ہو۔ لیکن ان کی عاجلانہ موت کی وجہ سے یہ معاملہ غیر مکمل رہ گیا۔ ان کی نرمی اور چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے عہد میں دوسری صدی کے آغاز میں بنو عباس کی مخفی دعوت کا سلسلہ قائم ہوا۔ یزید بن عبدالملک ان کا جانشین ہوا اور اس کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا جس کے زمانے میں زید بن علی بن الحسین نے خلافت کا مطالبہ کیا اور اس طرح ان کی ذات سے فتنہ علویہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن وہ اس ناکامیاب مقصد کے لیے مقتول ہوئے اور ان کے بعد ہی ان کے فرزند یحییٰ بن زید بھی قتل کئے گئے۔ ہشام بن عبدالملک کے دَور میں عباسیہ کی مخفی دعوت نے نشو و نما پائی، جس نے اخیر میں سلطنتِ بنوامیہ کا خاتمہ کر دیا۔ غرض اس دَور میں عالمِ اسلامی کا جو حال تھا اس کا اجمالی خلاصہ یہ ہے :-

**اس دَور کی امتیازی خصوصیات** اس دَور کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں :-

(۱) مسلمانوں میں سیاسی حیثیت سے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہیں، فرقہ بندیاں قائم ہو گئیں،

Marfat.com

اس لیے خارجی اور شیعی دونوں فرقوں کے رجحانات و میلانات بالکل الگ الگ تھے۔ شیعوں کا میلان حضرت علیؓ، اہل بیت اور ان کی جماعت کی طرف تھا اور یہ لوگ ان کے دشمنوں پر لعنت ملامت کرتے تھے اور بسا اوقات اس سے بڑھ کر ان کو کافر کہتے تھے اور ان سے برائت کرتے تھے۔ ان حالات میں یہ بدیہی بات ہے کہ ان لوگوں کی نگاہ میں ان لوگوں کے اقوال و آراء کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ لیکن خوارج کا میلان حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء کی طرف تھا اور یہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے دوستوں سے برائت کا اظہار کرتے تھے اور اس وجہ سے ان لوگوں میں سے کسی کی رائے کو حجت و دلیل نہیں سمجھتے تھے۔ طرفدارانِ معاویہؓ یا عام مسلمان ان دونوں فرقوں سے نفرت رکھتے تھے اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے ان اختلافات نے استنباطِ احکام پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔

(۲) علمائے اسلام عام طور پر اسلامی شہروں میں پھیل گئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے نکل کر بعض صحابہؓ نے معلم اور بعض نے قاری کی حیثیت سے دوسرے اسلامی شہروں میں سکونت اختیار کر لی، یہاں تک کہ یہ نئے شہر ان کے وطن تسلیم کر لیے گئے۔ ان کی تعلیم و ارشاد کے ذریعہ سے کبار تابعین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جو فتویٰ میں ان کی شریک ہوئی اور خود صحابہؓ نے بھی اس منصب میں ان کے حقِ شرکت کو تسلیم کر لیا اور انہوں نے اپنی علمی مشغولیت اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے جو درجہ حاصل کیا تھا اس کو بلند کر دیا۔ اگر مکہ اور مدینہ کا وجود نہ ہوتا، اگر مسلمانوں کے دلوں میں ان دونوں کی عام وقعت نہ ہوتی، اگر مکہ حج کا مقام نہ ہوتا اور مختلف العقیدہ اور مختلف المیلان مسلمان وہاں آمد و رفت نہ رکھتے تو دُور دراز شہروں کے علماء میں علمی تعلق قائم نہ ہو سکتا۔

(۳) چونکہ روایتِ حدیث کی رکاوٹ کا سبب دُور ہو گیا اس لیے روایتِ حدیث کا عام رواج ہو چنانچہ خلفائے راشدینؓ کے بعد جو صحابہؓ رہ گئے تھے ان کے پاس دوسرے شہروں سے لوگ فتویٰ اور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے۔ تمدن کی وسعت نے بہت سی نئی ضرورتیں پیدا کر دی تھیں جن کے احکا کے متعلق ان کو مجبوراً تحقیقات کرنی پڑتی تھیں اور اس حالت میں صحابہؓ اور ان کے شرکائے فتویٰ یعنی

Marfat.com

کبار تابعینؒ کے سوا ان کا کوئی دوسرا ٹھکانہ نہ تھا۔ اس لیے ان حدیثوں کے ذریعے سے جو ان کو یاد تھیں ان کو فتویٰ دینا پڑتا تھا لیکن ان میں بعض حدیثوں کو تو انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا اور بعض حدیثیں کبار صحابہؓ سے سُنی تھیں۔ اس دَور کے اصحابِ فتاوی سے حدیثوں کی ایک بہت بڑی تعداد روایت کی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں بعض مفتیوں کی حدیثیں ہزاروں سے زیادہ ہیں۔ مثلاً مسند ابی ہریرہؓ ۲۱۳ صفحوں میں، مسند احمد بن حنبل اور مسند عبداللہ بن عمر ۱۵۶ صفحوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور اسی کے قریب اس دَور کے اور صغار صحابہؓ کا حال ہے۔ حالانکہ مسند ابی بکرؓ ۱۴ صفحوں میں لکھا ہوا ہے اور حضرت عمرؓ جو دَورِ اوّل کے امام المفتیین تھے، ان کا مسند ۴۱ صفحوں میں درج ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فتویٰ میں ان کے ہم پایہ تھے لیکن ان کا مسند صرف ۸۵ صفحوں میں آیا ہے۔ لیکن کسی ایک شہر بلکہ کسی ایک کتاب میں یہ تمام حدیثیں مجموعی طور پر نہیں پائی جاتی تھیں۔ کیونکہ جو صحابہؓ فتویٰ دینے والے تھے، وہ جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں، مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس لیے جو بزرگ جس شہر میں آئے اس کے باشندوں نے ان سے روایت کی اور اس لیے ایک شہر میں جن حدیثوں کی روایت کی گئی وہ دوسرے شہر والوں کو نہ مل سکی۔ مثلاً مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ رہتے تھے۔ مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قیام تھا۔ فسطاط میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ رہتے تھے۔ بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ اور کوفہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ سکونت پذیر تھے۔ ان میں ہر ایک کے پاس احادیثِ نبویہ کا جو ذخیرہ تھا وہ انہی کے مطابق لوگوں کو فتویٰ دیتا تھا۔ اس موقع پر مختلف شہروں کے علماء کے درمیان علمی تعلقات کے قائم رکھنے میں گذشتہ سبب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ خانہ کعبہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ غرض کہ ان تینوں امتیازی خصوصیات نے فتویٰ میں بہت سے اختلافات پیدا کر دیئے اور ان میں ہر ایک خصوصیت اختلاف کے پیدا کرنے کا قوی سبب بن گئی۔ مثلاً ان خصوصیات نے شیعیوں کے لیے الگ، خوارج کے لیے الگ اور تمام اُمّت کے لیے الگ الگ قاعدے پیدا کر دیئے، جو باہم ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

Marfat.com

(۴) احادیث کی روایت میں جھوٹ کا رواج ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو اسی کا ڈر تھا۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں طاؤس سے یہ سند روایت کی ہے کہ بشیر بن کعب، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے حدیث بیان کرنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ "یہ یہ حدیثیں دوبارہ بیان کرو۔" چنانچہ اس نے ان کو دوبارہ بیان کیا۔ اس کے بعد پھر ان کے سامنے حدیث بیان کی۔ انہوں نے فرمایا کہ "یہ یہ حدیثیں دوبارہ بیان کرو۔" اس کے بعد بشیر بن کعبؓ نے کہا کہ "مجھے معلوم نہ ہوا کہ آپ نے میری کل حدیثوں کو تو تسلیم کر لیا اور صرف اس حدیث کو مردود قرار دیا یا میری کل حدیثوں کو مردود خیال فرمایا اور صرف اس حدیث کو تسلیم کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا، تو ہم آپ سے حدیثوں کی روایت کرتے تھے لیکن جب ہر سرکش اور فرماں بردار اونٹ پر چڑھنے لگے (یعنی ہر قسم کی جھوٹی سچی حدیثیں بیان کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے روایتِ حدیث کرنا چھوڑ دیا۔

امام مسلمؒ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور حدیث بیان کرنے لگا، اور "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہنے لگا۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نہ تو اس کی حدیث کو سنتے تھے اور نہ اس کی طرف دیکھتے تھے۔ اس پر اس نے کہا "اے ابن عباس یہ کیا بات ہے کہ آپ میری حدیث کو نہیں سنتے۔ میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کان نہیں دھرتے۔" بولے "ایک مدت تک ہمارا یہ حال تھا کہ جب کسی آدمی کو "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے ہوئے سنتے تھے تو اس کی طرف فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور ہم اس کی طرف اپنے کانوں کو جھکا دیتے تھے۔ لیکن جب لوگ ہر سرکش اور فرماں بردار اونٹ پر چڑھنے لگے تو ہم لوگوں سے صرف ان حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جن کو ہم خود جانتے ہیں۔

امام مسلمؒ نے ابن ابی ملیکہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خط لکھا جس میں یہ درخواست کی کہ وہ مجھے ایک کتاب لکھ دیں اور جن چیزوں میں اختلاف ہو ان کو چھوڑ

دیں۔ بولے خیر خواہ لڑکا ہے میں اس کے لیے چند چیزوں کا انتخاب کر دوں گا اور اختلافی چیزوں کو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے طلب کیے اور ان میں سے چند فیصلے لکھنے لگے، لیکن بعض فیصلوں پر گذرتے تھے تو کہتے تھے کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ اسی وقت کیا ہو گا جب وہ گمراہ ہو گئے ہوں گے۔ (یعنی چونکہ وہ گمراہ نہیں ہوئے اس لیے یہ فیصلہ بھی ان کا نہیں ہے)

امام مسلمؒ نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ "حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک (لمبی) کتاب آئی جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے تھے۔ انہوں نے سب کو مٹا دیا اور صرف ایک ہاتھ کے برابر قائم رکھا۔

امام مسلمؒ نے ابو اسحٰقؒ سے یہ روایت کی ہے کہ جب لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد یہ باتیں پیدا کیں تو اصحاب علیؓ میں سے ایک شخص نے کہا کہ "ان پر خدا کی لعنت ہو، انہوں نے کیسے علم کو برباد کر دیا۔"

امام مسلمؒ نے ابو بکر بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے مغیرہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایتِ حدیث کرتے تھے ان میں صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کی تصدیق کی جاتی تھی۔

امام مسلمؒ نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ لوگ رواۃ حدیث سے پہلے سند کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنہ فساد ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو اپنے رواۃ کا نام بتاؤ تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ اہلِ سنت ہیں اور ان کی حدیث قبول کی جائے۔ اور یہ دیکھا جائے کہ وہ اہلِ بدعت ہیں اور ان کی حدیث قبول نہ کی جائے۔

امام مسلمؒ نے ابو الزناد اور عبداللہ بن ذکوان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے مدینہ میں سو آدمی پائے جن میں سب کے سب مامون تھے لیکن ان کی حدیث نہیں قبول کی جاتی تھی، کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہیں۔

امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا۔

Marfat.com

جریر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جابر بن یزید جعفی سے ملا لیکن میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ وہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا۔

زہیر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں لیکن ان میں سے میں نے ایک کو بھی بیان نہیں کیا۔ اس کے بعد ایک روز ایک حدیث بیان کی اور کہا کہ یہ ان ہی پچاس ہزار حدیثوں میں سے ہے۔

سفیان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے جابر کو سُنا کہ وہ تقریباً تیس ہزار حدیثوں کی روایت کرتے ہیں لیکن میں ان میں سے کسی کا ذکر جائز نہیں سمجھتا، اگرچہ میرے پاس یہ یہ حدیثیں ہیں۔

امام مسلمؒ نے ہمام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابوداؤد اعمیٰ آئے اور کہنے لگے کہ "ہم سے براء نے حدیث بیان کی۔" ہم سے زید بن ارقمؓ نے حدیث بیان کی۔" ہم نے قتادہؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا" اس نے جھوٹ کہا اس نے ان لوگوں سے نہیں سُنا۔ اس وقت وہ ایک سائل تھا، طاعون کے زمانہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔

روایت ہے کہ ابوجعفر ہاشمی مدنی سچ باتوں کے متعلق حدیثیں بنایا کرتے تھے باوجودیکہ وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثیں نہیں ہوتی تھیں لیکن وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی سے ان کی روایت کرتے تھے۔

ان کے علاوہ اسی قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں اور ان سے ان اسباب کا پتہ چلتا ہے جن کے لیے ان لوگوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف جھوٹی روایتیں منسوب کیں۔ امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے کہ" جھوٹ روایت کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف جھوٹی حدیثوں کو منسوب کرتے تھے اور ان کی بھی چند قسمیں ہیں :

(۱) بعض لوگ مثلاً زنادقہ اور ان کے امثال جو دین کے وقار کو تسلیم نہیں کرتے تھے اپنے ترفع یا دین کی تحقیر کی غرض سے حدیثیں وضع کرتے تھے۔

Marfat.com

(۲) جاہل مستعبدین یعنی جاہل عبادت گذار لوگوں نے بزعم خود نیک اور دینی کام سمجھ کر فضائل اور مذہبی ترغیبات کے متعلق حدیثیں وضع کیں۔

(۳) بدکار محدثین نے عجیب عجیب حدیثیں بیان کرنے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے حدیثیں بنائیں۔

(۴) بدعتیوں کے مبلغین اور مذاہب کے متعصبین نے تعصب یا اپنے مذہب پر دلیل قائم کرنے کے لیے حدیثیں گھڑیں۔

(۵) بعض لوگوں نے اہلِ دنیا کی خواہشوں کی پیروی اور ان کے افعال پر شرعی عذر قائم کرنے کے لیے جعلی حدیثیں بنائیں۔

جو لوگ اہلِ فن ہیں اور رواۃ حدیث کا علم رکھتے ہیں ان کے نزدیک ان تمام طبقات میں ہر طبقہ کی ایک ایک جماعت بالتعیین موجود تھی۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو خود متنِ حدیث کو تو وضع نہیں کرتے تھے لیکن متن ضعیف کے لیے ایک مشہور اور صحیح سند گھڑ لیا کرتے تھے اور بعض لوگ اسانید کو الٹ پلٹ دیتے تھے یا ان میں اضافہ کر لیتے تھے اور جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ دوسروں کو متحیر کر دیں یا اپنے اوپر جہالت کا الزام نہ آنے دیں۔

بعض لوگ ان حدیثوں کے متعلق جن کو انہوں نے نہیں سُنا تھا اور ان اشخاص کی نسبت جن سے انہوں نے ملاقات نہیں کی تھی، جھوٹ موٹھ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انہوں نے ان حدیثوں کو سُنا ہے اور ان اشخاص سے ملاقات کی ہے اور اس طرح ان کی سند سے ان کی صحیح حدیثوں کی روایت کرتے تھے۔

بعض لوگ صحابہؓ وغیرہ کے کلام اور عرب اور حکماء کے حکمت آمیز مقولوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ غرض اس دور میں اس قسم کے لوگ بکثرت موجود تھے۔ اور جب حضرت ابن عباسؓ ہی کے زمانہ میں جب کہ اسلام بالکل تر و تازہ تھا، یہ حالت پہنچ گئی تھی جس کی نسبت انہوں نے مذکرہ بالا اقوال کہے، تو جابر جعفی کی نسبت جو یہ کہتا تھا کہ اس کے پاس پچاس ہزار حدیثیں اور بعض روایات کے رُو سے ستر ہزار حدیثیں ہیں جن کو وہ محمد بن باقر بن حسین بن علی سے روایت کرتا ہے۔ تو تمہارے دل میں کیا خیال پیدا ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

سیاسی اختلاف اور تعصب مذہبی کی بنا پر جو لوگ ان مذاہب میں غلو رکھتے تھے ان میں بہت سے لوگوں نے اپنے عقائد و اعمال کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی حدیثوں کی روایت کرنا اپنے لیے جائز کر لیا تھا۔ اس وقت شیعہ، خارجی اور عام مسلمان سبھی موجود تھے اور ہر فرقہ میں خبیث الباطن اشخاص پائے جاتے تھے۔ البتہ ان میں خوارج کم دروغ گو ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کے اصول کے رُو سے گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دروغ گوئی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس لیے ان میں اس قسم کی جرأت کرنے والے اشخاص بمشکل نظر آتے ہیں۔

اسی وقت نے آئندہ دَور میں اہلِ حدیث کے کام کو بہت زیادہ سخت کر دیا اور تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے ان آمیزشوں سے حدیث کو کیونکر پاک کیا اور ان کو اس معاملہ میں کس قدر کامیابی ہوئی۔

(۵) تعلیم یافتہ غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہو گئی۔ چنانچہ بہت سے ایرانی، رومی اور مصری لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے جو موالی کے لقب سے مشہور تھے۔ کیونکہ جو شخص جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا وہ اس کا "مولیٰ" ہوتا تھا۔ ان میں بعض لوگ تو ایسے تھے جو غلام بنائے گئے تھے اور بعض لوگ غلام بنانے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے بہت سے لڑکوں کو بھی گرفتار کیا، ان کو اپنے زیرِ تربیت رکھا اور ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی۔ چنانچہ ان لوگوں نے قرآن و حدیث کو یاد کیا، ان کو سمجھا اور اس معاملہ میں ان کو لکھنے پڑھنے کی جو استعداد حاصل تھی، اس سے کام لیا۔ اس وقت عام عربی اسلامی جماعت میں اگرچہ سخت قومی تعصب موجود تھا، بایں ہمہ انہوں نے مجبوراً ان کی عزت کی اور ان کے فتووں اور ان کی روایتوں کو تسلیم کیا۔ یہ لوگ تمام اسلامی شہروں میں موجود اور علم اور تعلیم صحابہؓ اور عرب کے کبار تابعین کے شریک تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ان کے راوی اور مولیٰ عکرمہؒ کا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ان کے مولیٰ نافع کا اور حضرت انس بن مالکؓ کے ساتھ ان کے مولیٰ محمد بن سیرینؒ کا اور حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ ان کے راوی عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے۔ اور صحابہؓ میں یہی چاروں بزرگ ہیں جن سے اکثر حدیثیں اور اکثر فتوے منقول ہیں اور ان کے

Marfat.com

چار موالی کو اس حیثیت سے بہت بڑی عزت حاصل ہے۔ اگرچہ یہ خیال غلط ہے کہ فقہ اور روایت حدیث میں عرب کا حصہ عجمیوں سے کم ہے، بلکہ اس معاملہ میں دونوں برابر کے شریک تھے۔ چنانچہ کوئی شہر ایسا نہ تھا جس میں دونوں فریق کی وافر تعداد موجود نہ ہو۔ تاہم بعض شہر مثلاً بصرہ میں موالی کو امتیاز حاصل تھا اور حسن بن الحسن البصری ان کے سردار تھے اور بعض شہر مثلاً کوفہ میں فقہائے عرب نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

(۲) رائے اور حدیث کے درمیان نزاع پیدا ہوا اور ان دونوں میں سے ہر ایک اصول کے الگ الگ حامی پیدا ہو گئے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ دورِ اوّل میں کبار صحابہؓ اپنے فتووں میں پہلے قرآن مجید پر اس کے بعد حدیث پر اعتماد کرتے تھے۔ لیکن جب ان دونوں میں کوئی حکم نہیں ملتا تھا تو رائے کے ساتھ جس کو وسیع معنوں میں قیاس کہا جا سکتا ہے، فتویٰ دیتے تھے۔ لیکن رائے کی طرف ان کا میلان بہت زیادہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے رائے کی برائی منقول ہے۔ ہم نے اوپر یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ قابلِ عمل رائے کیا ہے اور مذموم رائے کس کو کہتے ہیں؟ یہ دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جو فتوے کو صرف حدیث تک محدود رکھتے تھے اور اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ یہ لوگ ہر مسئلہ میں انہی حدیثوں کے رُو سے فتوے دیتے تھے جو ان کو ملتی تھیں۔ خود ایسے روابط موجود نہ تھے جو باہم مسائل کی شیرازہ بندی کر سکیں۔ لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا جو شریعت کو ایک عقلی اور اصولی چیز سمجھتا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ بھی حتی المقدور عمل بالکتاب والسنہ میں پہلے لوگوں کے مخالف نہ تھے تاہم چونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ شریعت کے عقلی وجوہ سمجھ میں آ سکتے ہیں اور وہ ایسے مضبوط اصول پر قائم ہے جو خود قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں، اس لیے جب ان کو قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ملتی تھی تو فریقِ اوّل کی طرح ان کو رائے سے فتویٰ دینے میں کوئی باک نہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ احکام شرعیہ کے علل و اسباب اور ان کے مقاصد و اغراض کو سمجھنا چاہتے تھے اور بسا اوقات اصولِ شریعت کے مخالف ہونے کی بناء پر بعض حدیثوں کو بالخصوص جب دوسری حدیثیں ان کے معارض و مخالف ہوتی تھیں، رد کر دیتے تھے۔

اہلِ عراق میں اس اصول کا زیادہ رواج ہوا۔ چنانچہ ربیعہ بن فروخ نے تابعین فقہائے اہلِ مدینہ

کے شیخ حضرت سعید بن مسیبؒ سے عورت کی انگلیوں کی دیّت کے متعلق سوال کیا کہ عورت کی ایک انگلی کی دیت کیا ہے؟ انہوں نے کہا "دس اونٹ"۔ بولے "تو پھر دو انگلیوں کی دیّت کیا ہوگی؟ فرمایا "بیس اونٹ"۔ بولے تو پھر تین انگلیوں کی دیّت کیا ہوگی؟ جواب دیا "تیس اونٹ"۔ بولے تو پھر چار انگلیوں کی دیّت کس قدر دینا ہوگی؟ انہوں نے کہا "بیس اونٹ"۔ بولے "تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ جب اس کے زخم زیادہ ہوئے تو اس کی دیّت کم ہوگئی"۔ اب حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایا کہ "تم عراقی تو نہیں ہو؟ سنت یہی ہے"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن المسیّب کے نزدیک ثلث دیّت تک عورت کی دیّت مرد کی دیّت کے مساوی ہے۔ لیکن جب وہ ثلث سے بڑھ گئی تو عورت کی دیّت مرد کی دیّت کی آدھی ہوگی۔ اگرچہ اس کا نتیجہ عقل کے مطابق نہیں ہے تاہم چونکہ ان کے نزدیک فقہی احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں ہے اس لیے انہوں نے اس مسئلہ کو ظاہری صورت پر قائم رکھا ہے، یعنی تین انگلیوں کی دیّت چونکہ ثلث دیّت (کے سو اونٹ) سے کم ہے اس لیے عورت کی تین انگلیوں کی دیّت تیس اونٹ ہیں۔ لیکن چار انگلیوں کی دیّت ثلث دیت سے زیادہ ہے، اس لیے وہ مرد کی دیّت کی نصف یعنی بیس اونٹ ہوگی۔ لیکن یہ ایک ایسا نتیجہ ہے جس کی وجہ ربیعہ نے نہیں سمجھی اور حضرت سعید بن المسیبؒ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ لیکن حضرت سعید بن المسیّبؒ کو یہ سوال پسند نہ آیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ربیعہ ان لوگوں میں ہیں جو باوجود نصِّ صریح کے فقہی احکام میں جیسا کہ اہلِ عراق کا عام طریقہ ہے، رائے کو دخل دیتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ تم عراقی تو نہیں ہو۔ اس مسئلہ میں اہلِ عراق کا فتویٰ یہ ہے کہ جس طرح جان سے مار ڈالنے میں عورت کی دیّت مرد کی دیّت کی آدھی ہے (یعنی پچاس اونٹ)، اسی طرح ہاتھ پاؤں میں بھی اس کی دیّت مرد کی دیّت سے نصف ہے۔ وہ لوگ اس مسئلہ میں اس نتیجہ کو جو عقل کے مخالف ہے، چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن المسیبؒ کے قول میں سنّت سے مراد حضرت زید بن ثابتؓ کی سنّت ہے کیونکہ وہی یہ فتویٰ دیتے تھے۔

غرض اہلِ حدیث اور اہلِ رائے کا مسلک یہ تھا کہ اوّل گروہ صرف ظواہر نصوص سے غرض رکھتا تھا لیکن ان کے عِلل و اسباب سے بحث نہیں کرتا تھا اور رائے سے بہت کم فتویٰ دیتا تھا۔

Marfat.com

لیکن جو لوگ اہل الرائے تھے وہ احکام کے علل و اسباب کا سراغ لگاتے تھے۔ اصول کے ذریعہ سے باہم مسائل کی شیرازہ بندی کرتے تھے اور جب ان کو کوئی حدیث نہیں ملتی تھی تو رائے سے فتویٰ دینے میں ان کو کوئی تامل نہ تھا۔ ملکی تقسیم کے لحاظ سے اکثر اہلِ حجاز اہلِ حدیث اور اکثر اہلِ عراق اہل الرائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ربیعہ نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے حکم کی علت دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ "تم عراقی تو نہیں ہو؟"

فقہائے عراق میں جن لوگوں نے رائے و قیاس میں شہرت حاصل کی ان میں ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی فقیہ عراق بہت شہرت رکھتے ہیں۔ وہ عراق کے مشہور فقیہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کے استاد تھے اور اپنے ماموں علقمہ بن قیس النخعی الکوفی سے جو طبقۂ اولیٰ کے قدماء فقہائے تابعین میں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برگزیدہ اصحاب میں تھے، فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ابراہیم کوفہ کے محدث اور کوفہ کے عالم حضرت عامرؓ بن نعیم شراحیل الشعبی کے معاصر تھے۔ لیکن دونوں کی حالتیں بالکل الگ الگ تھیں۔ یعنی امام شعبی بالکل اہلِ حدیث تھے اور جس مسئلہ میں شارع کی کوئی نص صریح نہ پاتے تھے اس کے متعلق فتوے دینے سے ہچکچاتے تھے اور رائے کو مکروہ سمجھتے تھے چنانچہ ایک بار انہوں نے فرمایا کہ اگر احنف بن قیس (جو عرب کا بہت بڑا حلیم اور عاقل شخص تھا) کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ قتل کر دیا جائے، تو آیا ان دونوں کی دیّت برابر ہو گی یا عقل و حلم کی بناء پر احنف کو ترجیح دی جائے گی؟ لوگوں نے کہا نہیں، دونوں کی دیت مساوی ہو گی۔ بولے تو پھر قیاس کوئی چیز نہیں۔ غرض ان دونوں بزرگوں میں فرق یہ ہے کہ امام شعبیؒ اور ان کے ہم مشرب اہلِ حدیث سے آگے قدم نہیں بڑھاتے اور مسائل میں حدیث موجود ہو یا نہ ہو لیکن رائے سے فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ ان کے نزدیک عقل ان مسائل کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی اور شارعؑ نے ان احکام میں معیّنہ مصالح کا لحاظ نہیں کیا ہے جن کی طرف وہ فتویٰ دیتے وقت رجوع کر سکیں۔ گویا ان کے نزدیک اصولی حیثیت سے احکامِ شرعیہ میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اہلِ حدیث کے شیخ حضرت سعید بن المسیبؒ سے ربیعہ نے انگلیوں کی دیت کے متعلق جب عقلی وجہ پوچھی تو ان کو رنج پہنچا اور چونکہ وہ شریعت کے علل و اسباب کا

Marfat.com

سراغ لگاتے تھے، اس لیے اہلِ مدینہ ربیعہ کو "ربیعۃ الرائے" کہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار قاضی عبداللہ بن سوار نے کہا کہ "مجھ کو ربیعہ سے زیادہ کوئی شخص رائے کا عالم نظر نہیں آتا" تو ان سے کہا گیا کہ "حسن اور ابن سیرین بھی نہیں؟" بولے "حسن اور ابن سیرین بھی نہیں"۔ لیکن ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہم مشرب تمام فقہائے عراق اور بعض فقہائے مدینہ بھی اگرچہ فتاویٰ میں قرآن و حدیث پر اعتماد کرتے ہیں، تاہم ان کا خیال یہ ہے کہ شریعت کے حکم و مصالح ہیں جن کے حاصل کرنے کے لیے وہ قائم کی گئی ہے، اور ان لوگوں کے لیے ان مصالح کا لحاظ رکھنا جائز ہے۔ اس بنا پر جن مسائل میں انہوں نے قرآن و حدیث کا کوئی صریح حکم نہیں پایا ان کے استنباط کے لیے انہوں نے انہی مصالح کو سنگِ بنیاد قرار دیا۔ صحابہؓ کی بہترین مثال بھی ان کے سامنے تھی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے سامنے بہت سے ایسے مسائل پیش ہوئے جن کے متعلق قرآن و حدیث کی کوئی تصریح موجود نہ تھی تو انہوں نے ان میں قیاس سے کام لیا اور ان کی یہ رائیں انہی مصالح کے لحاظ کرنے کا نتیجہ تھیں۔

اہل الرائے پر اہلِ حدیث کا اعتراض یہ تھا کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر بعض حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن یہ ان پر اتہام ہے۔ ہم کو اہل الرائے میں کوئی شخص ایسا نہیں نظر آتا جس نے اس حدیث پر جو اس کے نزدیک ثابت ہو گئی ہو، قیاس کو ترجیح دی ہو۔ البتہ بعض اہل الرائے ایسے تھے جن سے یا تو مسئلہ میں کسی حدیث کی روایت ہی نہیں کی گئی یا روایت تو کی گئی لیکن انہوں نے اس کی سند پر اعتماد نہیں کیا اور اپنی رائے سے فتویٰ دے دیا۔ اس لیے بسا اوقات یہ فتویٰ اس حدیث کے مخالف ہوتا تھا جو ان کو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی لیکن انہوں نے اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا تھا یا ایک حدیث جو ان کی نگاہ میں اس حدیث سے قوی تر تھی، اس کے مخالف تھی۔ مثلاً حضرت سفیانؒ بن عیینہ نے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ مکہ میں دار الحناطین میں ملے تو امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ تم لوگ رکوع میں جانے اور رکوع سے کھڑے ہونے کے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہؒ نے کہا "اس لیے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا "کیوں نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے، زہری سے سالم نے اور سالم نے اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

Marfat.com

سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو جب رکوع میں جاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے، رفع یدین کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ "ہم سے حماد نے، حماد سے ابراہیم نے، ابراہیم سے علقمہ اور اسود نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز شروع فرمانے کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اس کے بعد رکوع وغیرہ میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ امام اوزاعیؒ نے کہا کہ "میں زہری، سالم اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے روایت کرتا ہوں اور آپ حماد اور ابراہیم کا نام لیتے ہیں۔" امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ "حماد زہری سے زیادہ اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اگرچہ صحبت یا فضلِ صحبت حاصل تھا تاہم علقمہؒ ان سے کم نہیں۔ اسود کو بھی بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔" یہ سن کر امام اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔

بغیر اس کے کہ ہم اس گفتگو پر کچھ ردّ و قدح کریں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے مقابل میں کیا دلیل رکھتا تھا اور نیز یہ کہ دونوں فریق جب قابلِ اعتماد روایت پا جاتے تھے تو حدیث کی حد سے آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے۔

اسی بناء پر ضمانِ مصراۃ[1] میں اہل الرائے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مشتری کو چاہیئے کہ اس کو مع اس دودھ کی قیمت کے جس کو اس نے دوہا ہے، واپس کر دے اور اہلِ حدیث ایک حدیث کی رُو سے جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے، یہ فتوے دیتے تھے کہ وہ اس کو ایک صاع کھجور کے ساتھ واپس کر دے۔ تو اہل الرائے یہ کہتے ہیں کہ شریعت میں تلف کردہ چیزوں کا قانونِ ضمانت یہ ہے کہ اگر تلف شدہ چیز ذوات الامثال میں سے ہو یعنی اس کا مثل مل سکتا ہو تو وہی واپس کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ ذوات القیمۃ سے ہو، یعنی اس کا مثل نہ مل سکتا ہو تو اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ لیکن اس حدیث

---

[1] مصراۃ اس مویشی کو کہتے ہیں جس کے تھن کو باندھ کر اس میں اس غرض سے دودھ جمع کر لیا جائے کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ وہ بڑی دودھ دینے والی ہے، اور اس دھوکے میں آکر وہ اس کو زیادہ قیمت پر خرید لے اور بعد تجربہ کے اس کو واپس کرنا پڑے۔ مترجم

Marfat.com

کے رُو سے تلف شدہ چیز کا ایسا تاوان دینا پڑتا ہے جو نہ اس کی مثل ہے اور نہ اس کی قیمت ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر اگر یہ حدیث اہل الرائے کو ملی ہے تو وہ اس کی صحت میں شک کرتے ہیں۔ لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان تک نہیں پہنچی ہے۔ کیونکہ قوانین عامہ کے مخالف ان کو اکثر حدیثیں ملی ہیں اور انہوں نے ان پر عمل کیا ہے اور ان کا نام استحسان رکھا ہے۔

الغرض اس دَور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مفتیوں کے دو فرقے ہو گئے ہیں یعنی اہلِ حدیث اور اہل الرائے۔ البتہ اس دَور میں مجتہدین کے پاس اجتہاد کے واضح اور معیّنہ اصول نہ تھے کیونکہ اس وقت تک علم فقہ تدوین و ترتیب کے اس درجہ تک نہیں پہنچا تھا جو اس کے لیے موزوں تھا۔

**اس دَور میں اجتہاد قرآن و حدیث**

خلفائے راشدینؓ کے متذکرہ بالا کارناموں کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کا کام مکمل کر دیا تھا۔ اس بناء پر جس طرح وہ مصاحف عثمانی میں لکھا ہوا تھا اسی طرح پڑھا جاتا تھا اور ان مصاحف سے اور بھی بہت سے مصاحف نقل کر لیے گئے تھے اور بہت سے صحابہؓ و تابعینؓ قرآن مجید کے حفظ و تعلیم میں مشہور ہو چکے تھے۔ اس لیے ان سے اس کثرت سے لوگوں نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ بعض قراء جنہوں نے اس دَور کے آخر میں شہرت حاصل کی وہ معلّمین و حفاظِ قرآن کے اسی بحر ذخار کا ایک قطرہ تھے۔

اگرچہ اس دَور میں حدیثوں کی بھی بہ کثرت روایت کی جاتی تھی اور تابعین کا ایک گروہ صرف اسی کام میں لگا ہوا تھا، تاہم وہ اب تک کسی مجموعہ کی صورت میں مدوّن نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن چونکہ تمام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی وضاحت کر کے حدیثیں فقہ کی تکمیل کرتی ہیں اور عام مسلمانوں میں کوئی اس رائے کا مخالف نہ تھا اس لیے عقلاً یہ حالت دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنے عاملِ مدینہ حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں ملیں ان کو لکھو کیونکہ مجھ کو علم اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف معلوم ہوتا ہے۔ امام مالکؒ نے محمد بن الحسنؒ کے ذریعہ سے مؤطا میں یہ روایت کی ہے لیکن ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ انہوں نے تمام

Marfat.com

ملک کے لوگوں کو لکھا کہ "حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرو اور ان کو جمع کرو۔"

اس دور میں محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے جو اکابر حفاظ حدیث میں تھے، حدیثوں کے لکھنے اور لکھوانے میں اور لوگوں سے زیادہ امتیاز حاصل کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گذشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیعیانِ علی کے پاس بھی ایک کتاب تھی جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فتادے درج تھے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی صحت پر اعتماد نہیں کیا اور فرمایا کہ "واللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔" اور اس کے بہت بڑے حصہ کو مٹا دیا اور تھوڑے سے حصہ کو قائم رکھا۔

**اس دور کے مشہور مفتی** اس دور کے مشہور مفتیوں کے نام ومقام حسب ذیل ہیں :-

**مفتیانِ مدینہ** (۱) امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

آپؐ نے ہجرت سے دو سال پہلے ان سے نکاح کیا اور حسب روایت اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی اور نو سال کی عمر میں وہ مدینہ میں آپؐ کے گھر آئیں (وہ تمام ازواجِ مطہرات میں آپؐ کی محبوب ترین بی بی تھیں) عطار بن ابی رباح کا قول ہے کہ "حضرت عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھیں اور عام مسائل میں ان کی رائے سب سے زیادہ بہتر تھی۔" حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے فقہ اور شعر کا عالم حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا" انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ چنانچہ مسند ابن حنبل میں ان کا مسند صفحہ ۲۹ سے ۲۸۲ صفحے تک ہے یعنی ۲۵۲ صفحوں میں آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اپنے گھر کے اندر کرتے تھے ان کے متعلق حضرت عائشہؓ ہی کی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے (ان کے علاوہ فقہ کے ہر حصے کے متعلق ان کی روایتیں موجود ہیں) فقہا صحابہؓ انہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ روایتیں ان کے اہلِ بیت حضرت عروہ بن زبیرؓ نے جو ان کے بھانجے تھے، اور قاسم بن محمد نے جو ان کے بھتیجے تھے، کی ہیں (حضرت عائشہؓ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔)

Marfat.com

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمر بن الخطابؓ العدوی القرشی کے بیٹے ہیں) وہ بچپن ہی میں قبل از بلوغ اپنے باپ کے ساتھ اسلام لائے) چونکہ وہ غزوۂ بدر میں بچے تھے اس لیے اس میں شریک نہ ہو سکے۔ سب سے پہلے انہوں نے غزوۂ خندق میں شرکت کی اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ساتھ غزوۂ موتہ میں بھی شریک ہوئے اور یرموک، فتح مصر اور فتح افریقیہ میں بھی شرکت کی (وہ اس قدر متبعِ سنت تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن منزلوں میں اترتے تھے ان میں وہ بھی اترتے تھے اور آپؐ نے جہاں جہاں نماز پڑھی تھی وہ بھی وہاں نماز پڑھتے تھے) یہاں تک کہ آپؐ نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا تو وہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہ ہونے پائے۔ وہ مسلمانوں کے ائمہ اور مشہور مفتیوں میں تھے۔ وہ تقویٰ اور اپنے نفس کے مرغوبات میں نہایت محتاط اور اپنے دین کے محافظ تھے، یہاں تک کہ اہلِ شام باوجودیکہ ان کی طرف بہت زیادہ مائل تھے اور ان سے سخت محبت رکھتے تھے لیکن انہوں نے خلافت کے متعلق کوئی نزاع نہیں کی اور فتنہ و فساد کے زمانے میں کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب لڑائیوں میں سخت دشواریاں پیش آئیں اس وقت بھی وہ ان کے حامی بن کر کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن اس کے بعد ان کو اس پر ندامت ہوئی (حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کا قول تھا کہ عمرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہ کے سوا ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کو دنیا نے اپنا فریفتہ اور اس نے دنیا کو اپنا فریفتہ نہ بنایا ہو) انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثیں روایت کیں۔ انہوں نے کبار صحابہؓ سے بھی روایتِ حدیث کی اور ان سے بہت سے تابعینؒ نے حدیثیں روایت کیں۔ ان سے سب سے زیادہ ان کے فرزند سالم اور ان کے مولیٰ نافع نے روایتِ حدیث کی) امام شعبیؒ کا قول ہے کہ ابن عمرؓ حدیث میں تو بہت اچھے تھے لیکن فقہ میں بہت اچھے نہ تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اور زمانۂ حج وغیرہ میں لوگوں کو فتوے دیتے رہے (انہوں نے ۷۳ھ میں وفات پائی۔)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(ابو ہریرہ نام ہے اور عبدالرحمٰن بن صخر کے بیٹے تھے اور قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے آئے اور تادمِ مرگ آپؐ کی صحبت میں رہے اور آپؐ سے بکثرت حدیثیں روایت کیں اور کبار صحابہؓ سے بھی روایت کی) ان سے بہت سے تابعینؒ نے حدیثیں روایت کیں۔ ان سب سے زیادہ ان کے داماد حضرت سعید بن المسیبؒ اور ان کے مولیٰ اعرج نے روایت کی اور ان دونوں کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے ان سے روایتیں کیں۔ (وہ بہت بڑے عالم اور کبار ائمہ فتویٰ میں تھے۔ اس کے ساتھ بڑے جلیل القدر، عبادت گذار اور متواضع و خاکسار تھے اور صحابہؓ میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث تھے) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "اے ابوہریرہؓ تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور ہم سب سے زیادہ آپؐ کی حدیثوں کا علم رکھتے تھے" (انہوں نے ۵۸ھ میں وفات پائی) مدینہ کے صحابہؓ میں یہ تینوں بزرگ اس دور میں سب سے زیادہ روایتِ حدیث کرنے والے اور فتویٰ دینے والے تھے۔ اہلِ مدینہ کے علم کا دار و مدار انہی بزرگوں کی ذات پہ ہے اور مدینہ کے کبار تابعین نے انہی سے علم حاصل کیا ہے چنانچہ ان میں ہم مشہور مدنی تابعیوں کے نام درج کرتے ہیں :

(۱) حضرت سعید بن المسیبؒ المخزومی۔

(خلافتِ فاروقی کے دو سال بعد پیدا ہوئے اور کبار صحابہؓ سے حدیث سُنی۔ نہایت وسیع العلم، نہایت معزز، نہایت دیانت دار، نہایت حق گو اور نہایت دانش مند و فرزانہ تھے) حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ سعید بن المسیبؒ مفتیوں میں سے ایک مفتی ہیں) (قتادہ فرماتے ہیں کہ "میں نے سعید بن المسیبؒ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا) علی بن المدینی کہتے ہیں کہ مجھے تابعین میں کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جو سعید بن المسیبؒ سے زیادہ وسیع العلم ہو۔ (وہ میرے نزدیک بزرگ ترین تابعی ہیں)" وہ بادشاہوں کے عطیے نہیں قبول کرتے تھے۔ ان کی روایتیں اکثر حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں (حضرت حسن بصریؒ کو جب کسی مسئلہ میں دشواری پیش آتی تھی تو اس کو بذریعہ تحریر کے حضرت سعید بن المسیبؒ سے

Marfat.com

دریافت فرماتے تھے۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی)

(۵) حضرت عروہ بن الزبیرؓ بن العوام الاسدی۔

(حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثیں روایت کیں۔ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ وہ سیرت کے عالم اور قابلِ اعتماد حافظ الحدیث تھے۔ ان سے ان کے فرزند ہشام اور ان کے دوسرے لڑکوں نے روایتِ حدیث کی اور زہری و ابوالزناد وغیرہ علمائے مدینہ نے بھی ان سے روایتیں کیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ "میں نے ان کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔" انہوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔)

(۶) ابوبکرؓ بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام المخزومی۔

(حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ اور دوسرے صحابہؓ سے روایتِ حدیث کی اور ان سے امام زہری اور ان کے علاوہ صغار تابعین نے روایتیں کیں۔ وہ ثقہ، قابلِ استاد فقیہ، امام، کثیر الروایت اور فیاض بزرگ تھے۔ وہ نیک عبادت گذار اور با خدا شخص تھے اور ان کو "راہب قریش" کہا جاتا تھا۔ ۹۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔)

(۷) حضرت علی بن الحسینؓ بن علی بن ابی طالب الہاشمی۔

(وہ شیعیوں کے اماموں میں چوتھے امام ہیں اور زین العابدین کے نام سے مشہور رہیں۔ انہوں نے اپنے باپ، اپنے چچا حسنؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباس وغیرہ سے روایت کی ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ "میں نے علی بن الحسینؓ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔" البتہ وہ قلیل الحدیث تھے۔ ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ "میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہیں دیکھا۔" حضرت سعید بن المسیبؓ سے مروی ہے کہ "میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا۔" انہوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔)

(۸) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ۔

(حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ باوجود امام فقہ ہونے کے عمدہ شاعر بھی تھے۔ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے اتالیق ہیں۔ امام زہری کا قول ہے کہ

Marfat.com

"عبیداللہ علم کے دریاؤں میں سے ایک دریا تھے۔" انہوں نے ۹۸ھ میں وفات پائی۔)

(۹) حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ۔

(اپنے باپ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سعید بن المسیبؓ وغیرہ سے حدیث سُنی۔ ان کے باپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے اور ان کے بارے میں کہتے تھے:

یلوموننی فی سالم و الومھم      وجلدۃ بین العین والانف سالم

لوگ مجھ کو سالم کے بارے میں ملامت کرتے ہیں اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں، حالانکہ آنکھ اور ناک کے درمیان کا چمڑا سالم ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "اس زمانہ میں زہد و فضل میں سلف صالحین کا مثل ان سے زیادہ کوئی نہ تھا۔" وہ اپنے باپ کی روش پر چلتے تھے اور ان ہی کی طرح سادہ و متقشف تھے۔ ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔)

(۱۰) حضرت سلیمان بن یسار مولیٰ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا۔

(حضرت میمونہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ سے روایت کی۔ حسن بن محمد بن الحنفیہ کا قول ہے کہ "وہ ہمارے نزدیک سعید بن المسیبؓ سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔" بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعید بن المسیبؓ کے پاس مستفتی آتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ تم کو سلیمان بن یسار کے پاس جانا چاہیے۔" امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "وہ لوگوں کے عالم تھے۔" ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔)

(۱۱) قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ۔

(اپنی پھوپھی حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے حدیث سنی۔ ان کی پھوپھی حضرت عائشہؓ نے ان کی پرورش کی۔ یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ "ہم نے مدینہ میں کسی شخص کو ایسا نہیں پایا جس کو قاسم پر ترجیح دیں۔" ابوالزناد کہتے ہیں کہ "میں نے کسی فقیہ کو ان سے زیادہ عالم اور کسی کو ان سے زیادہ حدیث کا ماہر نہیں دیکھا۔" ابن عیینہ کا قول ہے کہ "قاسم اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھے۔" ابن سعد کہتے ہیں کہ "وہ امام، فقیہ، مستند، بلند رتبہ، متقی اور بہت سی حدیثوں کے روایت کرنے والے تھے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "اگر مجھ کو خلیفہ بنانے کا اختیار ہوتا تو اعیمش بنو تیم

Marfat.com

یعنی قاسم کو خلیفہ بناتا۔ (انہوں نے ۱۰۶ھ میں وفات پائی)

(۱۲) حضرت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ۔

(اپنے مولیٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو مصر بھیجا تھا کہ وہاں کے لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیں۔ وہ حضرت سالمؒ کی زندگی میں فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے تیس سال تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت کی۔ وہ نسباً دیلمی تھے اور ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔)

(۱۳) محمد بن مسلم المعروف با بن شہاب زہری۔

(۵۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہ سے روایت حدیث کی۔ لیث بن سعد کا قول ہے کہ میں نے زہری سے زیادہ جامع علم کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ترغیب کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ان کے سوا کوئی اس خوبی سے ان حدیثوں کو بیان نہیں کر سکتا) اور اگر عرب اور انساب کے متعلق روایت کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ صرف وہی اس عمدگی کے ساتھ اس کام کو کر سکتے ہیں۔ وہ قرآن وحدیث کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "زہری سے زیادہ گذشتہ حدیثوں کا عالم کوئی باقی نہیں رہا۔" امام مالک کہتے ہیں کہ "ابن شہابؒ نے زندگی اس طرح بسر کی دنیا میں ان کا کوئی مثل نہ تھا۔" حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ "وہ لوگوں میں سب سے زیادہ فیاض تھے۔" وہ ہشام بن عبدالملک کے لڑکے کو تعلیم دیتے تھے اور اس کی ہم نشینی کرتے تھے۔ ہشام نے ان سے خواہش کی کہ اس کے بعض لڑکوں کو چند حدیثیں لکھوا دیں۔ انہوں نے اس کو چار سو حدیثیں لکھوا دیں۔ پھر وہ ایک مہینہ کے بعد اس سے ملے تو اس نے کہا کہ وہ کتاب گم ہو گئی۔ انہوں نے ایک کتاب منگوائی اور اس کو لکھوایا۔ پھر اس نے پہلی کتاب سے مقابلہ کیا تو انہوں نے ایک حرف بھی نہیں چھوڑا تھا (امام مالکؒ کا بیان ہے کہ ابن شہاب مدینہ میں آئے تو ربیعہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں دفتر میں گئے۔ لیکن جب عصر کے وقت اس سے نکلے تو ابن شہاب یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ "میرے خیال میں ربیعہ کا مثل مدینہ میں کوئی نہیں ہے" اور ربیعہ یہ کہتے ہوئے چلے کہ

"میرے خیال میں ابن شہاب علم کے جس درجہ کو پہنچ گئے ہیں اس درجہ کو کوئی نہیں پہنچا"۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے قاسم بن محمد نے کہا کہ میں تم کو علم کا حریص پاتا ہوں تو کیا میں تم کو ایک ظرفِ علم کا پتہ بتا دوں؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا تم کو بنتِ عبدالرحمٰن کے پاس جانا چاہیئے کیونکہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کی پروردہ آغوش تھیں"۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا"۔ (امام زہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی)

(۱۴) ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین المعروف بالباقرؒ۔

وہ شیعوں کے پانچویں امام ہیں۔ اپنے باپ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ وہ اپنے زمانہ میں بنو ہاشم کے سردار تھے۔ انہوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالزناد عبداللہ بن ذکوانؒ فقیہِ مدینہ۔

(انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہؓ سے حدیث سُنی۔ لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ "میں نے ان کے پیچھے پیچھے تین سو آدمی دیکھے جن میں بعض فقہ کے اور بعض شعر وغیرہ کے طالب العلم تھے۔ اس کے بعد وہ تنہا رہ گئے اور یہ سب کے سب ربیعۃ الرائے کی طرف بڑھے"۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ اور ابوالزناد دونوں کو دیکھا لیکن ابوالزناد ان میں زیادہ فقیہ تھے۔ امام سفیان ابوالزناد کو "امیرالمومنین فی الحدیث" کہتے تھے۔ انہوں نے ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔)

(۱۶) یحییٰ بن سعید انصاریؒ۔

(حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے حدیث کی روایت کی۔ یحییٰ قطان کا قول ہے کہ وہ زہری پر مقدم ہیں۔ زہری کے متعلق اختلاف ہے اور ان کے متعلق کوئی اختلاف نہیں"۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید تمام لوگوں میں زیادہ محفوظ و محتاط ہیں۔ وہیب کہتے ہیں کہ "میں مدینہ میں آیا تو بجز یحییٰ بن سعیدؒ اور امام مالکؒ کے کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کے متعلق بُری بھلی دونوں قسم کی رائیں نہ ہوں"۔ یحییٰ بن سعیدؒ نے ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخؒ۔

Marfat.com

حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہؓ سے روایت کی۔ وہ امام، حافظ، فقیہ، مجتہد اور رائے کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اسی بنا پر ان کو "ربیعۃ الرائے" کہا جاتا تھا۔ یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ "میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو ذہین نہیں دیکھا۔ قاضی سوار بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو ربیعہ سے زیادہ رائے کا عالم نہیں دیکھا۔ میں نے کہا حسنؒ اور ابن سیرینؒ بھی نہیں۔ بولے "حسن اور ابن سیرین بھی نہیں۔" وہ نہایت فیاض تھے اور امام مالک بن انسؒ نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔

مفتیانِ مکہ

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب

ہجرت کے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا کی کہ "خدا ان کو دین میں فقیہ بنائے، ان کو تاویل سکھائے۔" اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ قرآن کے کس قدر اچھے ترجمان ہیں، اگر ان کو ہمارا سن و سال ملتا تو ہم میں کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا۔" معمر کا قول ہے کہ ابن عباسؓ کا عام علم تین بزرگوں سے ماخوذ ہے، عمرؓ، علیؓ اور ابی بن کعبؓ۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "میں جب یہ سنتا تھا کہ ایک آدمی کے پاس حدیث ہے تو اس کے پاس آتا تھا اور انتظار میں بیٹھتا تھا یہاں تک کہ جب وہ باہر نکلتا تھا تو میں اس سے پوچھتا تھا۔ اور اگر میں یہ چاہتا کہ اس سے نکلنے کی خواہش کرتا تو کر سکتا تھا۔ تفسیر اور فقہ میں اہلِ مکہ کے علم کا دار و مدار حضرت ابن عباسؓ ہی پر ہے۔ انہوں نے ۶۸ھ میں بمقام طائف وفات پائی۔

(۲) حضرت مجاہد بن جبیر مولیٰ بن مخزوم۔

حضرت سعدؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے حدیث سنی اور حضرت ابنِ عباسؓ کی خدمت میں ایک مدت تک رہے اور ان سے قرآن پڑھا۔ وہ علم کے ظروف میں سے ایک ظرف تھے۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نے ابنِ عباسؓ کو تین بار قرآن سنایا اور ان کے سامنے ہر آیت پر ٹھہرتا تھا اور پوچھتا تھا کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی؟ اور اس کا کیا واقعہ ہے؟ قتادہ کا قول ہے کہ "جو علماء رہ گئے ہیں ان میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم مجاہد ہیں۔" ان کا بیان ہے کہ

Marfat.com

"بعض اوقات ابن عمرؓ نے میرا رکاب تھاما۔" انہوں نے ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔)

(۳) حضرت عکرمہؓ مولیٰ ابن عباسؓ۔

(انہوں نے حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی اور حضرت ابن عباسؓ سے فقہ کی تعلیم پائی۔ حضرت سعید بن جبیر سے کہا گیا کہ "آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بھی زیادہ عالم ہو؟ فرمایا" ہاں عکرمہ" امام شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "عکرمہ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کوئی نہیں رہا۔ ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ خارجیوں کے ہمراہ تھے، یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ اور امام مسلمؒ نے ان سے روایتِ حدیث نہیں کی ہے۔ انہوں نے ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔)

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباح مولیٰ قریش۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں پیدا ہوئے اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے حدیث سُنی۔ وہ گھونگر دار بال والے، سیاہ، فصیح اور بہت زیادہ علم رکھنے والے تھے اور فرج میں پیدا ہوئے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ "میں نے عطاء سے زیادہ کسی کو افضل نہیں دیکھا۔" امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ "عطاء اپنی وفات کے دن اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اہلِ زمین میں لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھے۔" اسمٰعیل بن امیہ کہتے ہیں کہ "عطاء بہت دیر تک خاموش رہتے تھے لیکن جب بولتے تھے تو ہم کو معلوم ہوتا تھا کہ خدا کی جانب سے ان کی تائید کی جاتی ہے۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "اے اہلِ مکہ تم لوگ میرے پاس جمع ہوتے ہو حالانکہ تمہارے یہاں عطاء ہیں۔" انہوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت ابو الزبیر محمدؒ بن مسلم تدرس مولیٰ حکم بن حزام۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور سعید بن جبیرؓ وغیرہ سے روایتِ حدیث کی۔ یعلی بن عطاء کا قول ہے کہ "ہم سے ابو الزبیر نے حدیث بیان کی اور وہ لوگوں میں باعتبار عقل کے سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ حافظ تھے۔" عطاء فرماتے ہیں کہ "ہم حضرت جابرؓ کے پاس ہوتے تھے اور وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے۔ پھر جب ہم وہاں سے نکلتے تھے تو باہم مذاکرہ کرتے تھے اور اس حالت

ہیں ابوالزبیرؓ ہم میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث ہوتے تھے۔ انہوں نے ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیانِ کوفہ

(۱) حضرت علقمہ بن قیس النخعی فقیہ عراق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حدیث سنی اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فقہ کی تعلیم پائی اور وہ ان کے برگزیدہ ترین اصحاب میں تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "میں کوئی ایسی چیز نہیں پڑھتا اور ایسی چیز نہیں جانتا جس کو علقمہ نہ پڑھتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔" قابوس بن ابی ظبیان کہتے ہیں کہ "میں نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ صحابہؓ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں آتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے خود چند صحابہؓ کو دیکھا کہ وہ علقمہ سے پوچھتے ہیں اور ان سے فتوے لیتے ہیں۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ" وہ فقیہ، امام اور فائق تھے۔ قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے اور عبور روایت میں محتاط اور مستند اور نیک اور پرہیزگار تھے، طرز و روش وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مشابہ تھے۔ انہوں نے ۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت مسروق بن الاجداع الہمدانیؒ الفقیہ۔

وہ عمرو بن معدیکرب کے بھانجے ہیں اور حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے۔ امام شعبی کا قول ہے کہ "میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مسروق سے زیادہ علم کا طلب گار ہو۔" وہ شریح سے زیادہ فتویٰ کے عالم تھے۔ شریح ان سے مشورہ کرتے تھے اور مسروق شریح کے محتاج نہ تھے۔ انہوں نے ۶۳ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادیؒ۔

فتح مکہ کے زمانہ میں یمن میں اسلام لائے اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم حاصل کیا۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء میں وہ شریح کے مدمقابل تھے؛ عجلی کا قول ہے کہ عبیدہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ان اصحاب میں ہیں جو لوگوں کو پڑھاتے تھے اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے۔ انہوں نے ۹۲ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

(۴) حضرت اسود بن یزید النخعیؒ ۔

وہ کوفہ کے عالم اور علقمہ بن قیس کے بھتیجے ہیں۔ حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت شریح بن الحارث الکندیؒ ۔

حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور ان کے بعد اور خلفاء نے ان کو قاضی بنایا اور وہ حجاج بن یوسف کے زمانے تک قاضی رہے۔ اپنی موت سے ایک سال پہلے انہوں نے اس عہدے سے استعفاء دے دیا۔ ان کے علاوہ ہم کو کسی ایسے قاضی کا نام معلوم نہیں جو ساٹھ سال تک قاضی رہ چکا ہو۔ انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی اور ۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابراہیم بن یزید النخعیؒ فقیہ العراق ۔

علقمہؒ، مسروقؒ اور اسودؒ وغیرہ سے روایت کی اور وہ حماد بن ابی سلیمان فقیہ کے شیخ ہیں۔ وہ مخلص علماء میں تھے، شہرت سے بچتے تھے اور ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے۔ عبدالملک بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ "میں نے سعید بن جبیر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "تم لوگ مجھ سے فتویٰ لیتے ہو حالانکہ تم میں ابراہیم نخعی موجود ہیں۔" وہ علم کے متعلق صرف اسی وقت گفتگو کرتے تھے جب ان سے سوال کیا جاتا تھا۔ ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت سعید بن جبیرؒ مولیٰ والبہ ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے حدیث سنی۔ جب اہل کوفہ حج کو جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مسئلہ پوچھتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ کیا تم میں سعید بن جبیرؒ نہیں؟ وہ کسی کو اپنے پاس غیبت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ "سعید بن جبیر مرے تو روئے زمین پر کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔ ان کو ابن اشعث کی بغاوت میں حجاج نے ۹۵ھ میں قتل کیا۔

(۸) حضرت عامر بن شراحیل الشعبیؒ علامۃ التابعین۔

وہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے۔ وہ امام، حافظ، فقیہ اور مختلف علوم کے عالم تھے اور حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ وہ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے شیخ ہیں اور کوفہ کے قاضی رہ چکے ہیں۔ مکحول کہتے ہیں کہ "میں نے شعبی سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا۔" ابوحصین کا قول ہے کہ "میں نے کسی کو شعبی سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔" ابن سیرین نے ابوبکر الہذلی سے کہا کہ "شعبی کی صحبت لازم پکڑ لو، کیونکہ میں نے ان کو دیکھا کہ ان سے فتویٰ لیا جاتا تھا حالانکہ بہ کثرت صحابہؓ اس وقت موجود تھے۔" ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ شعبی صاحب آثار (یعنی صاحبِ حدیث) اور ابراہیم صاحبِ قیاس تھے۔ حضرت ابن عمرؓ شعبی کے پاس سے گذرے اور وہ مغازی کی روایت کر رہے تھے، تو فرمایا میں نے قوم کو دیکھا لیکن یہ مجھ سے زیادہ مغازی کے حافظ اور عالم ہیں۔

امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلے نیک لوگوں نے حدیث کی کثرتِ روایت کو مکروہ سمجھا ہے۔ مجھ کو جو کچھ بعد کو معلوم ہوا اگر پہلے معلوم ہوتا تو صرف ان ہی حدیثوں کو روایت کرتا جن پر اہلِ حدیث نے اتفاقِ عام کر لیا ہے۔ ابن عون کہتے ہیں کہ شعبی کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تو وہ اس سے اجتناب کرتے لیکن ابراہیم اس کی تفصیل کرتے۔" شعبی شگفتہ رُو اور ابراہیم ترش رُو تھے لیکن جب فتویٰ آتا تو شعبی ترش رُو اور ابراہیم شگفتہ رُو ہو جاتے۔ شعبی سے روایت ہے کہ "ہم لوگ فقہاء نہیں، بلکہ جب حدیث سُن لیتے ہیں تو اس کی روایت کر دیتے ہیں۔ فقیہ وہ ہے کہ جب اس کو علم ہو تو وہ اس پر عمل کرے۔" شعبی قیاس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

مفتیانِ بصرہ

(۱) حضرت انس بن مالکؓ انصاری خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ مدتوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ ان سے بہ کثرت حدیثیں مروی ہیں۔ وہ ابتدائے ہجرت سے تا دمِ مرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت ابیؓ سے علم حاصل کیا اور بہت دنوں تک زندہ رہے۔ امام بخاریؒ نے ان کی اسی حدیث اور امام مسلمؒ نے ستر حدیث کی روایت کی ہے اور دونوں نے ان کی ۱۲۸

حدیث روایت کی ہے۔ انہوں نے ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحیؒ

وہ قبیلۂ تمیم کی ایک شاخ ریاح کی ایک عورت کے مولیٰ تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیث سنی۔ ان سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجھ کو اونچی جگہ بٹھاتے تھے، حالانکہ قریش ان سے نیچے ہوتے تھے اور فرماتے تھے" علم اسی طرح حدیث کے شرف کو بڑھاتا ہے اور بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا ہے۔" انہوں نے ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت حسن بن ابی الحسن یسارؒ مولیٰ زید بن ثابتؓ

مدینہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں قرآن حفظ کیا۔ پھر بڑے ہوئے تو متصل جہاد کرتے رہے اور برابر علم و عمل کی تحصیل میں مصروف رہے۔ وہ بہت بڑے مشہور بہادر تھے اور بہت سے صحابہؓ سے حدیث روایت کی۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ "وہ عالم، بلند رتبہ، مستند، محفوظ، عبادت گذار، بڑے علم والے، فصیح، وجیہ اور خوبصورت تھے۔ وہ ان حق گو لوگوں میں تھے جو خدا کے بارے میں لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت ابوالشعثاء جابر بن زید صاحب ابن عباسؓ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "اگر اہلِ بصرہ جابر بن زید کے قول کو تسلیم کرتے تو وہ ان چیزوں کے متعلق جو کتاب اللہ میں ہیں ان کے علم کو وسیع کر دیتے۔" ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "تم مجھ سے ایک بات پوچھتے ہو حالانکہ تم میں جابر بن زید موجود ہیں۔" عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے فتویٰ کا عالم جابر بن زید سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔" روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان سے طواف میں ملے تو فرمایا کہ "اے جابر تم فقہائے بصرہ میں ہو اور تم سے فتویٰ طلب کیا جاتا ہے۔ تو صرف قرآنِ ناطق یا سنتِ ماضیہ کے رُو سے فتویٰ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خود ہلاک ہوئے اور لوگوں کو ہلاک کیا۔ انہوں نے ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) محمد بن سیرینؒ مولیٰ حضرت انسؓ بن مالک۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دو سال باقی رہ گئے تھے کہ یہ پیدا ہوئے۔ اپنے مولیٰ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ وہ فقیہ، امام، وسیع العلم، مستند، بہت بڑے معبّرِ خواب اور نہایت پرہیزگار تھے۔ مورق العجلی کا قول ہے کہ "پرہیزگاری میں ابن سیرینؒ سے زیادہ فقیہ اور فقہ میں ان سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا۔" انہوں نے ۱۱۰ھ میں امام حسن بصریؒ کے سو دن بعد وفات پائی۔

(۶) قتادہ بن دعامۃ السدوسیؒ۔

حضرت انسؓ اور حضرت سعید بن المسیبؓ وغیرہ سے روایت کی۔ وہ اندھے اور قوی الحافظہ تھے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ "قتادہ لوگوں میں سب سے زیادہ حافظ تھے۔" خود قتادہ کا قول ہے کہ "قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں میں نے کچھ نہ سنا ہو۔" امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ "قتادہ تفسیر اور اختلافِ علماء کے بہت بڑے عالم ہیں اور ان کے حفظ اور فقہ کی تعریف کی۔ ان کا ذکر نہایت طوالت کے ساتھ کیا اور کہا کہ ایسے بہت کم لوگ ملیں گے جو ان پر ترجیح رکھتے ہوں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے بیس سال سے رائے سے بالکل فتویٰ نہیں دیا۔" اس حفظ کے ساتھ وہ عربیت، لغت، ایام العرب اور انساب کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیانِ شام

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم الاشعریؓ۔

(حضرت عمرؓ اور حضرت معاذ وغیرہ سے روایت کی اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان کو لوگوں کو فقہ سکھانے کے لیے شام بھیجا اور شام کے تابعین نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ نہایت معزز سچے اور فاضل تھے۔ ۷۸ھ میں وفات پائی۔)

(۲) ابو ادریس الخولانی عائذ اللہ بن عبداللہؒ۔

یہ ان لوگوں میں ہیں جو علم و عمل دونوں کے جامع تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اور بہت سے صحابہؓ سے علم حاصل کیا۔ وہ اہلِ دمشق کے واعظ اور قاضی تھے۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ ابو ادریس فقہائے شام میں تھے۔ ۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) قبیصہ بن ذویب۔

خلیفہ عبدالملک کے مہر بردار تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ "قبیصہ اس امت کے علماء میں سے تھے۔ مکحول کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔" امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ قبیصہ لوگوں میں حضرت زید بن ثابتؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۴) مکحول بن ابی مسلم۔

(قبیلۂ ہذیل کی ایک عورت کے مولیٰ تھے اور نسباً کابل سے تعلق رکھتے تھے۔ صغار صحابہؓ سے روایت کی اور کبار صحابہؓ کے متعلق تدلیس کرتے تھے یعنی ان سے روایت کرتے تھے اور ان کے اور کبار صحابہؓ کے درمیان جو راوی ہوتا تھا اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ طلب علم میں نہایت کثرت سے سفر کیا اور بہت زیادہ علم حاصل کیا۔ امام زہری نے فرمایا کہ "عالم تین ہیں۔" اور ان ہی میں مکحول کا بھی نام لیا۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ "میں شام میں کسی عالم کو نہیں جانتا جو مکحول سے زیادہ فقیہ ہو۔" انہوں نے ۱۱۳ھ میں وفات پائی۔)

(۵) رجاء بن حیوٰۃ الکندی۔

وہ اہلِ شام کے شیخ اور عمائدِ سلطنت میں داخل تھے۔ امیر معاویہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ مطرق کہتے ہیں کہ "میں نے کسی شامی کو نہیں دیکھا جو اُن سے زیادہ فقیہ ہو۔" مکحول کہتے ہیں کہ "رجاء اہلِ شام کے سردار ہیں۔" ابنِ سعد کا قول ہے کہ رجاء فاضل مستند اور بہت زیادہ علم والے تھے۔" انہوں نے ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بن مروان۔

وہ بنو امیہ کے آٹھویں خلیفہ ہیں۔ مدینہ میں پیدا ہوئے، مصر میں نشوونما پائی اور حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے روایت کی۔ وہ امام، فقیہ، مجتہد، ماہر حدیث، معزز، مستند، حجت، حافظ، مطیعِ خدا، اَوّاہ اور منیب تھے۔ عدل و انصاف میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے مثل، زہد میں حضرت

Marfat.com

حسن بصریؒ کے نظیر اور علم میں امام زہریؒ کے ہم سر تسلیم کیے جاتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ "ہم ان کی تعلیم دینے کے لیے آئے لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ہم نے خود ان سے تعلیم حاصل کی"۔ انہوں نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔

## مفتیانِ مصر

(۱) حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہدِ مبارک سے بڑے روزہ دار، بڑے نماز گذار، قاریٔ قرآن اور بڑے جویانِ علم تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر بہت سی حدیثیں لکھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ ان کے کثرتِ علم کے معترف تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ "وہ حدیث کو لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا"۔ وہ نیک اور اپنی دُھن کے پکے تھے۔ فتنہ و فساد میں حصہ لینے پر اپنے باپ کو ملامت کرتے تھے لیکن نافرمانی کی بناء پر خود اس میں حصہ نہ لینے کو گناہ خیال کرتے تھے۔ صفین میں شریک ہوئے لیکن تلوار نہیں کھینچی۔ انہوں نے اہلِ کتاب کی بہت سی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تھا اور ان میں ان کو بہت سی عجیب چیزیں نظر آئیں تھیں۔ مصریوں نے ان سے بہت سا علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۶۵ھ میں مصر میں وفات پائی۔

(۲) ابو الخیر مرشد بن عبداللہ الیزنی مفتیٔ اہلِ مصر۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت ابو بصرہ غفاریؓ اور حضرت عقبہؓ بن عامر الجہنی سے روایت کی اور ان سے اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے علم فقہ حاصل کیا۔ ابن یونس کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں اہلِ مصر کے مفتی تھے۔ انہوں نے ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) یزید بن ابی حبیبؒ مولیٰ الازد۔

اگرچہ بعض صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی اکثر روایتیں تابعین سے ہیں۔ ابو سعید بن یونس کہتے ہیں کہ وہ اہلِ مصر کے مفتی تھے۔ وہ حلیم اور عاقل تھے، اور سب سے پہلے انہی نے مصر میں علم مسائل اور حلال و حرام کو ظاہر کیا، ورنہ ان سے پہلے اہلِ مصر کی تمام تر روایتیں ترغیب، جنگ اور فتنہ و فساد کے متعلق ہوتی تھیں۔ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ "یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار ہیں"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید ان تین اشخاص میں ہیں جن سے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے مصر میں افتا کی خدمت متعلق کی تھی۔ وہ

Marfat.com

کتب ستہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور چونکہ ان کے بالخصوص بخاری اور مسلم کے رواۃ نہایت مستند ہیں اس لیے ان کتابوں نے مسلمانوں میں عظیم الشان اعتبار کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ لیکن صرف ان ہی لوگوں نے حدیث میں کتابیں تصنیف نہیں کیں بلکہ ان کے پہلو میں بہت سے لوگ اور بھی ہیں۔ لیکن جو شہرت ان لوگوں کو حاصل ہوئی وہ اور لوگوں کو حاصل نہ ہو سکی۔

اس دَور کے لوگوں میں کچھ لوگ اور تھے جن کا مطمح نظر یہ تھا کہ تابعین اور تابعین کے بعد جو رواۃ حدیث ہیں، ان کے حالات سے بحث کریں اور ان لوگوں میں ہر شخص کے ضبط، اتقان، عدالت یا ان کے خلاف اوصاف کو بیان کر دیں۔ یہ لوگ رجالِ جرح و تعدیل کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ جس شخص کی تعدیل کر دیتے ہیں اس کی روایت قبول کر لی جاتی ہے اور جس شخص پر جرح کرتے ہیں اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور کبھی کبھی اس معاملے میں ان کے درمیان اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ بہت سے رُواۃ ہم کو ایسے ملتے ہیں جن کی تعدیل، ضبط اور اتقان پر اتفاقِ عام ہے اور یہ روایت کا سب سے بلند درجہ ہے۔ بہت سے رُواۃ ایسے ہیں جن کے چھوڑ دینے پر اتفاقِ عام ہو گیا ہے۔ اور روایت کا یہ سب سے پست درجہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت سے مدارج ہیں جن میں بعض بعض سے کم درجہ کے ہیں اور بعض اسناد سورج کی طرح روشن ہیں جن کے رُواۃ کی صداقت پر سننے والا تقریباً کامل یقین رکھتا ہے اور بعض اسناد اس سے کم درجہ کی ہیں۔ الغرض اس دَور میں علم حدیث ایک مستقل فن بن گیا اور بہت سے لوگ جن کو اگرچہ فقہ اور استنباط میں اقتدار تام حاصل نہ تھا تاہم وہ صرف اسی حدیث ہی کے ہو کر رہ گئے۔

(۵) مادۂ فقہ میں نزاع۔

اس دَور کے فقہاء کے درمیان ان اصول کے متعلق سخت نزاع پیدا ہو گئی جن سے احکام مستنبط کیے جاتے ہیں اور اس نزاع کی جو سرگذشت ہم تک پہنچی ہے ہم اس کو استقصاء کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

(۱) حدیث کے متعلق نزاع۔

Marfat.com

حدیثوں مثلاً نماز اور روزے وغیرہ کی حدیثوں کو باہم ایک ہی سلسلے میں جوڑ دیا جائے۔ یہ خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک زمانے میں پیدا ہوا یہاں تک کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے تقدم کا شرف کس کو حاصل ہے! لیکن اس دور کے طبقۂ اولیٰ کے مدوّنین میں مدینہ میں امام مالک بن انسؓ، مکہ میں عبدالملک بن عبدالعزیزؒ ابن جریجؒ، کوفہ میں سفیان ثوریؒ، بصرہ میں حماد بن سلمہؒ اور سعید بن ابی عروبہؒ، واسط میں ہشیم بن بشیرؒ، شام میں عبدالرحمٰن اوزاعیؒ، یمن میں معمر بن راشدؒ، خراسان میں عبداللہ بن مبارکؒ اور رے میں جریر بن عبدالحمید تھے۔ اور یہ کچھ اوپر ۱۴۰ھ کا زمانہ تھا۔ ان کتابوں میں حدیث، جیسا کہ ہم کو موطائے امام مالک میں نظر آتا ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال کے ساتھ مخلوط تھی۔ لیکن ان لوگوں کے بعد دوسری صدی کے آغاز میں دوسرے طبقہ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو اور لوگوں کے اقوال سے الگ کرنا مناسب سمجھا اور وہ کتابیں تالیف کیں جو مسانید کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً مسند عبداللہ بن موسیٰ کوفی، مسند مسدّد بن مسرہد البصری، مسند اسد بن موسیٰ المصری، مسند نعیم بن حماد الخزاعی، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند عثمان بن ابی شیبہ اور مسند امام احمد بن حنبلؒ۔ ان لوگوں نے احادیث کو ان کے راویوں کے مسانید میں درج کیا۔ مثلاً مسند ابوبکر صدیقؓ کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں ان تمام روایتوں کو درج کرتے ہیں جو اُن سے مروی ہیں۔ اس کے بعد اسی طرح ایک ایک صحابی کا ذکر کرتے ہیں اور ان تمام مسانید میں ہم تک صرف مسند امام احمد بن حنبلؒ پہنچ سکا ہے۔

اس طبقہ کے بعد دوسرا طبقہ پیدا ہوا اور اس نے اپنے سامنے اس عظیم الشان ذخیرے کو دیکھا تو اس نے اپنے لیے انتخاب کا دروازہ کھولا۔ اس طبقہ کے سرخیل امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری الجعفی المتوفی ۲۵۶ھ، امام مسلم بن الحجاج النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ ہیں جنہوں نے روایت و انتخاب میں نہایت چھان بین کرنے کے بعد اپنی صحیحین کو تصنیف کیا ہے۔ اس لیے اس معاملہ میں وہ انتہائی درجہ کو پہنچ گئے ہیں۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ السلمی الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ابوعبداللہ محمد بن تبریدی القزوینی المعروف بابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ اور ابوعبدالرحمٰن بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے بھی ان ہی کی تقلید کی ہے۔ اہلِ حدیث کی زبان میں ان کی کتابیں

Marfat.com

بعد تین شخص اور مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں :

(۱) ابو جعفر یزید بن القعقاع المدنی المتوفی ۱۳۰ھ اور ان کے راوی عیسیٰ بن وردان اور سلیمان بن جماز ہیں۔

(۲) یعقوب بن اسحاق الحضرمی المتوفی ۲۰۵ھ اور ان کے راوی رویس اور روح ہیں۔

(۳) خلف بن ہشام البزار راوی حمزہ بن حبیب اور ان کے راوی اسحاق الورّاق اور ادریس الحدّاد ہیں۔

ان سب کا مشترک نام قراء عشرہ ہے اور ان کے بعد چار قاری اور مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں :

(۱) محمد بن عبدالرحمان المکی المعروف بابن محیصن۔ ان کے راوی ابن کثیر کے راوی بزی اور ابوالحسن بن شنبوذ ہیں۔

(۲) یحییٰ بن مبارک التبریدی راوی ابوعمرو بن العلاء اور ان کے راوی سلیمان بن الحکم اور احمد بن فرح ہیں۔

(۳) حسن بن ابی الحسن البصری فقیہ اور ان کے راوی شجاع بن ابی نصر البلخی اور ابی عمرو بن العلاء کے راوی دوری اور کسائی ہیں۔

(۴) اعمش سلیمان بن مہر اور ان کے راوی حسین بن سعید المطوعی اور ابوالفرج الشنبوزی الشطوی ہیں، لیکن ان چاروں قاریوں کی قرأتیں متواتر نہیں تسلیم کی گئیں اس لیے ان کو شاذ مانا گیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو مصاحف لکھے گئے ان سے چند ہی باتوں میں یہ قرأتیں مختلف ہیں۔ یہ دَور ابھی ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ مذہبی علوم میں قرأت ایک مستقل علم بن گیا اور علمائے قرأت اس میں ایسی کتابیں تالیف کرنے لگے جن کو اس کے طرزِ ادا اور روایت سے تعلق تھا۔

(۴) تدوینِ حدیث۔

علمِ حدیث کے لیے یہ دَور ایک بہترین دَور تھا، کیونکہ اس میں رواۃِ حدیث نے اس کی تصنیف و تدوین کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور اس کی تصنیف کے یہ معنے تھے کہ ایک ہی قسم کی

Marfat.com

تحصیل کی اور سنہ ۱۵۴ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور تر یحیٰی بن مبارک الیزیدی ہیں۔ یحیٰی سے ابو عمر حفص بن عمر الدوری المتوفی سنہ ۲۴۶ھ اور ابو شعیب صالح بن زیاد السوسی المتوفی سنہ ۲۶۱ھ نے روایت کی ہے اور اکثر اہلِ سوڈان ابو عمرو ہی کی قرأت کی تقلید کرتے ہیں۔

(۴) دمشق میں۔

عبداللہ بن عامر۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے تلامذہ اور حضرت ابو الدرداء سے تعلیم حاصل کی اور سنہ ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ جن لوگوں نے ان کی قرأت کی روایت کی ان میں مشہور تر ابو الولید ہشام بن عمار الدمشقی المتوفی سنہ ۲۴۵ھ اور ابو عمرو عبداللہ ابن احمد بن بشیر بن ذکوان المتوفی سنہ ۲۴۲ھ ہیں اور یہ دونوں ابنِ عامر سے ایک واسطے سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) کوفہ میں۔

ابو بکر عاصم بن ابی النجود۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابیؓ، اور حضرت زید بن ثابتؓ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی اور سنہ ۱۲۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ جن لوگوں نے ان سے روایت کی ان میں مشہور تر شعبہ بن عیاشؓ الکوفی المتوفی سنہ ۱۹۳ھ اور حفص بن سلیمان المتوفی سنہ ۱۸۰ھ ہیں اور مصری اور اکثر ممالکِ اسلامیہ کے لوگ انہی کی روایت کے موافق قرأت کرتے ہیں۔

(۶) حمزہ بن حبیب الزیات۔ انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عثمانؓ کے طریقے سے تعلیم حاصل کی اور سنہ ۱۵۴ھ میں وفات پائی۔ جن لوگوں نے ان کی قرأت کی روایت کی ان میں مشہور تر خلف بن ہشام البزار المتوفی سنہ ۲۳۹ھ اور عیسیٰ بن خالدؓ الملقب بخلاد المتوفی سنہ ۲۲۰ھ ہیں۔ انہوں نے حمزہ کے تلامذہ سے تعلیم پائی ہے۔

(۷) ابو الحسن علی بن حمزۃ الکسائی۔ بنو اسد کے غلام اور فارسی نژاد ہیں۔ حمزہ بن حبیب سے تعلیم حاصل کی اور سنہ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور تر ابو الحارث اللیث بن خالد المتوفی سنہ ۲۴۰ھ اور دوری ہیں جو ابی عمرو بن العلاء کے راوی تھے۔

یہی لوگ قرّاءِ سبعہ کے نام سے مشہور ہیں اور اتقان وضبط میں دوسروں سے فائق ہیں۔ ان کے

تعلقات بالکل منقطع نظر آتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ خود اپنے ہاتھوں سے لکھا ہم کو اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی باایں ہمہ ان لوگوں نے اس دَور کی عملی فقہ کے میدان میں بہت کچھ تیزروی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ حدیث و قیاس کے متعلق ان لوگوں نے جو مناظرات کیے ہیں وہ آگے آئیں گے۔

رؤسائے متکلمین میں مشہور تر لوگ عمرو بن عبید المتوفی ۱۴۳ھ ابوالہذیل العلاف المتوفی ۲۳۵ھ اور عمرو بن ابی حنظ المتوفی ۲۵۵ھ ہیں۔

(۳) حفاظِ قرآن کی تعداد میں اضافہ اور قرآن مجید کے ادا کرنے کی طرف توجہ۔

اس دَور میں حفاظِ قرآن کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور کاتبانِ قرآن کی طرح وہ تمام ممالکِ اسلامیہ میں پھیل گئے۔ لیکن ہر ملک کے مسلمانوں نے صرف چند مشہور قراء کے تفوّق کا عام طور پر اعتراف کیا جن کے نام یہ ہیں :-

(۱) مدینہ میں۔

نافع بن ابی نعیم مولیٰ جعونہ۔ انہوں نے حضرت ابنِ عباسؓ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی، اور ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ جن لوگوں نے ان سے قرأت کی روایت کی ان میں زیادہ مشہور عیسٰی بن مینا الملقب بقالون المتوفی ۲۰۵ھ اور ابوسعید عثمان بن سعید المصری الملقب بہ یورش المتوفی ۱۹۷ھ ہیں۔ اکثر اہلِ مغرب انہی ابوسعید ہی کی قرأت کے موافق قرآن پڑھتے ہیں۔

(۲) مکہ میں۔

عبداللہ بن کثیر مولیٰ عمرو بن علقمہ۔ یہ فارسی النسل ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی اور ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ جن لوگوں نے ان سے قرأت کی روایت کی ان میں مشہور تر ابوالحسن احمد بن عبداللہ النبری المتوفی ۲۰۵ھ اور ابوعمر محمد الملقب بہ قنبل المتوفی ۲۹۱ھ ہیں۔ یہ دونوں ابن کثیر کے تلامذہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۳) بصرہ میں۔

ابوعمرو بن العلاء المازنی۔ یہ کازرونی الاصل ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ سے تعلیم کی

Marfat.com

ہیں ان میں بڑے بڑے قرّاء اور بڑے بڑے محدّث پیدا ہو گئے تھے۔ ان میں کچھ لوگ بڑے ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے اور اس کا نتیجہ خیالات کا اختلاط اور عقل کی پختگی ہے۔

یہ دَور شروع ہوا تو سیاستِ مُدن میں ان غلاموں کی حیثیت نہایت نمایاں تھی، کیونکہ خلافتِ عباسیہ کی بنیاد ہی اس کے خراسانی اور عراقی غلاموں کے بل پر قائم ہوئی تھی اور اس طرح وہ شریکِ سلطنت ہو گئے تھے اور اس طریقہ سے ان کا علمی اور سیاسی اشتراک مکمل ہو گیا تھا۔

دوسرا سبب وہ فارسی اور رومی کتابیں تھیں جن کا ترجمہ عربی زبان میں پہلے دَور کے آخر میں ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور اس دَور میں ابوجعفر منصور کے زمانے سے جو عباسیوں کا دوسرا خلیفہ تھا، اس کی طرف اور بھی توجہ ہوئی اور تیسری صدی کی ابتدا میں مامون رشید کے زمانے تک، جو یونانی علوم اور ارسطو کی رایوں کا خاص طور پر شیدائی تھا، اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

یہ کتابیں خوب پھیلیں اور مامون کے زمانے میں کثرت سے جن متکلمین کا ظہور ہوا تھا، ان کی معلومات کے پیدا کرنے کا غیر معمولی ذریعہ بن گئیں۔ ان لوگوں نے محدّثین کو تقریباً ان کے بلند پایہ سے گرا دینا چاہا کیونکہ مامون ان کا جانبدار ہو گیا تھا اور اس جانبداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلقِ قرآن کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ مامون نے اہلِ حدیث کو ان کے عقیدے کی تبدیلی پر مجبور کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے رؤسائے اہلِ حدیث کے متعلق جو خط محافظِ بغداد کے نام ارسال کیا تھا، جو شخص اس کو پڑھے گا اس کو معلوم ہو گا کہ اہلِ حدیث کے بارے میں متکلمین کی کیا رائے تھی؟ اس نے اس خط میں ایک ایک کا نام لیا تھا اور ان کے خیالات اور اخلاق پر نکتہ چینی کی تھی۔ ہم کو اس میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے کہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین ہونے کے ایک ایسے عقیدے میں مداخلت کرنا جس میں جمہور کی رائیں مختلف تھیں اور اہلِ علم کے ایک گروہ کو خاص اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور کرنا مامون کی غلطی تھی۔ یہ آزادیٔ خیال کی راہ میں ایک رکاوٹ تھی جس کے جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اہلِ حدیث نے بالاتفاق اس حرکتِ کلامیہ کے خلاف روش اختیار کی۔ جمہور نے بھی ان کا ساتھ دیا اس لیے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ بجز ان باتوں کے جن کو اہلِ حدیث متکلمین سے نقل کرتے ہیں۔ متکلمین کے ساتھ ہمارے

Marfat.com

عام طور پر نمایاں کیا۔ مثلاً اصحابِ مالک میں ابن وہب اور ابن قاسم اور اصحاب شافعی میں ربیع اور مزنی جیسا کون ہے؟ جامع فسطاط ہی نے امام شافعی کے علم کو ظاہر کیا۔ اور اصحاب ابی حنیفہ میں ابوجعفر طحاوی کے مثل کون ہے؟ اور یہ سب کے سب فسطاط کی یادگاریں ہیں اور اس شہر کے مؤرخین نے جو کچھ لکھا ہے اور جو شخص اس سے واقف ہے، اس کو معلوم ہے کہ علم، تجارت اور صنعت میں اس کا تمدن بغداد سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ پھر تم کو شہر دمشق ملے گا جس سے خلافت کی رونق اگرچہ زائل ہو گئی، تاہم بنی اُمیہ نے جس عظمت کا اس کو وارث بنا دیا تھا اس نے ہمیشہ اس کو محفوظ رکھا۔ کوفہ و بصرہ ہمیشہ علماء و حکماء سے معمور رہے۔ اور اگرچہ بغداد ان دونوں شہروں سے قریب تھا، تاہم باوجود اپنی عظمت کے وہ ان دونوں کے چاند کو گہنا نہ سکا، کیونکہ بصرہ تجارتِ ہند کا سب سے بڑا مرکز اور کوفہ عربی عنصر کا مستقر تھا۔ جب تم مشرق کی طرف توجہ کرو گے تو تم کو مرو و نیشاپور وغیرہ عظیم الشان شہر نظر آئیں گے۔ تمدن کے لیے تجارت، زراعت اور صنعت کے دائرے کی وسعت لازمی ہے۔ اور اس دَور میں یہ تمام چیزیں شباب کے درجہ کو پہنچ چکی تھیں۔ یہاں تک کہ اسلامی سطح تمام گذشتہ تمدنوں پر فخر کر رہی تھی، کیونکہ وہ مختلف تمدنوں کا خلاصہ تھی۔ اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ فقہ پر اس کا عظیم الشان اثر پڑا ہے کیونکہ ایسی حالت میں فقہ کے لیے مختلف مسائل کے وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان سے جواب مستنبط کر سکے۔

(۲) اسلامی شہروں میں علمی حرکت۔

پہلے دَور کے آخر میں حرکت علمیہ کی ابتدا ہوئی اور اس دَور میں اس نے عظیم الشان ترقی کر لی۔ کیونکہ منکرینِ عرب کے دماغوں میں قدیم تمدن کی شعاعیں پہنچ چکی تھیں، جس کے دو سبب تھے۔

پہلا سبب موالی یعنی غلام تھے، کیونکہ اسلام میں ایرانی، رومی اور مصری غلاموں کی ایک عظیم الشان تعداد داخل ہوئی جن میں کچھ تو بچپن میں گرفتار ہوئے تھے اور اپنے مسلمان آقاؤں کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اس لیے جن علوم اسلامیہ کی بنیاد کتاب و سنت پر تھی ان سے انہوں نے وراثۃً پائے تھے اور ان کو بہت کچھ سیکھ لیا تھا اور اپنے عربی النسل بھائیوں کے مقابل

Marfat.com

لے ایک سلطنت قائم کی یہاں تک کہ خود خلافتِ عباسیہ کے پایہ تخت بغداد پر قابض ہو گئے۔ اب بنو عباس کا نام ہی نام باقی رہ گیا اور بنی بویہ اور ان کے عصبہ دیلم کا اقتدار قائم ہو گیا۔

یہ اس سلطنت کی سرگذشت ہے جس نے ۱۳۲ھ میں بنو امیّہ کی عظیم الشان وراثت پر غلبہ حاصل کیا اور ابھی ۳۳۰ھ آیا بھی نہ تھا کہ خلافت کا نام ہی نام رہ گیا۔ عرب کا اقتدار دوسری قوموں مثلاً ایرانی، دیلم، ترک اور بربر کی طرف منتقل ہو گیا اور معتصم کے زمانے سے فوجی دفتر میں ایک عرب بھی نہ رہ گیا۔

اس دَور کی امتیازی خصوصیات (۱) تمدّن کی وسعت۔

ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے بغداد کو اس غرض سے آباد کیا کہ وہ تمام بلادِ اسلامیہ کا پایۂ تخت ہو اور اس نے اس میں جو ندرت اور اعجوبگی پیدا کی اس نے اس کو اس زمانے کے تمام شہروں سے ممتاز و فائق کر دیا۔ جب اس کی تعمیر مکمل ہو چکی تو اس میں تمام شہروں کے علماء جمع ہو گئے اور اسی طرح مختلف مزاج کے تاجر، کاریگر اور ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہو گیا۔ اور ابھی اس کا زمانہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ وہ عروس البلاد اور سیدۃ البقاع بن گیا۔ اس کی آبادی دو ملین کے قریب ہو گئی اور دجلہ کے کنارے پھیل گیا۔ چنانچہ اس کے مغربی کنارے پر منصور کا شہر اور مشرقی کنارے پر مہدی کا شہر تھا۔ اس کی تعمیر میں عربی، ایرانی اور رُومی تینوں قسم کی عقل نے شرکت کی تھی۔ اس لیے ہر عقل کے اندر ایجاد و اختراع کی جو قدرت پوشیدہ تھی بغداد نے اس سے بہترین حصّہ پایا تھا۔

اگر تم مغرب کی طرف سے جزیرہ اندلس تک سلطنت اسلامیہ کی انتہا پر نظر ڈالو گے تو تم کو شہر قرطبہ ملے گا جو اندلس میں سلطنت امویّہ کے بانی عبدالرحمٰن بن معاویہ کی زیر نگرانی بغداد کے مقابلہ کے لیے آمادہ نظر آئے گا۔ تم کو افریقہ میں شہر قیروان ملے گا جس نے افریقہ اور رومانیہ کے شہروں کی عظمت وراثت میں پائی اور ان کا حُسن و جمال اس کی طرف منتقل ہو گیا۔ اس کے بعد تم کو مصر کا دارالسلطنت فسطاط ملے گا جس کی عظیم الشان مسجد نے ان علماء کے حلقوں کو جمع کیا جنہوں نے اجتہاد و استنباط میں اپنی یادگار میں عظیم الشان نشانیاں چھوڑیں اور انہیں نے مختلف مذاہب کے ائمہ مجتہدین کی فقہ کو

Marfat.com

آخری زمانہ میں ان کا ظہور ہوگا اور دنیا جس طرح ظلم سے بھر گئی ہے اسی طرح وہ اس کو عدل سے بھر دیں گے۔ چنانچہ وہ اب تک ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ دوسرے فرقے نے جو اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہے، اسمٰعیل بن جعفر الصادق کو خلیفہ قرار دیا ہے۔ ان لوگوں نے خلافت کے حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کیا وہ پہلا فرقہ نہ کر سکا تھا۔ ان لوگوں نے اس کام کی ابتدا مخفی طریقۂ دعوت سے کی اور اس کے لیے ایسی تعلیمات بنائیں جن کے ذریعہ سے بے گانہ دلوں کو مائل کر سکیں۔ جب ان کا یہ مقصد پورا ہو چکا تو بلادِ افریقہ میں ان کے امام عبید اللہ المہدی کا ظہور ہوا جس سے دولتِ فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور اس نے تمام مغرب پر تسلّط و اقتدار حاصل کرنے میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی اور ابھی اس دَور کا خاتمہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ قاہرہ مصر المغربیہ میں ان کی عظیم الشان اور محفوظ سلطنت قائم ہوگئی۔

خلافتِ عباسیہ کی بنیاد دو عصبیتوں پر قائم تھی۔ ایک تو عصبیتِ عربیہ جس کا تعلق ان عربوں سے تھا جو خلفائے عباسیہ کے دوست تھے۔ دوسری عصبیتِ فارسیہ جو دعوتِ عباسیہ کے قائم کرنے والے تھے۔ خلفائے عباسیہ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب ان دونوں فریقوں میں سے کسی فریق سے شبہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اس کے مقابل میں دوسرے فریق سے مدد لیتے تھے۔ یہاں تک کہ مامون بن رشید نے جس نے خالص ایرانی تربیت پائی تھی، اور ایرانیوں ہی کے ذریعہ سے اپنے بھائی محمد امین پر غلبہ حاصل کر لیا تھا، یہ مناسب سمجھا کہ وہ عصبیتِ عربیہ کو مٹا کر اپنی بنیاد دوسری عصبیت پر قائم کرے۔ لیکن اس کا بھائی اسحاق المعتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لیے ترکی غلاموں میں سے جن کو اس نے بہ کثرت جمع کر لیا تھا، اپنے لیے ایک اور نئی عصبیت قائم کی اور اسی کے ذریعہ خلافت عباسیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ متوکل بن معتصم نے ان سے رہائی حاصل کرنی چاہی، لیکن اس کے فرزند منتصر کے اتفاق سے ترکوں نے اس سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس طریقہ سے معتصم نے جس اقتدار کے رگ و ریشہ کو قائم کیا تھا تمام خلفاء نے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور خلافت کے قریب و بعید دونوں قسم کے لوگوں پر ترکوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اور اس ضعف نے مشرق میں متعدد امارتیں مثلاً ماوراء النہر میں دولتِ سامانیہ اور فارس میں دولتِ صفاریہ قائم کر دیں۔ اور ابھی یہ دَور ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ بنی بویہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے خاندان کے

غلطیاں اور سوء اتفاقیاں جنہوں نے اس کا مدینہ میں اور اس کے بھائی ابراہیم کا بصرہ اور کوفہ کے درمیان خاتمہ کر دیا، نہ پیش آگئی ہوتیں تو غالباً وہ منصور سے اپنا مقصد حاصل کر لیتا۔

اس کے بعد منصور کے پوتے موسیٰ الہادی بن محمد المہدی بن ابی جعفر المنصور کے ساتھ اطرافِ مکہ میں ایک اور باغی نے بغاوت کی اور مقتول ہوا اور محمد النفس الزکیہ کا بھائی ادریس بن عبداللہ اس معرکہ سے بھاگ نکلا اور مغرب اقصیٰ میں جا کر بربروں کے درمیان خلافتِ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور عباسیہ سے الگ یہ دوسری خلافت قائم ہوئی جس کو خلافتِ ادریسیہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اس کا دوسرا بھائی یحییٰ بن عبداللہ اطرافِ مشرق میں بھاگ کر بلادِ دیلم میں پہنچا اور بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ لیکن رشید نے فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کی مدد سے اس کو سیاسی چالوں سے اس کے قلعہ سے اتار لیا اور ایک امن نامہ لکھ دیا، جس کی شرط کے بموجب وہ قلعہ سے اُترا لیکن رشید نے اس شرط کو پورا نہیں کیا۔

رشید نے محسوس کیا کہ اس کو ایک ایسی طاقتور امارت کی سخت ضرورت ہے جو مغرب میں ادریسیوں کی حوصلہ مندیوں کے سامنے ایک دیوار کی طرح حائل ہو جائے۔ اس لیے اس نے خود اپنے ہاتھ سے افریقہ میں اغالبہ کی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد مامون نے خراسان میں امارت طاہریہ کو قائم کیا اور بلادِ یمن میں امارتِ زیادیہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ مختلف ممالک میں شیعیوں کی کامیابیوں کو کم کر سکیں۔ لیکن شیعہ امامیہ نے جعفر بن محمد بن المعروف بالصادق کی خلافت پر جو ائمہ شیعہ میں سے چھٹے امام تھے، اتفاق کیا تھا اور ان کے پیرو بھی بہ کثرت تھے۔ لیکن وہ خود اپنے لیے خلافت کے خواستگار نہ تھے۔ جب انہوں نے وفات پائی تو ان کے پیرو دو فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک فرقہ یعنی فرقہ موسویہ نے ان کے فرزند موسیٰ المعروف بالکاظم کو خلیفہ تسلیم کیا اور ان کے بعد امامت کو ان کے لڑکوں اور پوتوں میں بارہویں امام تک کھینچ کر لائے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ امامیہ اثنا عشریہ کہے جاتے ہیں۔ اس بارہویں امام کا نام ابوالقاسم محمد العسکری بن الحسن العسکری ابن علی الہادی بن محمد الجواد بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب ہے۔ شیعہ امامیہ کا خیال ہے کہ وہ ۲۶۰ھ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد چھپ گئے

# چوتھا دَور

## اس دَور کی فقہ

## دُوسری صدی کی ابتداء سے چوتھی کے نصف تک

یہ حدیث و فقہ کی تدوین اور ان ائمہ کبار کے پیدا ہونے کا دَور ہے جن کو عام طور پر لوگوں نے اپنا پیشوا تسلیم کیا۔

سیاسی صورتِ حال جو مخفی جماعت اس غرض سے قائم ہوئی تھی کہ بنو اُمیہ سے خلافت کو آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں رضا کی طرف منتقل کر دے، وہ اس دَور کی ابتدا میں کامیاب ہوئی۔ خلافت بنو العباس بن عبدالمطلب کی طرف منتقل ہو گئی اور ابو العباس عبداللہ الملقب بالسفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ خلیفہ ہوا۔ عباسیوں نے بنو اُمیّہ کے معاملے میں ایسی سختیاں کیں کہ تاریخی آدمیوں میں کسی کی نسبت اس قسم کی سختی کا علم نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اس قسم کے اشتدادی اور وحشیانہ کام کیے جن کے ذریعہ سے اپنے ایرانی اعوان و انصار کے دلوں کو خوش کیا۔ اس وقت بنو اُمیّہ میں سب سے زیادہ پختہ ارادہ کا ایک شخص بھاگ کر اندلس جا پہنچا اور وہاں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو بنو عباس کے اثر سے بالکل الگ تھی۔ یہ پہلی تقسیم تھی جو اسلامی سطح میں واقع ہوئی۔ لیکن یہ انقلاب بنو عباس کے چچازاد بھائی یعنی اولادِ علی بن ابی طالبؓ کو جو اپنے آپ کو دوسرے خاندانوں سے زیادہ مستحقِ خلافت سمجھتے تھے، پسند نہ آیا اور انہوں نے یہ پختہ عزم کر لیا کہ اس خلافت کو یا تو خود حاصل کر لیں یا اپنے مخاصمین کے لیے اس کو غبار آلود بنا دیں۔ چنانچہ سب سے پہلے علویین نے اس کے بعد بنو الحسن بن محمد بن عبداللہ بن الحسن ابن علیؓ نے عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ اور اگر چند

Marfat.com

طرح مختار بن ابی عبید الثقفی میں مذہبی روح نہیں پائی جاتی تھی بلکہ اس کی بغاوت کا منشاء دنیوی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے اغراض کے حاصل کرنے کے لیے اس نے جھوٹ بولنا جائز کر لیا تھا۔

لیکن بعض شیعیوں نے خلافت کو صرف اولادِ فاطمہ کے لیے مخصوص کر دیا اور امام حسین علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند علی زین العابدین کو جو اس دَور کے نقہاء میں تھے، امام بنایا حضرت علی زین العابدین کی وفات کے وقت ان کے دو فرزند تھے یعنی محمد بن علی المعروف بالباقر اور زید بن علی۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت باقر کو امام بنایا، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے بھی دو فرقے ہو گئے۔ بعض نے زید بن علی کو امام بنایا اور یہی لوگ زیدیہ کے نام سے مشہور ہیں اور بعض لوگ باقر کی اولاد کی محبت کا دم بھرتے رہے۔ اس بناء پر انہوں نے امامت کو ان کے فرزند جعفر صادق کی طرف منتقل کر دیا۔

امامت کے متعلق فرقہ زیدیہ کی ایک خاص رائے تھی یعنی یہ لوگ شیخین سے تبری نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں بزرگ خلیفہ ہوئے تو عدل و انصاف سے کام لیا۔ ان لوگوں کا قول یہ تھا کہ امامت اگرچہ صرف اولادِ فاطمہ کے لیے مخصوص ہے لیکن امام کا تقرر اوصاف کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس لیے جیسا کہ فرقۂ جعفریہ کا خیال ہے، یہ لوگ اس کے منکر تھے کہ وصیت میں نام کے ساتھ امام کا تقرر ہوا ہے۔ غرض ان لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ہر وہ شخص جو اولادِ علیؓ سے ہونے کا مدعی ہو اور اس کے ساتھ اس میں امامت کے تمام اوصاف بھی پائے جاتے ہوں، اس کی پیروی اور مدد واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں جب زید بن علی نے بغاوت کی تو ان لوگوں نے ان کا ساتھ دیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو ان کے فرزند یحییٰ کی حمایت کی۔ اس کے بعد محمد المہدی المعروف بالنفس زکیہ بن عبداللہ بن الحسن بن علی نے دولتِ عباسیہ کے آغاز میں منصور عباسی کے خلاف بغاوت کی تو ان لوگوں نے ان کی اعانت کی۔

الغرض اس دَور میں شیعیوں کے تین فرقے یعنی کیسانیہ، امامیہ زیدیہ اور امامیہ جعفریہ پیدا ہو گئے اور ان میں ہر فرقہ نے علم دین کو اپنے اپنے ائمہ اور ان کے رفقاء و اعوان سے حاصل کیا۔ یہ لوگ ان ائمہ کے متعلق جو اعتقادات رکھتے ہیں وہ اعتدال اور غلو کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ ان میں بعض لوگوں نے حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کی تائید میں جو غلو کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے بہت سی ایسی حدیثیں روایت کیں جن کی نسبت ائمہ جمہور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ بالکل جھوٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ نے جس طرح غلاۃِ خوارج کی روایتوں کے قبول کرنے میں تامل کیا ہے اسی طرح ہر غالی شیعیہ یا داعی تشیع کی روایتوں کے قبول کرنے میں ان کو توقف ہے۔

Marfat.com

اور ان کے متعلق برا عقیدہ قائم کر لیا تھا۔ اس لیے عام طور پر مسلمان ان لوگوں سے اور نیز اس شخص سے جو ان لوگوں کا ہم خیال ہوتا تھا، نفرت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر وہ محدث ہوتا تھا تو اس سے روایت نہیں کرتے تھے اور اگر وہ مفتی ہوتا تھا تو اس سے فتویٰ نہیں پوچھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت کی تھی اس کو بعض ائمہ حدیث نے ساقط الاعتبار قرار دیا کیونکہ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ خارجیوں کے ہم خیال ہیں۔ اور اسی بنا پر بعض محدثین نے عمران بن حطان (جو خوارج کا فقیہ اور ان کا شاعر تھا) کی روایت کو بھی ضعیف ٹھہرایا۔ لیکن بایں ہمہ وہ تمام فرقوں میں جھوٹ سے سب سے زیادہ دور رہتے تھے کیونکہ وہ اس کو کفر خیال کرتے تھے۔ لیکن خوارج کا یہ اتحاد بہت دنوں تک قائم نہ رہ سکا بلکہ عام مسلمانوں کے معاملہ میں ان کے درمیان جو اختلاف آیا پیدا ہوا اس نے ان میں تفریق پیدا کر دی اور ان کی سختیاں صرف بنو امیہ کے زمانہ اور آغازِ سلطنتِ عباسیہ تک قائم رہ سکیں۔

شیعیوں کا فرقہ بھی اسی دور میں پیدا ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور ان کے اہل بیت کی دوستی پر قائم رہے اور ان کا عام اصول مشترکہ یہ ہے کہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق ہے اور وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے اس کے مستحق ہوئے تھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ان کو وصی کہتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد وہ ان کی اولاد کا حق ہے اور اس حق کو ان سے وہی شخص چھین سکتا ہے جو ظالم وغاصب ہو۔ چنانچہ اسی بناء پر ان میں بعض لوگوں نے شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر زبان درازیاں کی ہیں کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق کو غاصبانہ طور پر چھین لیا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد ان کے فرزند حسن علیہ السلام کو، پھر ان کے بعد ان کے بھائی حسین علیہ السلام کو امام قرار دیا ہے اور اس معاملہ میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کے دو فرقے پیدا ہو گئے۔ بعض لوگوں نے خلافت کو محمد بن الحنفیہ کا حق قرار دیا، کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے بعد حضرت علیؑ کی سب سے بڑی اولاد وہی تھے اور یہی لوگ ہیں جن کو کیسانیہ کہتے ہیں۔ محمد بن حنفیہؓ کے نام سے اس بغاوت میں فائدہ اٹھایا گیا جو مختار بن ابی عبید الثقفی نے بنو امیہ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کی تھی۔ یہ لوگ ان کو مہدی کہتے تھے، لیکن خوارج کی

Marfat.com

بالآخر انہوں نے ان ہی خارجیوں میں سے ایک خارجی یعنی عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھ سے شہادت پائی اور اسی وقت سے ایک مخصوص اور ممتاز شخصیت والا فرقہ پیدا ہو گیا جو "شراۃ" کے لقب سے مشہور ہے (ان لوگوں نے اس آیت سے اس نام کو لیا ہے، " ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ " یعنی بعض لوگ خدا کی مرضی کی جستجو میں اپنی جان کو بیچ ڈالتے ہیں۔) ان کا عام اصول یہ ہے کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے محبت رکھتے ہیں اور چند ناپسندیدہ باتوں کی وجہ سے حضرت عثمانؓ سے اور رضامندیٔ تحکیم کی بناء پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر مسلمانوں پر اقتدار و غلبہ حاصل کر لینے کے سبب سے امیر معاویہؓ سے برأت یعنی بے تعلقی اور علیحدگی ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے مسئلہ خلافت کے متعلق ان کا یہ اصول قائم ہوا کہ خلافت تمام قوم کے سپرد کر دی گئی ہے۔ وہ جس شخص کو جس خاندان سے چاہے، خلیفہ بنا سکتی ہے۔ وہ خلافت کو قریش میں مخصوص کر دینے سے انکار کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک خلیفہ کی اطاعت صرف ان حدود کے دائرے میں فرض ہے جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب یا اپنے پیغمبر کی عملی حدیثوں میں متعین کر دیا ہے۔ اگر کسی خلیفہ نے ان کی مخالفت کی تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور اس کی نافرمانی واجب ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ کافر اور فاسق کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ جو شخص حدود اللہ سے آگے قدم رکھے وہ فاسق ہے اور وہ فاسق ہی کو کافر کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی چند ظاہری آیتیں بھی ان کی تائید کرتی ہیں اور اسی عقیدے کی بناء پر جن لوگوں نے امیر معاویہؓ کی حمایت کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمانؓ سے برأت نہیں کی، ان کو وہ لوگ خارج از ملت سمجھتے ہیں اور ان سے لڑنا بھڑنا جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ جمہور امت یہی لوگ ہیں۔

ان کے خارجیوں میں بڑے بڑے سردار پیدا ہوئے جنہوں نے ان سے خلفائے جمہور کے ساتھ لڑائیاں کروائیں۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی امور میں ان کی رائیں نہایت سخت قائم ہوئیں۔ یہ لوگ صرف قرآن مجید کے ظاہری معنی کو لیتے تھے اور حدیثوں میں صرف انہی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کی روایت ان لوگوں سے کی تھی جن کو یہ لوگ دوست رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی قابلِ اعتماد حدیثیں صرف وہ تھیں جن کی روایت شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں کی گئی تھیں۔ ان لوگوں میں بڑے بڑے علماء اور مفتی تھے جن کی طرف یہ لوگ رجوع کرتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ عام مسلمانوں پر تشدد کرتے تھے

Marfat.com

زہری سے اچھے ہیں۔ احمد کہتے ہیں کہ جب زہری ان کی مخالفت کریں تو یحییٰ کا قول تسلیم کیا جائے گا۔ انہوں نے ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

جو لوگ اس دور میں فتویٰ دیتے تھے اور روایتِ حدیث کرتے تھے ان میں بزرگ ترین یہی لوگ تھے جن کا ہم نے نام لیا لیکن اس دور میں کوئی شخص کسی معیّن اور کسی خاص فقیہ کی طرف اس طور پر منسوب نہ تھا کہ اس نے جو روایت یا جو رائے اختیار کی ہو اس پر عمل کرنا اس کے لیے لازمی ہو، بلکہ یہ تمام مفتی مختلف شہروں میں فقہ اور روایتِ حدیث میں شہرت رکھتے تھے اور جس شخص کو فتویٰ پوچھنا ہوتا تھا وہ جس شخص کے پاس چاہتا تھا جا کر فتویٰ پوچھ لیتا تھا اور وہ فتویٰ دے دیتا تھا۔ بعض اوقات وہ ایک مفتی سے فتویٰ لے کر دوسرے مفتی کے یہاں بھی چلا جاتا تھا۔ جو لوگ مختلف شہروں کے قاضی تھے ان کے فیصلے کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ قرآن و حدیث سے ان کی سمجھ میں آتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر ان کی کوئی ذاتی رائے قائم ہو جاتی تو اس کے مطابق بھی فیصلہ کر دیتے تھے۔ بعض اوقات اپنے شہر کے مشہور فقہاء سے بھی فتویٰ لے کر فیصلہ صادر کرتے اور بسا اوقات خلیفہ سے بھی بذریعہ خط و کتابت کے استفسار کر لیتے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ کے دورِ خلافت میں اکثر ایسا ہوا۔

اس دور میں ایک خاص فرقہ پیدا ہوا جس کو مؤرخین خوارج کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اس فرقہ کی اصل وہ گروہ ہے جس نے حضرت عثمان رضؓ بن عفان کی مخالفت میں بغاوت کی کیونکہ اس گروہ نے ان کی چند باتوں کو ناپسند کیا اور اس بناء پر پہلے ان کے خلاف بغاوت کی پھر ان کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد جب ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں اور امیر معاویہؓ میں ناچاقی بڑھانے کا بہت بڑا سبب بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے دو فرقوں میں جو تمام عالمِ اسلامی کا خلاصہ تھا، بمقام صفین سخت جنگ ہوئی۔ جب امیر معاویہؓ اور ان کے رفقاء نے قرآن مجید کو حکم بنانے کی دعوت دی تو یہ لوگ پہلے تو اس پر راضی ہو گئے لیکن بعد میں اس کو قابلِ اعتراض قرار دیا اور کہا کہ یہ کفر ہے کیونکہ "لاحکم الا للہ" حکم صرف خدا کے لیے ہے۔ ان لوگوں نے اس فقرہ کو اپنا شعار بنا لیا یہاں تک کہ جن لوگوں نے خوارج کی رائے اختیار کی ان کو کہا جانے لگا کہ حکم یعنی انہوں نے "لاحکم الا للہ" کہا۔ ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بھی سخت لڑائیاں کیں۔ جن کی وجہ سے ان کا مرکز ان کے اس فریق کے مقابل میں جو ایک فرماں بردار فوج رکھتا تھا، ضعیف ہو گیا اور

Marfat.com

نسباً بربری الاصل ہیں۔ ان کے باپ دنقلہ کے رہنے والے تھے اور مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ جب کسی خلیفہ کی بیعت کا وقت آتا تو سب سے پہلے عبید اللہ بن جعفر اور یزید بن حبیب بیعت کرتے تھے۔ ابن لہیعہ کا بیان ہے کہ یزید بیمار ہوئے تو حوثرہ بن سہیل امیر مصر نے ان کی عیادت کی اور کہا کہ اے ابو رجاء جس کپڑے میں مچھروں کا خون لگا ہوا ہو اس کو پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق تمہارا کیا قول ہے؟ انہوں نے مُنہ پھیر لیا اور ان سے گفتگو نہیں کی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو یزید نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم روز ایک جماعت کو قتل کرتے ہو اور مجھ سے مچھروں کے خون کے متعلق سوال کرتے ہو؟" سعید بن عنفر کہتے ہیں کہ زبان بن عبد العزیز نے یزید کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ تاکہ میں تم سے کچھ علمی استفسارات کروں۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ "تم خود ہی آؤ۔ کیونکہ میرے پاس تمہارا آنا تمہارے لیے زینت ہے اور تمہارے پاس میرا آنا میرے لیے عیب ہے"۔ انہوں نے ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

**مفتیانِ یمن**

(۱) طاؤس بن کیسان الجندی۔

وہ جنگ کے گرفتار شدہ لوگوں کے لڑکے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے حدیث سُنی۔ علم و عمل میں منتخب روزگار تھے۔ عمرو ابنِ دینار کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو طاؤس کے مثل نہیں دیکھا۔ قیس بن سعد کا قول ہے کہ "طاؤس ہم میں ویسے ہی تھے جیسے بصرہ والوں میں ابن سیرینؒ"۔ ذہبی کہتے ہیں کہ طاؤس اہلِ یمن کے شیخ، اُن کے فقیہ اور ان کے لیے ایک برکت تھے"۔ وہ بڑے جلیل القدر تھے۔ حج بہت کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۰۶ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔

(۲) وہب بن منبہؒ الصنعانی۔

اہلِ یمن کے عالم ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ ان کے پاس اہلِ کتاب کے علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا کیونکہ انہوں نے اس طرف سخت توجہ کی تھی۔ عجلی کہتے ہیں کہ "وہ مستند تابعی اور قاضی تھے"۔ انہوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۳) یحییٰ بن ابی کثیر مولیٰ طے۔

حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے روایت کی۔ شعبہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث میں

گذشتہ دوروں میں حدیث فقہ کا ایک بنیادی اصول خیال کی جاتی تھی اور مفتی لوگ فتویٰ دینے کے لیے جب قرآن مجید کی کوئی نص نہیں پاتے تھے تو حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ لیکن طولِ زمانہ اور رواۃِ حدیث کی کثرت اور جھوٹی حدیثوں کی اشاعت نے اس میں بہت سے اختلافات پیدا کر دیئے یہاں تک کہ جو شخص استنباطِ احکام کرنا چاہتا تھا، وہ حدیث کے سمجھنے اور اس سے حکم کے مستنبط کرنے سے پہلے اپنے سامنے صحیح حدیث کی تحقیق کی ایک سخت چٹان پاتا تھا۔ اس نے دو مرکزی اور اصولی نزاعیں پیدا کر دیں۔

یعنی یہ کہ

(۱) حدیث فقہ اسلامی کی کوئی اصل اور قرآن مجید کی تکمیل کرنے والی ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر ہم اس کو ایک اصل تسلیم کرلیں تو اس پر اعتماد کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟

پہلے نقطۂ خیال سے ایک جماعت نے کلیتہً حدیث کا انکار کر دیا اور صرف قرآن مجید کو کافی خیال کیا۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "اُمّ" کے ساتویں حصے میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے :-

"اس جماعت کے اقوال کے بیان کرنے کا باب جس نے تمام حدیثوں کو رد کر دیا۔"

اور انہوں نے اس جماعت کے قول اور ان کے استدلال کو انہی میں سے ایک شخص کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے :

"تم عربی ہو اور قرآن ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوا ہے جن میں تم خود ہو اور تم کو وہ خوب یاد ہے۔ اس میں خداوند تعالیٰ نے اپنے چند فرائض نازل کیے ہیں۔ اگر کوئی شخص جس پر قرآن مشتبہ ہو گیا ہو ان کے ایک حرف میں بھی شک کرے تو تم اس سے توبہ کا مطالبہ کرو گے۔ اور اگر اس نے توبہ کرلی تو بہتر ہے ورنہ تم اس کو قتل کر دو گے۔ قرآن مجید کے بارے میں خود خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے، (تبیانا لکل شیئ) یعنی وہ ہر چیز کی وضاحت ہے۔ ایسی حالت میں تمہارے یا کسی شخص کے نزدیک یہ کیونکر جائز ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس چیز کو

Marfat.com

فرض کر دیا اس کی نسبت کبھی یہ کہے کہ فرض عام ہے، کبھی یہ کہ وہ فرض خاص ہے، کبھی یہ کہ اس امر میں فرضیت ہے اور اس امر میں استحباب ہے اور اس قسم کے فرق اور بھی بہت سے ہیں۔

تمہارے پاس ایک حدیث یا دو حدیث یا تین حدیثیں ہوتی ہیں جن کو تم ایک آدمی سے پھر دوسرے پھر تیسرے سے روایت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہو، اور میں نے تم کو اور تمہارے ہم مذہب لوگوں کو اس طرح پایا ہے کہ تم نے جس سے ملاقات کی اور حفظ وصداقت میں اس کو مقدم سمجھا اور تمہارے ملنے والوں میں سے وہ خود جس سے ملا، تم ان میں سے کسی کو حدیث میں غلطی اور بھول چوک سے بری کرتے ہو حالانکہ میں نے تم کو ان میں متعدد اشخاص کی نسبت یہ کہتے ہوئے پایا۔ ہے کہ فلاں نے اس حدیث میں اور فلاں نے اس حدیث میں غلطی کی۔ اور میں نے تم کو یہ کہتے ہوئے پایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی حدیث کی نسبت جس کے ذریعہ سے تم نے کسی چیز کو حلال وحرام بتایا ہے، یہ کہے کہ یہ علم خاصہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں فرمایا ہے، صرف تم نے یا اس شخص نے جھوٹ کہا ہے جس نے تم سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور تم نے جھوٹ کہا ہے یا اس شخص نے جس سے تم سے اس حدیث کی روایت کی ہے جھوٹ کہا ہے، تو تم اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کرتے اور اس سے زیادہ اس کو نہیں کہتے، کہ "تم نے کس قدر برا کہا۔ تو کیا یہ جائز ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کے احکام اور اس کے ظاہر میں ایسے شخص کے نزدیک تفریق کرے جس نے اس کو ایسے شخص سے سنا ہے جس کی حالت وہ ہے جس کو تم نے بیان کیا ہے اور ان کی احادیث کو تم کتاب اللہ کے قائم مقام قرار دیتے ہو اور ان سے حلال وحرام کرنے میں مدد لیتے ہو۔

لیکن جب تم نے ان کی احادیث کو قبول کر لیا اور ان میں ایسے لوگ ہیں جن کی احادیث کے قبول کرنے کی نسبت تمہارا معاملہ وہ ہے جس کو میں نے بیان کیا تو جس شخص نے ان کو رد کر دیا ان کی نسبت تمہاری کیا حجت ہے؟ میں ان احادیث میں سے کسی کو قبول نہیں کرتا

Marfat.com

جب کہ اس میں وہم کا امکان ہے۔ اور میں صرف اس کو قبول کرتا ہوں جس کے ذریعہ سے خدا پر گواہی دوں، جیسا کہ اس کی کتاب پر گواہی دیتا ہوں جس کے ایک حرف میں بھی کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ کیا یہ جائز ہے کہ ایک چیز کو حادی قرار دیا جائے، اور وہ اس کی سزاوار نہ ہو۔

اس قول کے بیان اور اس کے استدلال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہے وہ صرف ان احادیث کو رد کرتا ہے، جو مفید یقین نہیں کیونکہ ان کے راویوں میں غلطی اور بھول چوک کا امکان ہے۔ لیکن وہ حدیث کا من حیث الحدیث انکار نہیں کرتا یہاں تک کہ اگر وہ ایسے طریقے سے ثابت ہو جائیں جو مفید یقین ہوں جیسا کہ متواتر حدیثیں ہوتی ہیں، تو وہ ان کو قبول کرے گا۔ لیکن اس مذہب کی تردید کے سلسلے میں اس نے ایک ایسی تصریح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی جماعت بھی ہے جو حدیث کو من حیث الحدیث مردود قرار دیتی ہے اور ایک جماعت نے حدیث کا صرف اس صورت میں انکار کیا ہے جب وہ نص قرآن کا بیان نہ ہو۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

"کچھ لوگوں نے اس میں دو مذہب اختیار کیے ہیں۔ ایک فریق اس صورت میں جب قرآن مجید میں بیان موجود ہو، کسی حدیث کو قبول نہیں کرتا، تو میں نے کہا کہ اس کے لیے اس کا لازمی نتیجہ کیا ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ اس نے اس کو ایک بہت بڑے نتیجہ تک پہنچا دیا، اور اس نے یہ کہہ دیا کہ جس شخص نے ایسا عمل کیا جس پر نماز کا یا کم از کم زکوٰۃ کا لفظ بولا جا سکتا ہے اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اس کے لیے کوئی وقت کی پابندی نہیں ہے گو وہ ہر دن کو دو رکعت پڑھے یا پورے زمانے میں دو رکعتیں پڑھ لے۔ اس کا یہ بھی قول ہے کہ جو چیز قرآن مجید میں نہ ہو وہ کسی پر فرض نہیں ہے۔ اس فریق کے علاوہ دوسرا فریق کہتا ہے، جو چیز قرآن میں موجود ہو اسی کی نسبت حدیث قبول کی جائے گی۔ وہ بھی اس چیز کے متعلق جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے، قریب قریب فریق اوّل ہی کا ہم نوا ہے۔ اس لیے اس کو بھی فریق اوّل کے نتیجہ یا اسی کے قریب نتیجہ کا قائل ہونا پڑا بلکہ اس پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ حدیث کے انکار

Marfat.com

کے بعد بھی اس نے حدیث کو قبول کر لیا ہے۔ وہ ناسخ و منسوخ اور خاص و عام کو نہیں تسلیم کرتا اور اس نے غلطی کی۔"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں مذاہب کا طریقۂ گمراہی واضح ہے۔ لیکن امام شافعیؒ نے ہمارے لیے اس رائے کے قائل کی شخصیت کو نمایاں نہیں کیا اور تاریخ بھی ہم کو اس کا پتہ نہیں دیتی۔ تاہم امام شافعیؒ نے اپنے اس مناظرے میں جو اصحاب الرائے کے ساتھ ہے، اور جو آگے آئے گا، یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص اس مذہب کا قائل ہے وہ بصرہ کی طرف منسوب ہے۔ اور بصرہ ہی ایک ایسا شہر ہے جو علم کلام کی تحریک کا مرکز تھا۔ معتزلہ کے مذاہب نے وہیں نشوونما پائی اور کبار معتزلہ و مصنفینِ معتزلہ وہیں پیدا ہوئے۔ یہ لوگ اہل حدیث کی مخاصمت میں مشہور تھے، اس لیے غالباً اس قول کا قائل انہی لوگوں میں سے تھا۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہؒ المتوفی ۲۷۶ھ کی کتاب "تاویل مختلف الحدیث" کی بعض تصریحات سے بھی میرے نزدیک اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی ابتدا میں انہوں نے لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی طاعت سے تم کو سعادت مند بنائے۔ اپنی حفاظت کے ساتھ تم کو محفوظ رکھے، اپنی رحمت سے تم کو حق کی توفیق دے اور تم کو اہلِ حق بنائے۔ ان معائب سے جو اہلِ کلام اہلِ حدیث پر لگاتے ہیں، ان کی تحقیر اور اپنی کتابوں میں طوالت بیانی کے ساتھ ان کی ہجو کرتے ہیں، ان پر جھوٹ اور متناقض روایتوں کے کرنے کا اتہام لگاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف پیدا ہوا، کثرت سے مذاہب نکلے، فرقہ بندیاں ہوئیں، مسلمانوں میں باہم دشمنی ہوگئی، ایک نے دوسرے کو کافر بنایا اور ہر فریق نے اپنے مذہب کی ایک قسم کی حدیث سے تائید کی، تم نے واقف ہو کر بذریعہ تحریر کے مجھ کو اطلاع دی۔" اس کے بعد مختلف فرقے جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، ان کو بیان کیا ہے پھر اہلِ سنّت کے خلاف نہایت سخت اعتراضات ایسے الفاظ میں نقل کیے ہیں جو نظام اور جاحظ جیسے بلغائے متکلمین کی عبارت سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے باب میں متکلمین پر خود اعتراض کیا ہے اور ان پر یہ عیب لگایا ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ معرفتِ قیاس اور غور و فکر کے اسباب کی فراہمی کا دعویٰ رکھتے ہیں لیکن وہ باہم خود تمام لوگوں سے زیادہ اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ ابوالہذیل علاف نظام کی مخالفت کرتا ہے، نجّار ان

Marfat.com

دونوں کا مخالف ہے، ہشام بن الحکم ان سب سے اختلاف رکھتا ہے اور ثمامہ بن اشرس کا بھی یہی حال ہے۔ ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو دین کے متعلق ایک مذہب نہ رکھتا ہو جس کو اس نے اپنی رائے سے قائم کیا ہے اور چند لوگ اس کی تقلید کرتے ہیں۔ اس کے بعد نظام کا ذکر نہایت برے الفاظ میں کیا ہے اور خود اس کے اصحاب نے اس پر جو عیوب لگائے ہیں ان کو گنایا ہے۔ اور اس کے وہ فقہی مسائل بیان کیے ہیں جن میں اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔ مثلاً اس کے نزدیک نیت کرنے کے بعد کنایہ کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور نیند سے کسی حالت میں وضو نہیں ٹوٹتا۔ فقہائے صحابہ میں کبار مفتیین پر نظام نے جو عیب لگایا ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ابوالہذیل اور عبیداللہ بن الحسن قاضی بصرہ کا، جس کا یہ قول ہے کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے یہاں تک کہ اصول میں بھی اس کی صحت قائم رہتی ہے، اسی برائی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اصحاب الرائے اور ان کے معائب کا ذکر کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے اس کی ابتدا کی ہے۔ ان کے چند مسائل بیان کیے ہیں جن میں انہوں نے نصوص کی مخالفت کی ہے۔ پھر جاحظ کے متعلق گفتگو کی ہے اور اس نے اہلِ سنت کی جو تنقیص کی ہے اور ان کی روایتوں کی جو ہنسی اڑائی ہے، ان کا ذکر کیا ہے۔ پھر اصحاب حدیث کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے بہترین اوصاف جن کے ساتھ مسلمان متصف کیے جا سکتے ہیں، بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ "معترضین ان پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ وہ ضعیف اور غریب روایتیں کرتے ہیں، حالانکہ مرض اجنبی ہی میں ہوتا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے ضعیف اور غریب کی روایت اس لیے نہیں کی کہ وہ لوگ ان کو حق سمجھتے تھے بلکہ ان لوگوں نے نیک و بد اور صحیح و سقیم سب کو اس لیے جمع کر دیا تاکہ ان کے درمیان تمیز کریں اور ان کا پتہ لگائیں اور انہوں نے ایسا کر بھی لیا۔ اس کے بعد اس مقصد کا ذکر کیا ہے جس کے لیے یہ کتاب تصنیف کی ہے، یعنی ان احادیث کا جواب دینا جن کو متکلمین باہم خود متناقض خیال کرتے ہیں یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے متناقض ہیں۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں امام شافعیؒ نے اپنا رسالہ لکھا ہے یا اس سے کسی قدر پہلے متکلمین نے اہلِ سنت پر عام غارت گری کر دی تھی جن میں اکثر بصرہ میں رہتے

Marfat.com

تھے۔ اس لیے یہ یقینی ہے کہ جس نے امام شافعیؒ سے مناظرہ کیا تھا وہ انہی لوگوں میں سے تھا۔ لیکن اصحاب حدیث کی قوت سے ٹکرا کر یہ رائے نمایاں نہیں ہونے پائی اور قرآن مجید کے بعد بحیثیت ایک فقہی اصل کے حدیث پر اعتماد کرنے کا مذہب غالب رہا۔ لیکن اس مذہب کے لوگوں کے درمیان یہ بھی اختلاف پیدا ہو گیا کہ حدیث کس طریقہ سے قابلِ اعتماد قرار دی جا سکتی ہے۔ بعض لوگوں نے خاص خاص اشخاص کی حدیث کو مردود قرار دیا۔ فقہا کی زبان میں اسی کو خبرِ واحد کہتے ہیں اور اس سے یقین نہیں حاصل ہوتا۔

جو لوگ اس رائے کی حمایت کرتے ہیں، ان کی زبان سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"کسی حاکم اور مفتی کے لیے یہ جائز نہیں کہ احاطہ کی حیثیت[1] کے سوا وہ فتوے دے اور فیصلہ کرے اور احاطہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر علم کو وہ ظاہر و باطن میں حق ہے اور اس کے ذریعہ سے خدا پر گواہی دی جا سکتی ہے اور یہ صرف قرآن ہے، متفق علیہ حدیث ہے اور وہ چیز جس پر تمام لوگوں نے اتفاق کیا ہے اور باہم مختلف نہیں ہوتے ہیں تو حکم ایک ہے۔ اور ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی صرف وہی باتیں مانیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے، مثلاً یہ کہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں، کیونکہ اس میں کوئی نزاع نہیں ہے کوئی مسلمان اس کی مخالفت نہیں کرتا اور کوئی شخص اس میں شک نہیں کر سکتا۔"

اس کے بعد اس نے واجب الاتباع علم کو چند اقسام میں منقسم کر کے اپنی غرض کو واضح کیا ہے:

(۱) عام طور پر لوگوں نے عام طور پر لوگوں سے اس کو نقل کیا ہو، اس کے ذریعہ سے خدا اور اس کے رسولؐ پر گواہی دی جا سکے مثلاً تمام فرائض۔

(۲) کتاب جو تاویل کا احتمال رکھتی ہو اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف کیا جا سکے۔ لیکن جب اس میں اختلاف کیا جائے گا تو وہ اپنے ظاہر اور عام معنی پر قائم رہے گی اور اس معنی کو کسی باطنی معنی کی طرف، گو اس میں اس کا احتمال ہو، بجز لوگوں کے اجماع کے نہ پھیرا جائے گا۔ لیکن جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا تو وہ اپنے ظاہر معنی پر باقی رہے گی۔

---

[1] یعنی خبر احاد مثلاً مشہور یا متواتر۔

Marfat.com

(۳) وہ جس پر مسلمانوں نے اتّفاقِ عام کر لیا ہو اور اپنے سے پہلے لوگوں کے اتّفاق کو بھی بیان کیا ہو اگرچہ یہ لوگ ایسا قرآن و حدیث سے نہیں کرتے۔ تاہم یہ میرے نزدیک متّفق علیہ حدیث کا قائم مقام ہے کیونکہ یہ اتّفاقِ رائے سے نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اگر رائے ہوتی تو اس میں اختلاف کیا جاتا۔

(۴) خبر احاد اور اس سے اسی وقت حجت پکڑی جا سکتی ہے جب اس کی روایت ایسے طریقے سے ہو جو غلطی سے محفوظ ہو۔

تو حدیث کے متعلق اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے صرف اس حالت میں دلیل لا سکتے ہیں جب وہ متواتر ہو اور اس کو عام طور پر لوگوں سے روایت کریں، تاکہ وہ غلطی سے محفوظ ہو، لیکن پہلی رائے کی طرح جمہور اسلامی نے اس کو بھی مردود قرار دیا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی روایت صرف اس صورت میں قبول کی جا سکتی ہے جب کہ اس کو عام طور پر لوگ عام طور پر لوگوں سے روایت کریں اور فقہائے امصار متفقاً اس پر عامل ہوں۔ اور اس نے پہلی وجہ پر ایک تیسری وجہ کا ایک اضافہ اور یہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آپؐ کا کوئی صحابی آپؐ کے کسی فیصلہ کی روایت کرے اور کوئی دوسرا صحابی اس کی مخالفت نہ کرے تو ہم اس سے دو باتوں پر استدلال کریں گے۔ ایک تو یہ کہ اس نے صحابہ کی جماعت میں اس حدیث کی روایت کی، دوسری یہ کہ اس کی مخالفت کسی دوسری حدیث سے انہوں نے اس کی تردید میں اس لیے نہیں کی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ حدیث ویسی ہی ہے جیسے کہ وہ روایت کرتا ہے۔ اس لیے وہ عام صحابہؓ کی حدیث قرار پائے گی۔

فقہائے عراق یعنی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا رجحان اسی طریقہ کی طرف ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے "سیر الاوزاعی" کی تنقید میں جو کتاب لکھی ہے اور امام شافعیؒ کی کتاب الام میں جس کی روایت کی ہے اس کے باب "سوار اور پیادہ" کے حصّۂ مالِ غنیمت میں اس معنی کی توضیح کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "تم صرف اس حدیث کو لو جو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو اور شاذ حدیث کو چھوڑ دو کیونکہ ہم سے ابن ابی کریمہ نے، انہوں نے ابو جعفر سے اور انہوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپؐ نے یہود کو بلایا اور انہوں نے آپؐ سے گفتگو کی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر جھوٹ

باندھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا کہ عنقریب مجھ سے حدیث پھیلے گی تو میری جو حدیث قرآن کے مطابق تم کو ملے وہ تو میری حدیث ہے، لیکن جو قرآن کے مخالف ہو وہ میری حدیث نہیں۔ مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ نے عمرو بن مرہ سے، انہوں نے بختری سے اور انہوں نے علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث آئے تو یہ خیال کرو کہ وہ بہت زیادہ ہدایت کرنے والی، بہت زیادہ صاف اور بہت زیادہ زندہ کرنے والی ہے۔ اشعث بن سوار اور اسماعیل بن ابی خالد نے شعبی سے اور انہوں نے قرظہ بن کعب انصاریؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں انصار کے ایک گروہ میں کوفہ کی طرف چلا تو عمر بن الخطابؓ نے پاپیادہ ہماری مشایعت کی، یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر جس کا انہوں نے نام بتایا پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ اے گروہِ انصار! تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیوں پاپیادہ آیا؟ ان لوگوں نے کہا "ہاں ہمارے حق کی وجہ سے" بولے تمہارا حق یہی ہے لیکن تم ایسی قوم کے پاس جاتے ہو جن کے یہاں شہد کی مکھیوں کی طرح قرآن کی گنگناہٹ ہے تو تم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں۔" قرظہ نے کہا کہ "میں کبھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت نہیں کروں گا۔"

ہم کو روایات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ دو گواہوں کے بغیر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے، اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو میں تمہارے لیے اس حدیث کی سند بیان کرتا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ سرے سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث ہی کو قبول نہیں کرتے تھے۔[1] روایتیں بہت زیادہ بڑھتی جاتی ہیں اور ایسی روایتیں نکلتی آتی ہیں جو نامعلوم ہیں۔ اہلِ فقہ ان کو نہیں جانتے اور وہ کتاب وسنّت کے موافق نہیں ہیں۔ تو تم شاذ حدیث سے احتراز کرو اور وہ حدیث لو جس پر جماعت کا اتّفاقِ عام ہے، اور اس کو فقہاء جانتے ہیں تو اور چیزوں کو اسی پر قیاس کرو، اور جو چیز قرآن کے مخالف ہو گو اس کی روایت کی جائے لیکن وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث

[1] مشہور یہ ہے کہ وہ راویوں سے قسم لیتے تھے اور ہم اوپر اس کو لکھ آئے ہیں۔

Marfat.com

نہیں ہے۔ ہم سے معتبر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ میں صرف اس چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو قرآن نے حرام کیا ہے۔ خدا کی قسم وہ لوگ کسی چیز سے مجھ پر تمسک نہ پکڑیں۔ میں تو قرآن اور مشہور حدیث کو تمہارا امام اور رہنما بناتا ہوں، اس کا اتباع کرو اور قرآن وحدیث میں جس چیز کی توضیح نہ کی گئی ہو وہ اگر پیش آئے تو اسی پر قیاس کرو الخ۔ لیکن امام شافعیؒ نے اس رائے پر نکتہ چینی کی ہے اور اس کو رَد کیا ہے اور جمہور اہلِ حدیث بھی اس کے مخالف ہیں۔

اس مسئلہ میں ایک تیسری رائے بھی ہے جس کو امام مالکؒ اور ان کے اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ حدیث دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ ائمہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اس کے موافق ہوں (امام مالکؒ اس کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اسی پر عمل ہے) دوسرے یہ کہ ہم لوگوں کو اس میں مختلف نہ پائیں، (امام مالکؒ اس کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس پر اتفاق عام ہے) لیکن اگر ہم اس حدیث کی نسبت ائمہ صحابہ کا قول نہ پائیں اور اس میں لوگوں کا اختلاف پایا جائے تو اس کو رَد کردیں گے۔ غرض ان کے نزدیک تحقیقِ حدیث کا اصول یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اس پر عمل کریں اور ان کو اس پر اتفاق ہو۔ امام مالکؒ نے اہلِ مدینہ کے عمل اور فقہائے مدینہ کے اتفاق کو اس قدر اہمیت دی ہے، جس نے ان کے اعتبار کے ساتھ اعتماد حدیث کے وسائل میں ایک اور وسیلے کا اضافہ کردیا ہے۔ امام شافعیؒ نے اس مذہب کی اصل اور اس کی تطبیق دونوں پر نہایت تفصیل کے ساتھ تنقید کی ہے۔ میں اس موقع پر اپنے دَور بلکہ تمام ملکوں کے فقہاء کے سردار لیث بن سعدؒ فقیہ مصر کا ایک خط درج کرنا چاہتا ہوں جس کو انہوں نے اپنے بھائی مالک بن انسؒ کے نام لکھا ہے اور یہ اہلِ مدینہ کے عمل پر اعتماد کرنے کی حیثیت سے ان پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کی تفصیل کی ہے۔ یہ خط ایک خط کا جواب ہے جس کو امام مالکؒ نے ان کے نام لکھا ہے۔ لیکن ہم اس خط سے واقف نہ ہو سکے۔ البتہ ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف ابن القیم الجوزی کی کتاب اعلام الموقعین میں ہم کو اس کا جواب ملا ہے، جس کو انہوں نے ابو یوسف یعقوب بن سفیان القسوی

Marfat.com

کی کتاب التاریخ والمعرفۃ" سے نقل کیا ہے۔

امام لیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سلام علیک۔ میں تمہاری طرف اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں اما بعد، خدا ہم کو اور تم کو معاف کرے اور دنیا و آخرت میں ہماری عافیت کو بہتر بنائے۔ مجھے تمہارا وہ خط ملا جس میں تم نے اپنی حالت کی بہتری کا جو مجھے مسرور کرتی ہے، ذکر کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کو تمہارے لیے ہمیشہ قائم رکھے اور اپنی شکر پر مدد کرنے کے ساتھ اس کو پورا کرے اور اپنے احسان کو اور بڑھائے۔ میں نے جو خطوط تم کو بھیجے ہیں ان پر نظر کرنے اور ان کے قائم رکھنے اور ان پر اپنی مہر لگانے کا تم نے تذکرہ کیا ہے، یہ خطوط ہم کو ملے، اور خدا تعالیٰ تم کو اس کی جزائے خیر دے۔ تمہارے جو یہ خطوط ہم کو ملے تو میں نے بھی یہ پسند کیا کہ جس نظر سے تم ان کو دیکھتے ہو میں بھی اس کی حقیقت کو پہنچوں۔ تم نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے اس خط میں جو کچھ لکھا ہے، یعنی اس چیز کی اصلاح سے جو تمہارے متعلق مجھے معلوم ہوئی تھی جس پہ میں نے نصیحت کی ابتدا کی تھی، اس نے تم کو خوش کیا، اور مجھے توقع ہے کہ میرے پاس اس کا مقام ہو۔ لیکن گذشتہ زمانے میں اس سے تم کو صرف اس بات نے روکا تھا کہ تمہاری رائے ہماری نسبت اچھی تھی لیکن میں نے اس طرح تم سے گفتگو نہیں کی۔

تم کو معلوم ہوا ہے کہ میں ایسے فتاویٰ دیتا ہوں جو تمہارے یہاں کی عام جماعت کے مخالف ہیں، اور مجھ کو اپنی ذات کی نسبت خوف کرنا لازمی ہے کیونکہ تم نے جس چیز کا فتویٰ دیا ہے اس پر مجھ سے پہلے کے لوگ اعتماد کرتے ہیں۔ اور تمام لوگ اہلِ مدینہ کے، جس کی طرف ہجرت کی گئی اور جہاں قرآن نازل ہوا، متبع ہیں۔ تم نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا وہ ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ہے، اور مجھ پر اس نے وہی اثر کیا جس کو تم چاہتے ہو۔ میں کسی اہلِ علم کو اپنے سے زیادہ شواذ فتاوے کا مکروہ سمجھنے والا، گذشتہ علمائے اہلِ مدینہ کو سب سے زیادہ فضیلت دینے والا اور ان کے متفق علیہ فتاوے کا قبول کرنے والا نہیں پاتا۔

Marfat.com

والحمد للّٰہ رب العٰلمین الذی لاشریک لہ تم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قیام فرمایا اور آپؐ پر وہاں صحابہ کے سامنے قرآن نازل ہوا اور خداوند تعالیٰ نے ان کو قرآن کی تعلیم دی اور لوگ اس میں ان کے متبع ہو گئے، تو وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے۔ لیکن تم نے جو خداوند تعالیٰ کے اس قول کا ذکر کیا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ : ۱۰۰)

اور مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اوّلین اور ان لوگوں سے جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کا اتباع کیا، خداوند تعالیٰ راضی ہوا اور وہ لوگ ان سے راضی ہوئے۔ اور خداوند تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ وہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

تو ان سابقین اوّلین میں سے بہت سے لوگ خداوند تعالیٰ کی مرضی کی جستجو میں خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلے، چھاؤنیاں قائم کیں اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے تو ان کے سامنے انہوں نے خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنّت کو ظاہر کیا۔ اور جو کچھ وہ جانتے تھے ان میں سے کسی چیز کو نہیں چھپایا۔ ان کی ہر چھاؤنی میں ایک گروہ تھا جو خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت کی تعلیم دیتا تھا۔ اور جن مسائل کی نسبت قرآن و سنت نے کوئی تفسیر نہیں کی تھی، اپنی رائے سے اجتہاد کرتا تھا۔ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے، جن کو مسلمانوں نے انتخاب کیا تھا، اس کی ابتدا کی تھی۔ اور یہ تینوں مسلمانوں کی چھاؤنیوں کے نہ تو برباد کرنے والے تھے نہ ان سے غافل تھے بلکہ اقامتِ دین اور خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت سے اختلاف کرنے کے خوف کے متعلق ان کو ذرا ذرا سی بات پر لکھتے رہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ہر اس بات کی جس کی قرآن نے تفسیر کی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

Marfat.com

پر عمل کیا ہے یا آپؐ کے بعد انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے، ان کو تعلیم دی۔ تو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس پر اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے مصر، شام اور عراق میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے عہد میں عمل کیا ہو اور ان کی وفات تک اس پر قائم رہے ہوں اور ان لوگوں نے اس کے خلاف ان کو کوئی حکم نہ دیا ہو تو ہمارے نزدیک مسلمانوں کی چھاؤنیوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی ایسا نیا معاملہ پیدا کریں جن پر ان کے اسلاف یعنی اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے تابعین نے عمل نہ کیا ہو، باوجودیکہ اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعد کو فتاوے میں بہت سی چیزوں کے متعلق اختلاف کیا ہے، اور اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم اس سے واقف ہو تو میں ان کو تمہارے پاس لکھ بھیجتا۔ اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد تابعین میں سعید ابن المسیبؒ اور ان کے ہم مثل لوگوں نے بہت سی چیزوں کے متعلق سخت اختلاف کیا۔ پھر جو لوگ ان کے بعد پیدا ہوئے انہوں نے بھی اختلاف کیا تو میں مدینہ وغیرہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت ان کے سرخیل ابن شہابؒ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمان تھے۔ اور بعض گذشتہ مسائل کے متعلق ربیعہ کو جو اختلاف تھا اس کو تم جانتے ہو۔ اور میں حاضر ہوا اور ان کے بارے میں تمہارا اور مدینہ کے اہل الرائے یعنی یحییٰ بن سعیدؒ، عبیداللہ بن عمرؒ، اور کثیر بن فرقدؒ اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کا جو ان سے زیادہ سن رسیدہ تھے، قول سنا یہاں تک کہ تم کو اس کی ناپسندیدگی نے ان کی مجلس کے چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ میں نے تم سے اور عبدالعزیز بن عبداللہ سے بعض ان نکتہ چینیوں کی نسبت جو تم نے ربیعہ پر کی تھیں گفتگو بھی کی، تو مجھ کو جو کچھ اعتراض تھا تم دونوں بھی اس سے متفق تھے۔ اور میں ان کی جس چیز کو ناپسند کرتا تھا تم دونوں بھی اس کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن الحمدللہ کہ باایں ہمہ ربیعہ کے پاس بہت سی بھلائی، راسخ عقل، بلیغ زبان، کھلی ہوئی فضیلت، اسلام میں اچھا راستہ اور اپنے بھائیوں سے عموماً اور ہم سے خصوصاً سچی دوستی موجود ہے۔

Marfat.com

خداوند تعالیٰ ان پر رحم کرے، اور ان کو بخشے اور ان کے عمل سے بہتر ان کو جزا دے۔

اور جب ہم ابن شہابؒ سے ملتے تھے تو وہ بہت سے اختلافات ظاہر کرتے تھے اور جب ہم میں سے کوئی ان سے خط وکتابت کرتا تھا تو وہ باوجود اپنے علم اور اپنی رائے کی فضیلت کے ایک ہی چیز کے متعلق تین طرح سے لکھتے تھے جن میں بعض باتیں بعض کی مناقض ہوتی تھیں اور ان کو اس کے متعلق اپنی گذشتہ رائے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ تو جس چیز کے چھوڑنے پر تم مجھ پہ اعتراض کرتے ہو اسی نے مجھ کو اس کے چھوڑنے پر آمادہ کیا۔ تم نے مجھ پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ میں نے ان کے اس مسئلہ پہ کہ بارش کی رات میں مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں سے کوئی "نمازوں کو جمع کرے" نکتہ چینی کی ہے۔ حالانکہ شام کی بارش مدینہ کی بارش سے اس قدر زیادہ ہے کہ خدا ہی اس کا حال جانتا ہے۔ لیکن ان میں کسی امام نے بارش کی رات میں نمازوں کو جمع نہیں کیا۔ حالانکہ ان میں ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ، خالد بن الولیدؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، عمر بن العاصؓ اور معاذ بن جبلؓ موجود تھے۔ اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ تم میں حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبلؓ ہیں اور معاذ قیامت کے دن علماء کے پیش پیش ایک قدم آگے آئیں گے۔ اور شرجیل بن حسنہؓ، ابوالدرداءؓ اور بلال بن رباحؓ شام میں تھے اور ابوذرؓ، زبیر بن العوامؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ مصر میں تھے، اور حمص میں ستر اہلِ بدر اور مسلمانوں کی کل چھاؤنیوں میں تھے، اور عراق میں ابنِ مسعودؓ، حذیفہ بن الیمانؓ اور عمران بن حصینؓ تھے۔ اور امیرالمؤمنین علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ برسوں وہاں رہے تھے، اور ان کے ساتھ اور اصحابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی تھے لیکن ان لوگوں نے کبھی مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع نہیں کیا۔ اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ایک گواہ اور صاحبِ حق کی قسم سے فیصلہ کرنا ہے۔ اور تم کو معلوم ہے کہ مدینہ میں ہمیشہ اس طرح فیصلہ ہوتا رہا لیکن شام،

Marfat.com

حمص، مصر اور عراق میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس طرح فیصلہ کیا اور نہ ان کو خلفائے راشدین یعنی ابو بکرؓ، عثمانؓ اور علیؓ نے اس کے متعلق لکھا۔ اس کے بعد عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے اور سنّت کے زندہ اور دین کی اقامت میں جدوجہد کرنے اور رائے اور علم کی اصابت میں جیسا کہ تم کو معلوم ہے سلف کے طریقہ پہ کاربند ہوئے۔ لیکن ان کو زریق بن الحکم نے لکھا کہ آپ مدینہ میں ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم لے کر فیصلہ کرتے تھے۔ تو انہوں نے ان کو لکھا کہ ہم مدینہ میں اس طرح فیصلہ کرتے تھے لیکن ہم نے اہلِ شام کو اس کے مخالف پایا تو تم بجز دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ نہ کرو۔ انہوں نے بارش کی رات میں مغرب اور عشاء کی نماز کبھی جمع نہیں کی، حالانکہ خناصرہ میں وہ جس مکان میں مقیم تھے خود ان کے اوپر پانی ٹپکتا تھا۔

ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اہلِ مدینہ عورتوں کے متعلق یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ جب وہ اپنا مہر مؤجل طلب کرے اس کو دینا چاہیئے۔ لیکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے لوگوں نے کسی عورت کو اس کے مہر مؤجل کے دلوانے کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ موت یا طلاق میاں بی بی کے درمیان جدائی نہ کردے اور اس کے بعد وہ اپنا حق لینا چاہے۔

ان مسائل میں ایک مسئلہ ایلاء کا ہے[1] کہ اہلِ مدینہ کہتے ہیں کہ چار مہینے کے گذر جانے کے بعد بھی جب تک کہ شوہر مدّت کی تحدید نہ کردے طلاق نہیں ہو سکتی حالانکہ نافع نے عبد اللہ بن عمرؓ سے جن سے مہینوں کے بعد یہ تحدید مروی ہے، یہ روایت کی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایلاء کا ذکر کیا ہے وہ مدّت مقررہ کے ختم ہونے کے بعد قسم کھانے والے کے لیے بجز اس صورت کے جائز نہیں ہے کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق رجوع

---

[1] ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص قسم کھالے کہ میری بی بی مجھ پہ حرام ہے۔

Marfat.com

کرلے یا طلاق دے دے۔ اور تم لوگ کہتے ہو کہ اگر چار مہینوں کے بعد جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مقرر کیا ہے، اگر وہ ٹھہر گیا اور تجدید نہیں کی تو اس پر طلاق نہ ہوگی حالانکہ عثمان بن عفانؓ، زید بن ثابتؓ، قبیصہ بن ذویبؓ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ ایلاء کے بارے میں ان کا یہ قول ہے کہ چار مہینے گذر جائیں تو وہ بائن طلاق ہو جاتی ہے۔ اور سعید بن المسیّب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام اور ابن شہاب کہتے ہیں کہ جب چار مہینے گذر جائیں تو یہ ایک طلاق ہوگی اور قسم کھانے والا عدت کے زمانے میں رجوع کرسکتا ہے۔

ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ کا قول ہے کہ جب کسی آدمی نے اپنی عورت کو طلاق لینے یا اپنے پاس رہنے کا اختیار دے دیا اور اس نے طلاق نہیں لی بلکہ اپنے شوہر ہی کو اختیار کر لیا تو اس پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اپنے آپ کو تین طلاق دے دی تو بھی ایک ہی طلاق ہوگی۔ عبدالملک بن مروان نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے اور ربیعہ بن عبدالرحمان بھی اسی کے قائل تھے۔ لیکن تقریباً اور تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر ایک یا دو طلاق لے لی تو اس پر شوہر کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ لیکن اگر اس نے تین طلاق لے لی تو وہ بائن ہو جائے گی اور جب تک اس سے دوسرا شخص نکاح کر کے اس سے مباشرت کرنے کے بعد مر نہ جائے یا طلاق نہ دے دے وہ اس کے لیے جائز نہیں ہو سکتی۔ البتہ اگر وہ اسی مجلس میں اس کی تردید کر دے اور کہے کہ میں نے تجھ کو صرف ایک طلاق کا اختیار دیا ہے، تو اس سے قسم لے لی جائے گی اور اس کو اس کی عورت کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔

ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ اگر کسی شخص نے ایک لونڈی کا نکاح کر دیا پھر اس کے شوہر نے اس کو خرید لیا تو یہ خریدنا بمنزلہ

Marfat.com

تین طلاق کے ہوگا اور ربیعہ کا بھی یہی قول تھا۔ اور اگر ایک آزاد عورت کسی غلام سے نکاح کرکے پھر اس کو خرید لے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

ہمارے پاس تم لوگوں کے کچھ ناپسندیدہ فتاویٰ پہنچے اور ان میں بعض کے متعلق میں نے تم کو لکھا لیکن تم نے میرے خط کا جواب نہیں دیا، اس لیے مجھ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ تم نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ اس لیے میں جس چیز کو ناپسند کرتا تھا اور تمہاری رائے پر میں نے جو اعتراضات کیے تھے، ان کے متعلق خط و کتابت سے باز رہا۔ مثلاً مجھ کو معلوم ہوا کہ تم نے زفر بن عاصم الہلالی کو حکم دیا کہ جب وہ استسقاء کی نماز پڑھنا چاہے تو خطبہ سے پہلے ہی نماز پڑھ لیا کرے لیکن میں نے اس کو ایک بڑی بات خیال کیا کیونکہ خطبہ اور استسقاء بالکل جمعہ کی صورت رکھتے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ امام جب خطبہ ختم کرنے کے قریب ہو تو دعا کرے اور اپنی چادر لپیٹ لے۔ پھر منبر سے اُتر کر نماز پڑھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اور ابوبکر بن حزمؒ وغیرہ نے استسقاء کی نماز پڑھی ہے اور ان سب نے خطبہ اور دعا کو نماز پر مقدّم کیا ہے اس بناء پر تمام لوگوں نے زفر بن عاصم کے فعل کو ناپسند کیا۔

اسی طرح مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تمہارا یہ قول ہے کہ اگر دو شخص کسی مال میں شریک ہوں تو جب تک کہ دونوں کا حصہ الگ ہونے کے بعد یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حصّہ پر صدقہ واجب ہے، حالتِ شرکت میں ان دونوں پر صدقہ واجب نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے خط میں ہے کہ دونوں پر صدقہ واجب ہے اور وہ دونوں برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور تم سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ وغیرہ کی خلافت میں اس پر عمل کیا جاتا تھا اور ہم سے یہ حدیث یحییٰ بن سعید نے بیان کی ہے جو اپنے زمانہ کے افاضل علماء میں کم رتبہ نہ تھے۔ خداوند تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کو بخشے اور جنّت میں ان کو جگہ دے۔

Marfat.com

اسی طرح مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تم کہتے ہو کہ جب ایک شخص دیوالیہ ہو جائے اور اس کے ہاتھ کوئی آدمی کوئی اسباب فروخت کر چکا ہو اور وہ اس کی قیمت کا ایک حصّہ لے چکا ہو یا مشتری اس اسباب کا کوئی حصہ صرف کر چکا ہو تو وہ اپنے اسباب کا جو حصہ بھی پائے اس کو لے سکتا ہے ۔ لیکن لوگوں کا معمول یہ تھا کہ بائع جب اس کی قیمت کا ایک جزو لے چکا یا مشتری نے اس کا ایک حصّہ صرف کر دیا تو وہ اسباب بعینہٖ وہ نہیں رہا جس کو بائع نے فروخت کیا تھا۔

اسی طرح تم یہ بیان کرتے ہو کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زبیرؓ بن عوام کو صرف ایک گھوڑے کا حصّہ دیا۔ اور تمام لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے ان کو دو گھوڑوں کا چار حصہ دیا اور تیسرے گھوڑے کا حصہ نہیں دیا اور تمام امت یعنی اہلِ شام اہلِ مصر، اہلِ عراق اور اہلِ افریقیہ کا اس حدیث پر اتفاق عام ہے اور اس میں دو شخص بھی مختلف نہیں ہیں۔ اس لیے تمہارے لیے یہ مناسب نہیں تھا گو تم نے اس کو کسی پسندیدہ شخص سے بھی سُنا ہو کہ تمام اُمت کی مخالفت کرو۔

میں نے اس قسم کی بہت سی چیزیں چھوڑ دی ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا تم کو توفیق دے اور تم کو دیر تک زندہ رکھے کیونکہ مجھے اس میں لوگوں کے فائدے کی توقّع ہے۔ اور تم جیسا شخص گذر جائے تو مجھے نقصان کا خوف ہے۔ اس کے ساتھ میں تم سے باوجود دوریٔ مکان کے اُنس رکھتا ہوں۔ غرض میرے نزدیک تمہارا یہ درجہ اور تمہاری نسبت میری یہ رائے ہے تو اس کو یقین کرو رکھو اور اپنے لڑکے اور اپنی بی بی کی حالت اور خود اپنی یا اپنے کسی متعلق کی ضرورت سے بذریعہ خط کے اطلاع دینے سے دریغ نہ کرو کیوں کہ میں اس سے خوش ہوں گا۔ میں نے حالتِ صحت وعافیت میں تم کو یہ خط لکھا ہے جس پر خدا کا شکر ہے۔ ہمارا سوال ہے کہ ہم کو اور تم کو نعمت کے شکر کی جو خدا نے ہم کو دی ہے، اور احسان کے شکر کی جو ہم پر کیا ہے توفیق دے۔ والسّلام علیک ورحمۃ اللہ۔"

Marfat.com

ہم نے اس خط کو پورا اس لیے نقل کر دیا ہے کہ تمہارے سامنے ادبی تنقید کی بہترین مثال رکھ دیں کیونکہ اختلاف کے بارے میں اس سے زیادہ مہذب اور شریفانہ طرزِ ادا ہم کو نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ ہمارے آبا ہیں ہمارے لیے بہترین نمونہ و مثال ہو۔ لیکن شیعہ لوگ اسی وقت حدیث پر اعتبار کرتے تھے جب اس کی روایت ان کے ائمہ یا ان کے ہم مذہب لوگوں کے طریقے سے کی جائے۔ اس کے علاوہ وہ اور حدیثوں کو چھوڑ دیتے تھے کیونکہ جو شخص علیؑ سے محبت نہیں رکھتا وہ اس اعتبار کا مستحق نہیں۔ اسی طرح خوارج نے حدیث کو صرف ان صحابہ تک محدود رکھا جن سے وہ محبت رکھتے تھے۔ اس بناء پر ان کے نزدیک وہی حدیثیں مستند ہیں جن کی روایت فتنہ یعنی مسلمانوں کی خانہ جنگی سے پیشتر کی گئی۔ لیکن اس فتنہ کے بعد چونکہ ان کے خیال کے مطابق جمہورِ اُمّت نے ظالم ائمہ کی پیروی کر لی۔ اس لیے ان لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا، ان کے دشمن ہو گئے اور وہ ان کے اعتماد کے قابل نہیں رہے۔ لیکن جمہور اہلِ حدیث کی رائے جن کے سرخیل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ ہے کہ راوی گو صرف ایک ہی ہو لیکن حدیث اسی وقت قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے جب ایک عادل شخص اپنے ہی جیسے عادل شخص سے روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اور شرائط کا بالکل لحاظ نہیں کیا اور اسی بناء پر ہر دی حدیث کی قدر و قیمت کے اندازہ لگانے میں بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا۔ مثلاً ایک حدیث کی شہرت کی بناء پر حنفی اس پر عمل کرتا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہونے کی وجہ سے شافعی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ مالکی ایک حدیث کو اس لیے ترک کرتا ہے کہ عمل اس کے خلاف ہوا ہے، لیکن اس کی قوتِ سند کی بناء پر شافعی اس پر عمل کرتا ہے۔ لیکن جب شرّاح، حامیان اور نکتہ چینانِ مذاہب کا گروہ پیدا ہوا تو انہوں نے ان اصول کی طرف جن کو ان کے ائمہ نے اختیار کیا تھا، توجہ نہیں کی۔ اور اپنے مخالفین پر ہر صحیح السند حدیث کی مخالفت کا اگرچہ وہ ان شرائط کی جامع نہ ہو جن کو اس شخص نے شرائط قرار دیا ہے جس پر وہ نکتہ چینی کر رہے ہیں، الزام دینے لگے۔ اسی طرح وہ لوگ ہر اس حدیث کو جس کو اس کے امام نے قبول نہیں کیا ہے، اس کی سند پر نکتہ چینی کر کے یا اور کسی دوسرے ماخذ کے ذریعہ سے ضعیف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کہہ دینا آسان تھا کہ امام نے اس حدیث کو اس لیے نہیں قبول کیا کہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے اس نے جس شرط کو اپنا اصول

Marfat.com

قرار دیا ہے وہ اس حدیث میں موجود نہ تھی اور اس قسم کی بہت سی مثالیں عنقریب تمہارے سامنے آئیں گی۔

(۲) دوسری نزاع۔

قیاس، رائے اور استحسان کے بارے میں پیدا ہوئی۔

صحابہؓ اور تابعینؒ جب کتاب و سنت میں کوئی نص نہیں پاتے تھے تو مجبوراً رائے کی طرف مائل ہوتے تھے۔ اور جیسا کہ ان کے فتاوے سے ظاہر ہوتا ہے رائے کی حقیقت یہ ہے کہ دین کے قواعد عامہ کی بناء پر کوئی حکم دیا جائے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ

لاضرر و لاضرار اور نہ نقصان اٹھانا ہے، نہ نقصان پہنچانا ہے۔

دع مایریبك الی ما لا یریبك۔ جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو شبہ میں نہ ڈالے۔

لیکن وہ کسی اصلِ معیّن کا جس کے محلِ وقوع کے ساتھ اس واقعہ کو تشبیہہ دیں جس کے متعلق وہ فتویٰ دے رہے ہیں، لحاظ نہیں کرتے تھے۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کے خلاف یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان کے پڑوسی کی نہر ان کی زمین میں سے ہو کر گذر سکتی ہے، کیونکہ یہ اس کے لیے مفید ہے اور محمد کے لیے مضر نہیں تو غالباً یہ فتویٰ اس عام اصل کی بناء پر ہے کہ مفید چیز مباح اور مضر چیز ممنوع ہے۔ لیکن انہوں نے کسی اصل معیّن پر قیاس کر کے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اسی کو مصالح مرسلہ کہتے ہیں۔ یعنی کوئی اصل معیّن جس کی تائید نہ کرتی ہو۔ لیکن اگر اس رائے کو زیادہ وسعت دے دی جائے تو اس سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے بہت سی حدیثیں بالخصوص جبکہ اس رائے کا اختیار کرنے والا حدیث کا بہت زیادہ ماہر نہ ہو، چھوٹ سکتی ہے۔ اور ایک فقیہ کے لیے جو کسی شہر میں پیدا ہوا ہو، یہ آسان نہیں ہے کہ ان تمام حدیثوں سے واقف ہو جو ان علماء کے پاس ہیں جو تمام شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے اگر وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو زیادہ تر رائے سے فتوے دیتے ہیں تو وہ اس حدیث کے مخالف فتویٰ دینے سے محفوظ نہیں رہ سکتا جو اس کو یاد نہ ہو لیکن اس کے علاوہ دوسرے کو یاد ہو۔ فقہاء نے اس خطرے کو محسوس کر کے رائے کے دائرے کو تنگ کرنا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے یہ شرط لگا دی کہ جو شخص رائے کے ذریعہ سے

Marfat.com

دریغ نہیں کرتے اور اس وقت اس کا نام استحسان رکھتے ہیں۔ اور کبھی اس باب کے اصل معیّن پر قیاس کو چھوڑ کر اصولِ عامہ کو اختیار کر لیتے ہیں اور اس کو بھی استحسان کہتے ہیں۔ جو فقہاء قیاس کے قائل ہیں اور زیادہ تر تعداد انہی لوگوں کی ہے، انہوں نے جو مسائل استنباط کیے ہیں ان سے جو شخص واقف ہے اس کو معلوم ہے کہ اگرچہ صرف امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب خصوصیت کے ساتھ استحسان کا لفظ بولتے ہیں لیکن استحسان کے معنی میں اور فقہاء بھی ان کے شریک ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مصالح مرسلہ کے ذریعہ سے تشریع مسائل کی ہے اور وہ استحسان ہی کی ایک قسم ہیں۔ اور مذاہب مختلفہ میں تمہارے سامنے بہت سے مسائل آئیں گے جن کی بنیاد بھی استحسان ہے۔

ان قیاس اور استحسان کرنے والوں کے لیے سلفِ صالحین میں نقہ کے دورِ اوّل میں کبار صحابہؓ میں حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ، دور ثانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور تابعین میں ربیعہؒ اور ابراہیم نخعیؒ کے نمونے بھی موجود ہیں۔

اس دَور میں اہلِ حدیث اور اہلِ الرائے کے درمیان ایک ایسی سخت نزاع قائم ہوئی جو ایک حیثیت سے قیاس و استحسان دونوں کے ماننے والوں کو شامل ہے، اور دوسری حیثیت سے اہلِ قیاس اور اہلِ استحسان کے درمیان بھی قائم ہے۔ متکلمین اور اہلِ حدیث میں اگرچہ باہم عداوت تھی لیکن اس جنگ میں وہ بھی اہلِ حدیث کے حلیف بن گئے کیونکہ تشریعِ مسائل کے متعلق اہلِ حدیث کا خیال تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اور متکلمین بھی شریعت کو محض ایک تعبدی یعنی تقلیدی چیز سمجھتے ہیں جس میں نظر و قیاس کی گنجائش نہیں بلکہ شارع سے جو کچھ قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جائے اس پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ اس بناء پر شریعت کے تعبدی ہونے میں وہ اہلِ حدیث سے متفق ہیں البتہ ان سے ان کو یہ اختلاف ہے کہ وہ سنت کو کوئی تشریعی اصل نہیں تسلیم کرتے۔

ہر فریق نے اپنی اپنی دلیل پیش کرنا شروع کی اور اس سلسلے میں ہم کو اہلِ حدیث اور متکلمین کی بہت سی عبارتیں نظر آتی ہیں جن کے ذریعہ سے انہوں نے رائے کی ہنسی اڑائی ہے۔ لیکن دونوں فریق کے قالب میں ایک ہی روح اس کی محرک نہیں ہے۔ بلکہ اہلِ حدیث کے نزدیک شریعت کو

Marfat.com

استنباطِ مسائل کرتا ہے اس کے لیے ایک اصل معیّن ہونی چاہیئے جس کی طرف وہ اپنے فتوے میں رجوع کرے اور وہ اصل معیّن صرف قرآن و حدیث ہے۔ اور یہی وہ قیاس ہے جس کو ان لوگوں نے کتاب و سنت کے بعد اصولِ فقہ میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔ اگرچہ فقہائے عراق نے اس میں زیادہ امتیاز حاصل کیا ہے لیکن وہ اکثر قیاس کو چھوڑ کر ایک دوسرا اصول اختیار کرتے ہیں جس کا نام انہوں نے استحسان رکھا ہے۔ مثلاً محمد بن حسن مبسوط میں جو اکثر یہ کہتے ہیں کہ "میں استحسان کرتا ہوں اور قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں" تو یہ استحسان یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اثر کی طرف جو مقتضائے قیاس کے مخالف ہو یا کسی اصولِ عامہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پہلے اسی کو رائے کہتے تھے، اور ہم اس موقع پر ناظرین کے سامنے وہ معیار قائم کر دینا چاہتے ہیں جس سے اہلِ حدیث اور اہل الرائے کے مقامات باہم ممتاز ہو جائیں۔

اہلِ حدیث نے دو حیثیتوں سے صرف احادیث کو اپنے سامنے رکھا ہے، ایک تو یہ کہ قرآن مجید کی تکمیل کرتی ہیں، دوسرے یہ کہ شارعِ اسلام نے متبعینِ اسلام کے لیے ان کی اطاعت اس حیثیت سے لازمی کی ہے کہ اس کی تشریع میں نہ تو علل و اسباب کا لحاظ رکھا ہے، نہ ایسے اصولِ عامہ قائم کیے ہیں جن کی طرف مجتہد رجوع کر سکے اور نہ مختلف ابواب کے لیے اصولِ خاصہ مقرر کیے ہیں۔ اس بناء پر یہ لوگ صرف لفظ کے مقلد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ لوگ کسی مسئلہ میں نص نہیں پاتے تو خاموش ہو جاتے ہیں اور فتوے نہیں دیتے۔ لیکن اہلِ رائے اور اہلِ قیاس شریعت کو عقلی وجوہ پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ان کو اس میں ایسے اصول نظر آتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور حدیث نے ان کی تائید کی ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک ابوابِ فقہ میں ہر باب کے لیے ایسے اصول ہیں جن کو انہوں نے کتاب و سنت سے اخذ کیا ہے۔ اور اس باب کے جتنے مسائل پیش آتے ہیں، گو ان میں کوئی نص نہ ہو لیکن ان کو اسی اصول کی طرف لے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ حدیث کی صحت پر اعتماد کر لیتے ہیں، اس کی نسبت وہ بھی اہلِ حدیث کا مسلک اختیار کر لیتے ہیں، لیکن اپنے اصول کے بھروسے اور اس گذشتہ رائے کی بناء پر جو انہوں نے حدیث کے بارے میں قائم کی ہے وہ لوگ بہت زیادہ حدیث کی روایت نہیں کرتے۔ لیکن جب ان کے نزدیک ایسی صحیح حدیث ثابت ہو جاتی ہے جو ان اصول کے مخالف ہے تو وہ لوگ اس پر عمل کرنے میں

شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ اہل الرائے کی رایوں کی جولانگاہ بنے۔ کیونکہ شریعت عام اس سے کہ وہ قرآن ہو یا حدیث خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جو چیز ایسی ہوتی ہے وہ غلطی اور اختلاف سے بہت دُور ہوتی ہے۔ رائے کا تعلق انسان سے ہے جس میں صحت اور غلطی دونوں پیش آسکتی ہیں۔ اور اس وقت تفریق واختلاف رونما ہوگا جس کی ہم کو ممانعت کی گئی ہے۔ لیکن متکلمین کے نزدیک شریعت نے مختلف چیزوں کو جمع کیا ہے۔ اس لیے ان کے احکام میں اتحاد قائم کیا ہے۔ اور مشابہ چیزوں کو الگ الگ کیا ہے اس لیے ان کے احکام بھی مختلف قرار دیئے ہیں۔ وہ اس قسم کے بہت سے احکام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی چیز عقلی نظر کی جولانگاہ نہیں بن سکتی۔

قیاس کی حمایت اور اس کو حجت شرعی تسلیم کرنے کے متعلق ہم تک جو تحریریں پہنچی ہیں ان میں بہترین تحریر وہ ہے جو ہم نے امام محمد بن ادریسؒ کے رسالۂ اصولیہ اور کتاب الام میں پڑھی ہے۔ اور قیاس کی تردید میں ہم کو بہترین تحریر داؤد بن علی امام ظواہر کی نظر آتی ہے جو تیسری صدی کے نصف میں پیدا ہوئے۔ ظواہر نے ہر کتاب وسنت پر اپنے مذہب کی بنیاد ڈالی اور قیاس کا بالکل انکار کر دیا۔ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے سب سے پہلے قیاس کو ایک شرعی اصول تسلیم کیا اور یہی وجہ ہے کہ صرف انہی لوگوں نے اصحاب الرائے کے لقب سے شہرت حاصل کی۔ تاہم اس زمانے کے اکثر مشہور فقہاء اس معاملہ میں ان کے ہم آہنگ ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ اور کتاب الام کے ساتویں حصہ میں استحسان پر نہایت سخت حملہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے:

"جو شخص حاکم یا مفتی ہونے کی قابلیت رکھتا ہے، وہ صرف خبر لازم یعنی کتاب، اس کے بعد سنت یا اہل علم کے متفقہ قول یا ان میں کسی پر قیاس کے ذریعہ سے فیصلہ کر سکتا ہے یا فتوے دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے استحسان کے ذریعہ سے فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا جائز نہیں۔ ہے کیونکہ استحسان واجب نہیں ہے اور ان معانی میں سے کسی میں داخل نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ کہتا ہے:

Marfat.com

اطاعت کروگے یا یہ کہوگے کہ میں بجز اس شخص کے جس کی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے کسی اور کی اطاعت نہیں کرتا۔ اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ اطاعت صرف اسی کی فرض ہے جس کی اطاعت کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اور حق اسی چیز میں ہے جس کے اتباع کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور خدا نے اور اس کے رسول نے نصاً یا دلائل کے استنباط کے ذریعہ سے اس کا راستہ دکھایا ہے۔"

اس عبارت میں امام شافعیؒ نے گویا امام محمد بن الحسن کے اس قول کو پیش نظر رکھا ہے کہ "میں استحسان کرتا ہوں اور قیاس کو چھوڑتا ہوں اور امام ابوحنیفہؒ نے قیاس کیا ہے اور استحسان کو چھوڑ دیا ہے۔" اور ان لوگوں کو ان لوگوں کے درجہ میں رکھا ہے جو محض اپنے وہم وخیال کے مطابق بغیر نمونہ ومثال کے کوئی بات کہتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے امام محمدؒ کے قول کی تفسیر کی ہے اور جو کچھ ان کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک استحسان یہ ہے کہ کسی حدیث کی بنا پر یا اصول عامہ کی طرف رجوع کر کے جو متقدمین کی مشہور رائے ہے یا کسی دوسری معین اصل کی طرف مراجعت کر کے کسی اصل معین پر قیاس کو چھوڑ دیا جائے۔ اور قیاس کرنے والوں کے اختلاف کے بیان میں خود امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جو قیاس کا احتمال رکھتا ہے لیکن اس کو دو اصول سے مشابہت حاصل ہوتی ہے، اس لیے ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہے اور اس طرح دونوں باہم مختلف ہوجاتے ہیں۔ تو اہل عراق جو استحسان کے قائل ہیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ مسئلہ کا مرجع کسی دوسرے خاص یا عام کو بناتے ہیں، اور ان کے قول کا دارومدار صرف خواہش نفسانی پر نہیں ہے۔ اس بناء پر صرف لفظی بحث باقی رہ جاتی ہے جس کا معاملہ آسان ہے۔

خود امام شافعیؒ نے اپنی کتاب موسوم "بالرد علی محمد بن الحسن" میں تصریح کی ہے کہ

معاملہ میں کسی مخالف کو نہیں جانتا۔" تو اگر کہا جائے کہ وہ کیا ہے ؟ تو کہا جائے گا کہ میں
کسی اہلِ علم کو نہیں جانتا جس نے کسی صاحبِ عقل و آداب کو یہ اجازت دی ہو کہ وہ خود
اپنی رائے سے یہ فتویٰ دے اور فیصلہ کرے جب تک کہ وہ اس چیز کا عالم نہ ہو جس پر
مشتبہ کی تفصیل کے لیے قیاس کا معاملہ موقوف ہے یعنی کتاب، سنت، اجماع اور عقل
تو جب ان کا یہ خیال ہے۔ تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ ان اہلِ عقول کے لیے جن کی عقلیں
قرآن و سنت اور فتوے کے علماء سے فائق ہیں، یہ کیوں نہیں جائز ہے کہ ان کے جانے
ہوئے مسائل میں سے جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو وہ یہ کہہ دیں کہ اس کے بارے میں نہ
کتاب ہے، نہ حدیث ہے، نہ اجماع ہے۔ حالانکہ تمہارے عام لوگوں سے ان کی عقلیں
زیادہ ہیں اور وہ اپنے قول کو تمہارے عوام سے زیادہ بہتر طریقہ پر واضح کر سکتے ہیں۔ تو اگر
تم کہو کہ ان کو اصول کا علم نہیں ہے تو تم سے کہا جائے گا کہ جب تم بلا اصل کہتے ہو اور
کسی اصل پر قیاس نہیں کرتے تو تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ تم اصول کو جانتے
ہو۔ جن لوگوں کی عقلیں اصول سے ناواقف ہیں ان کی نسبت کیا تم کو یہ خوف زیادہ
ہے کہ وہ چونکہ اصول کو نہیں جانتے، اس لیے جس چیز سے ناواقف ہیں اس پر ٹھیک طریقہ
سے قیاس نہیں کر سکتے؟ اور کیا تمہارے اصول کے علم نے تم کو اس پر قیاس کرنا سکھایا
ہے، تمہارے لیے ان اصول کا چھوڑ دینا جائز کیا ہے؟ تو جب تمہارے لیے ان
اصول کا چھوڑ دینا جائز ہے تو وہ بھی تمہارے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں کیونکہ زیادہ سے
زیادہ ان کی نسبت یہ خوف ہے کہ وہ ان اصول پر قیاس کرنا چھوڑ دیں گے یا غلطی کریں
گے۔ پھر اگر کسی شخص کی تعریف اس بناء پر کی جا سکتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے بلا نمونہ
و مثال کے کہتا ہے تو اگر ان لوگوں نے بلا مثال کوئی بات کہی ہے تو میرے علم میں وہ
تم سے زیادہ اس صحت پر قابلِ تعریف ہیں کیونکہ ان لوگوں کو کوئی مثال معلوم نہیں ہوئی۔
اس لیے ان لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور وہ لوگ غلطی پر تم سے زیادہ معذور ہیں کیونکہ

Marfat.com

ان لوگوں نے ایسی چیز میں غلطی کی ہے جس کو وہ نہیں جانتے اور میں تم کو ان سے زیادہ گنہگار سمجھتا ہوں کیونکہ تم نے ان اصول پر غلطی کی جن سے تم ناواقف نہیں ہو۔ تو جب تم یہ کہو گے کہ ہم نے قیاس چھوڑ دیا، حالانکہ ہم اصل سے ناواقف نہیں تھے۔ تو کہا جائے گا کہ اگر قیاس حق ہے تو تم نے حق کو جان بوجھ کر اس کی مخالفت کی اور اس میں ایسا گناہ ہے کہ اگر تم اس سے ناواقف ہوتے تو اس کی قابلیت نہ رکھتے کہ علم کے بارے میں کہو۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہارے لیے قیاس کا چھوڑ دینا اور ایسی بات کہنا جو تمہارے وہم اور تمہارے ذہن کے سامنے آئی ہو اور تمہارے کانوں نے اس کو پسند کیا ہو جائز ہے، تو ہم نے قرآن کا، اس کے بعد حدیث کا اور اس چیز کا جس پر اجماع دلالت کرتا ہے، جو ذکر کیا ہے کہ کسی کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ بغیر علم کے کچھ کہے، اس کی بنا پر تم کو الزام دیا جائے گا۔"

پھر وہ کہتے ہیں کہ،

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حاکم اور مفتی نے کسی مسئلہ میں جس میں کوئی نص نہ ہو یہ کہا کہ میں استحسان کرتا ہوں تو اس کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ دوسرے کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کے خلاف استحسان کرے۔ اس لیے شہر کا ہر حاکم اور مفتی اپنے استحسان کے موافق ایک بات کہہ سکتا ہے۔ اس لیے ایک ہی چیز کے متعلق طرح طرح کے فیصلے اور فتوے دیئے جا سکتے ہیں تو اگر ان کے نزدیک یہ جائز ہے تو انہوں نے اپنے آپ کو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا ہے جہاں چاہا فیصلہ کر دیا ہے گو وہ تنگ ہو۔ اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں گھسیں۔ اور اگر ان میں جو شخص قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ "لوگوں پر میرے قول کا اتباع واجب ہے، تو اس سے کہا جائے گا کہ تمہاری اطاعت کا کس نے حکم دیا کہ لوگوں پر تمہارا اتباع فرض ہو؟ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ اگر تمہارے سوا کوئی اور تم پر بھی دعویٰ کرے تو کیا تم اس کی

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى۔ (القیمہ : ۳۶) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مطلق العنان چھوڑ دیا جائے گا۔

اور جیسا کہ تم کو معلوم ہے جو لوگ قرآن کا علم رکھتے ہیں ان کو اس میں اختلاف نہیں ہے کہ "سدی" وہ چیز ہے جس کو نہ کوئی حکم دیا گیا ہے اور نہ کوئی ممانعت کی گئی ہے۔ لیکن جس شخص نے ایسی چیز کے ذریعہ سے یہ فتویٰ دیا یا فیصلہ کیا جس کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تو اس نے اپنے لیے یہ جائز رکھا کہ وہ "سُدًیٰ" کے معنی میں داخل ہو۔ حالانکہ خدا نے اس کو بتا دیا ہے کہ اس نے اس کو مطلق العنان نہیں چھوڑا ہے۔ اور اگر اس نے یہ کہا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں کہتا ہوں اور ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے خلاف قرآن نازل ہوا ہے اور اس کے مخالف حدیثیں آئی ہیں تو اس نے پیغمبروں کی روش اور اس جماعت کے عام حکم کی مخالفت کی جس سے روایت کی گئی ہے۔"

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ:

"جس شخص نے یہ کہا کہ میں استحسان نہ خدا کے حکم سے کرتا ہوں نہ اس کے رسول کے حکم سے، تو اس نے خدا اور اس کے رسولؐ کے قول کو قبول نہیں کیا۔ اور جو کچھ اس نے کہا اس کی جستجو خدا اور اس کے رسول کے حکم سے نہیں کی۔ اور جس شخص نے ایسا کہا اس کے قول کی غلطی ظاہر ہے کیونکہ اس نے یہ کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اور کرتا ہوں نہ مجھ کو اس کا حکم دیا گیا ہے، نہ اس کی ممانعت کی گئی ہے، میرا قول و عمل اس نمونے پر نہیں ہے۔ حالانکہ خدا نے اس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور کسی کو بغیر اطاعت قبول کرنے کے نہیں چھوڑا ہے۔"

پھر وہ کہتے ہیں کہ:

"جس شخص نے بغیر خبر لازم کے یا بغیر اس پر قیاس کرنے کے فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا جائز رکھا تو اس پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ اس کے اس قول کا مفہوم کہ "میں جو کچھ چاہتا ہوں کرتا ہوں، گو مجھ کو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے" کتاب و سنت کے مفہوم کے مخالف ہے۔ اس لیے اسی مفہوم کی زبان سے اس پر اعتراض وارد ہوگا۔ اور نیز یہ کہ اس کے مخالف ہے کہ "میں اس

فقہ میں امام محمد جس اصل کی طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ فقہ کے کسی مسئلہ کے متعلق بجز خبر لازم یا قیاس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ میں قیاس کو اصل بنانے کا مسئلہ اس دور میں بہت زیادہ نمایاں و کامیاب ہوا۔ البتہ استنباط مسائل میں فقہاء اور اس کے استعمال میں یکساں حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ مثلاً حنفیہ کو اس میں بہت زیادہ شدت و غلو تھا۔ حنابلہ اور مالکیہ اس سے بہت کم کام لیتے تھے۔ شافعیہ ان دونوں فریق کے بین بین تھے۔ بعض اہلِ حدیث اور شیعہ اس سے الگ تھلگ رہے اور ظاہریہ نے اس کے انکار میں نہایت غلو کیا۔

(۳) تیسری نزاع اجماع کے متعلق پیدا ہوئی۔

فقہاء بعض مسائل پر یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اجماع ہو گیا ہے اور کتاب و سنت کی طرح اس اجماع کو بھی اصولِ دین میں سے ایک اصل قرار دیتے ہیں اور اس پر کتاب و سنت کے بعض نصوص جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جماعت سے نکلنا حرام ہے، دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے صرف حلال و حرام کرنے کی مخالفت مقصود ہے۔ امام شافعیؒ نے اس پر خداوند تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

| | |
|---|---|
| وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا يَتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ○ (النساء : ۱۱۵) | جو شخص اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت ظاہر ہو گئی پیغمبر کی مخالفت اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ دوسرے راستے کا اتباع کرتا ہے ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے اور وہ برا انجام ہے۔ |

اور یہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے راستے کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلنا بھی اجماع کی مخالفت ہے۔ لیکن جب ان کو اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کرنا پڑا تو ان کے مخالفین جس اجماع کے مدعی تھے اس کے وہ منکر ہو گئے اور ان کو اس کا انکار کرنا پڑا

Marfat.com

کہ فرائض مثلاً نماز، زکوٰۃ اور تحریم حرام کے سوا جن سے کوئی شخص ناواقف نہیں رہ سکتا، اس اجماع کا وجود نہیں ہے۔ لیکن خواص کا علم جس کی ناواقفیت عوام کے لیے مضر نہیں ہے، اس کے متعلق ہم صرف دو باتوں میں سے ایک بات کہہ سکتے ہیں۔ جس چیز کے متعلق ہم کو ان کا اختلاف معلوم نہیں ہے اور جس چیز میں انہوں نے اختلاف کیا ہے ہم یہ کہیں گے کہ "انہوں نے اختلاف کیا اور اجتہاد کیا"۔ اس بنا پر کتاب وسنت میں سے کسی میں اگر اس کے متعلق کوئی دلیل نہ ملے، حالانکہ ایسا بہت کم ہوگا، تو ہم ان کے اس قول کو لیں گے جو کتاب وسنت سے مشابہ ہوگا، یا اس قول کو اختیار کریں گے جو آغاز وانجام کے لحاظ سے اہلِ علم کے نزدیک بہتر ہوگا۔ لیکن جب یہ لوگ اختلاف کریں تو جیسا کہ میں نے بیان کیا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ قول ایسے اشخاص سے مروی ہے جنہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور اس حالت میں ہم تین اشخاص کے قول کو اختیار کریں گے دو کے قول کو نہ لیں گے یا چار اشخاص کے قول کو اختیار کریں گے تین اشخاص کے قول کو نہ مانیں گے، لیکن ہم اس کو اجماع نہیں کہہ سکتے کیونکہ جس شخص نے بات نہیں کہی اس کے خلاف اجماع ایک قطعی فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالانکہ ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کہتا تو کیا کہتا اور یہ اجماع کی روایت کا ادّعا ہے۔ حالانکہ اس نے جس چیز کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اس کے مخالف پائے جاتے ہیں۔

انہوں نے ایک دوسرے مناظرے ایک سوال کیا جو مجتہدین کی شخصیت سے تعلق رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اہلِ علم کون ہیں کہ جب وہ اجماع کر لیں تو ان کے اجماع سے حجت قائم ہو جائے گی؟ اس نے کہا کہ "وہ وہ لوگ ہیں جن کو کسی شہر کے لوگوں نے اپنا فقیہ مقرر کیا، اس کے قول کو پسند کیا اور اس کے حکم کو قبول کیا"۔ انہوں نے اس پر اس سے ایک طویل مناظرہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں اکثر شہروں میں اہلِ کلام کو پھیلا پاتا ہوں اور ان میں سے ہر فرقہ نے ایک ایسے ہی شخص کو مقرر کر لیا ہے جیسا کہ

Marfat.com

تم نے بیان کیا ہے۔ تو کیا وہ لوگ بھی فقہاء میں داخل ہیں جو فقہاء سے اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک کہ ان کے ساتھ جمع نہ ہو جائیں یا یہ لوگ ان سے خارج ہیں؟ اس کے بعد انہوں نے اجماع کی نقل کے متعلق اس سے دوسرا سوال کیا اور کہا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ صرف اس چیز سے حجت لائی جا سکتی ہے جس پر تمام شہروں کے فقہاء نے اجماع کیا ہے تو کیا تم ان سب کے اجماع کے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ پاتے ہو؟ حالانکہ جب تک تم ان سب سے نہ مل لو یا عام طور پر لوگ ان لوگوں میں ہر ایک سے روایت نہ کریں وہ کسی شخص کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا کہ اس قسم کا کوئی طریقہ نہیں پایا جاتا تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم نے خاص خاص اشخاص کی روایت سے اس اجماع کو قبول کر لیا تو تم نے وہی بات قبول کی جس پر تم نے اعتراض کیا ہے۔ اور اگر تم نے بغیر عام نقل کے ہر فقیہ کے قول کو قبول نہیں کیا تو جب تک کہ ہم خواص کی نقل کو قبول نہ کر لیں تمہارے قول میں اس اصل کو نہیں پاتے کہ "اس پر تمام شہروں نے اتفاق کر لیا ہے" کیونکہ ابتدا میں اس کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ تمہارے لیے وہ کسی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور ان سے تم کو ایسی خبر نہیں مل سکتی کہ عام طور پر لوگوں نے اس کی روایت لوگوں سے کی ہو۔

بظاہر امام شافعیؒ کے لیے مکمل اجماع کے انکار کرنے کی وجہ موجود ہے کیونکہ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ ہر ایک زمانہ کے مجتہدین کی شخصیت معلوم ہو، عام طور پر لوگ ان کو تسلیم کریں، اور جس مسئلہ میں فتویٰ دیا جاتا ہے اس کے متعلق ان میں سے ہر ایک کا قول منقول ہو اور ان سے اس قول کو ایسی جماعت نقل کرے جو جھوٹ اور غلطی سے محفوظ ہو اور یہ تمام چیزیں صرف ان ہی خبروں میں پائی جا سکتی ہیں جس کو وہ "علم عامہ" کہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مفروضہ نمازیں پانچ ہیں، صبح کی رکعتیں دو ہیں۔ اور اسی کے مثل اور چیزیں لیکن جس کو وہ "علم خاصہ" کہتے ہیں تو تم کو بہت کم ایسا مسئلہ مل سکتا ہے جس کے متعلق تم آسانی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہو کہ ایک زمانے کے مجتہدین نے اس کا جواب متفقہ طور پر دیا ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ امام احمدؒ سے یہ روایت مروی ہے کہ جس شخص نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کو اگرچہ اجماع کی حقیقت سے انکار ہے تاہم اگر سلف سے کوئی حکم منقول ہو اور اس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے تو وہ دین میں اس کو حجت سمجھتے ہیں۔ اس لیے خود حجت میں نہیں بلکہ حجت کی تعبیر میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

حنفیہ اکثر اجماع سکوتی کا ذکر بھی کرتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص مسئلہ پر فتویٰ دیتا ہے اور دوسرے لوگ اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ حدیث کی فصل میں گذرا ہمارے نزدیک یہ لوگ اس کو حدیث کی تائید کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں۔ گویا اعتراض نہ کرنے سے وہ لوگ صحتِ حدیث پر اتفاق کر لیتے ہیں۔ اس لیے یہ حدیث عام طور پر ان لوگوں سے مروی ہو جاتی ہے کیونکہ اگر ان کے پاس اس کے مخالف کوئی حدیث ہوتی تو وہ تردید کرنے سے باز نہ آتے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر یہ کہتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔" لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں وہ بھی اس کو تائیدِ حدیث کا ایک طریقہ خیال کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث کی نص موجود نہ ہو اور سلف اس کے متعلق کوئی فتوی دیں اور اس فتویٰ کے متعلق ان میں سے کسی کا اختلاف معلوم نہ ہو تو جمہور فقہاء اس کو دین کے معاملے میں حجت سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اتفاق عام رائے سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ اتفاق رائے سے ہوتا تو اس میں اختلاف کیا جاتا۔ اس بناء پر درحقیقت اس کا مرجع عمل بالسنت ہے اور عدم اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی حدیث موجود ہے جس پر اس فتوے کا دار و مدار ہے۔ چنانچہ جس چیز میں علماء نے اجتہاد کیا ہے اس قسم کا اتفاق بہت کم پایا جاتا ہے۔

(۴) چوتھی نزاع اس عظیم الشان مسئلہ میں پیدا ہوئی جس پر تکلیف کا دار و مدار ہے۔

تمام تکلیفاتِ شرعیہ کی بنیاد دو لفظوں یعنی "کرو" اور "نہ کرو" پر قائم ہے جس میں پہلے کو امر اور دوسرے کو نہی کہا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث دونوں میں امر و نہی موجود ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے اوامر و نواہی جس چیز پر دلالت کرتے ہیں آیا وہ لازمی ہوگی اور ا

بناء پر قرآن و حدیث نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ فرض اور جس چیز کی ممانعت کی ہے وہ حرام ہو گی ؟ یا اس کے علاوہ وہ دوسرے معنی پر محمول کیے جائیں گے یہاں تک کہ ان کے لازمی ہونے پر دوسری دلیل کی ضرورت ہو گی ؟ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن و حدیث کے امر و نہی لازمی ہیں تو اگر مامور بہ عبادت اور معاملہ کے دوسرے امر کے ساتھ متعلق ہو تو کیا اس کا چھوڑ دینا اس دوسرے امر کے لیے مخل ہو گا ؟ اور اگر مخل ہو گا تو اس خلل کی مقدار کیا ہو گی ؟ اسی طرح جس چیز کی ممانعت کی گئی ہے اگر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق ہو تو کیا اس کا کرنا اس دوسری چیز میں مؤثر ہو گا ؟ اور اگر ہو گا تو اس تاثیر کی مقدار کیا ہو گی ؟ ہم اس موقع پر چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے اس مسئلہ کا مقصد واضح ہو جائے گا۔

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

| | |
|---|---|
| یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۔ (النور : ۵۸) | مسلمانو ! غلام اور وہ لوگ جو تم میں سے بالغ نہیں ہوئے ہیں تم سے تین بار اجازت طلب کریں ۔ |

لیکن اجازت طلبی کا یہ امر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہے ۔

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

| | |
|---|---|
| یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (المائدہ : ۶) | مسلمانو ! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے اپنے منہ دھو لو ۔ |

لیکن وضو کا یہ حکم ایک دوسری عبادت یعنی نماز کے ساتھ متعلق ہے ۔

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

| | |
|---|---|
| یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ | مسلمانو ! جب تم ایک مدت تک کے لیے قرض |

Marfat.com

بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ۔ کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو۔

کتابت کا یہ حکم بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ۔ (الطلاق: ۱) اے پیغمبر جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت میں طلاق دو۔

اس میں بھی طلاق کی ابتدائی عدت کے لحاظ رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ایک مقصد یعنی طلاق ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے نقصان کا سبب نہ بن جائے۔

تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے جس چیز کا حکم دیا وہ لازمی ہے اور جب وہ کسی چیز کے ساتھ متعلق ہو تو اس صورت میں بھی لازمی ہے؛ اور اگر وہ چھوڑ دیا جائے تو وہ جس چیز کے ساتھ متعلق ہے اس میں اثر کرے گا؛ یہاں تک کہ بغیر وضو کے نماز، بغیر تحریر و کتابت کے قرض اور عورت کے حائضہ ہونے کی حالت میں طلاق باطل ہو گی۔

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (الانعام: ۱۵۱) اور اس جان کو جسے خدا نے حرام کیا ہے بغیر حق کے نہ قتل کرو۔

اس میں جس قتل کی ممانعت کی گئی ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (النساء: ۴۳) مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ تا آنکہ جو کچھ کہتے ہو اس کو سمجھنے لگو۔

لیکن متوالے شخص کا نماز پڑھنا نماز کے ساتھ متعلق ہے تاکہ مناجاتِ خداوندی کے ٹھیک موقع پر واقع ہو۔

Marfat.com

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۔

مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو ۔

(الجمعہ : ۹)

اور اس میں بیع (خرید و فروخت) کی ممانعت نماز کی حفاظت کے لیے ہے ۔

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۔

اور اگر تم ایک بی بی کی جگہ دوسری بی بی سے بدلنا چاہتے ہو اور تم نے ایک کو بہت سا مال دے دیا ہے تو اس مال میں سے کچھ نہ لو ۔

(النساء : ۲۰)

اس آیت میں جس مال کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق طلاق سے ہے ۔ تو کیا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام چیزوں کی ممانعت قطعی اور فرض ہے ؟ اور جب اس کا تعلق دوسری چیز کے ساتھ ہو تو وہ بھی حرام ہے اور اس حرمت سے متاثر ہوئی ہے ؟ اس اثر کی مقدار کیا ہے، کیا وہ بالکل باطل ہو جائے گی ؟ یا اس میں صرف نقصان آئے گا ؟ مثلاً یہ کہا جائے گا کہ اذان سننے کے بعد بیع کرنا اور مطلقہ عورت سے مال لینا حرام ہے اور نشہ کی حالت میں اگر نماز پڑھ لی یا نماز جمعہ کے وقت بیع کر لی اور طلاق دینے کے بعد مال لے لیا تو اس کے اثر کی مقدار کیا ہو گی ؟

احادیث میں بھی اسی قسم کے امر و نہی موجود ہیں تو کیا جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور جن چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے وہ قطعی ہیں اور جن چیزوں کے ساتھ ان کا تعلق ہے ان کی مخالفت کے اثر کی مقدار کیا ہے ؟

Marfat.com

یہ مسئلہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا، بنیادِ فقہ ہونے کی حیثیت سے اگرچہ نہایت اہمیت رکھتا ہے لیکن اس دَور کے فقہاء نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ اس کے اجمال و تفصیل میں نہایت کثرت سے اختلافات کیے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۱۲۷ میں فرماتے ہیں کہ "قرآن و حدیث اور عام لوگوں کے کلام میں امر کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے ایک چیز کو حرام کیا پھر اس کو مباح کر دیا، اس لیے اس موقع پر امر کے معنی ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کے ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد :

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدہ : ۲) — جب تم نے حج کا احرام کھول دیا تو شکار کرو۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (الجمعہ : ۹) — جب نمازِ جمعہ ادا کی جا چکی تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کی تلاش کرو۔

کیونکہ خدا نے پہلے محرم پر شکار کرنا حرام کیا اور اذانِ جمعہ کے وقت بیع کی ممانعت فرمائی۔ پھر ان اوقات کے علاوہ جن میں ان دونوں کو حرام کیا تھا، ان دونوں کو مباح کر دیا۔

خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد :

وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا۔ (النساء : ۴) — عورتوں کو ان کی مہریں دو اور اگر وہ ان میں سے کچھ بخوشی چھوڑ دیں تو اس کو مزے سے کھاؤ۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا۔ (الحج : ۳۶) — جب قربانیاں ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کھاؤ

اور ان کے مثل اور بہت سے ارشادات قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہیں۔ لیکن احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا، نماز جمعہ کے بعد تجارت کے لیے منتشر ہو جانا، اگر عورت بخوشی مہر کا کوئی حصہ چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے۔

اور خداوند تعالیٰ کے اس قول میں :

Marfat.com

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ۔ (النور : ۳۲)

اپنی بیواؤں اور اپنے نیک لوگوں کا نکاح کر دیا کرو۔

یہ احتمال ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے ان لوگوں کی جو بھلائی متصور ہے اس کا راستہ دکھلایا ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ کا یہ قول :

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (النور : ۳۲)

اگر وہ محتاج ہوں گے تو خداوند تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو دولت مند بنا دے گا۔

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نکاح عفت اور دولت کا سبب ہو سکتا ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں :

سافروا تصحوا و ترزقوا۔

سفر کرو تاکہ تمہیں صحت اور رزق حاصل ہو۔

صرف ان چیزوں کا راستہ دکھایا گیا ہے، صحت اور رزق کے لیے سفر کرنا فرض نہیں ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ نکاح کا حکم فرض ہے اور خدا نے جو چیز فرض کی ہے اس میں بھلائی ہی ہے۔ اس لیے فرض اور بھلائی دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔

اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب تک قرآن، حدیث یا اجماع سے یہ نہ ثابت ہو کہ امر سے قطعیت مراد ہے تو وہ فرض ہے جس کا چھوڑنا جائز نہیں، تمام امر بمعنی اباحت اور بھلائی کا راستہ دکھانے کے ہیں۔ مثلاً خداوند تعالیٰ کا یہ قول :

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ : ۴۳)

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (التوبہ : ۱۰۳)

ان کے مال سے صدقہ لو۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

خدا کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔

Marfat.com

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔ (آل عمران : ۹۷) اور خدا کے لیے لوگوں پر یعنی ان لوگوں پر جن کو سفر کی استطاعت ہو خانہ کعبہ کا حج فرض ہے۔

خدا نے امر کے سلسلہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ذکر ایک ہی ساتھ کیا ہے لیکن فرض میں حج کو الگ کر لیا ہے۔ اس لیے اکثر اہلِ علم نے عمرہ کو فرض نہیں کہا ہے گو ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی مسلمان اس کو چھوڑ دے۔ اور قرآن مجید میں اس قسم کی مثالیں بہت سی ہیں۔

اور خداوند تعالیٰ نے جس چیز کی ممانعت کر دی ہے جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ اس نہی سے حرمت مراد نہیں بلکہ ارشاد تنزیہ یا ادب مراد ہے، اس وقت تک وہ حرام سمجھی جائے گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے ممانعت فرمائی ہے ان کا بھی یہی حال ہے۔

اور جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب تک دلیل سے یہ نہ ثابت ہو کہ امر فرض ہے اس وقت تک وہ غیر فرضیت پر رہے گا۔ اس سے ان کی یہ مراد ہے کہ امر و نہی میں جو فرق ہم نے بیان کیا ہے اس پر وہ دلالت ہو۔ ہم نے قرآن و حدیث کی ابتدا میں جو کچھ بیان کیا ان کے امثال سے اس لیے خاموشی اختیار کی کہ جو کچھ ہم نے بیان کر دیا وہ اس چیز کے لیے کافی ہے جس کو ہم نے بیان نہیں کیا۔ سفیان نے محمد بن عجلان سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے ہم کو خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑے رکھو کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ کثرتِ سوالات اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ تو میں تم کو جو حکم دوں اس پر جہاں تک تم استطاعت رکھتے ہو عمل کرو اور جس چیز سے میں تم کو روک دوں اس سے باز آؤ۔"

کبھی یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ امر نہی کے معنی میں ہو تو وہ دونوں باہم لازم و ملزوم ہوں گے۔ البتہ اس صورت میں یہ تلازم نہ ہوگا جب کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ دونوں لازم و ملزوم نہیں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ "امر پر حسبِ استطاعت عمل کرو۔" یہ مطلب ہوگا کہ تم کو صرف اس امر پر عمل کرنا چاہیئے جو تمہاری استطاعت میں ہو، کیونکہ لوگوں کو صرف ان افعال کی

Marfat.com

تکلیف دی گئی ہے جو ان کی استطاعت میں ہیں۔ اور خود فعل کی حقیقت ہی میں استطاعت داخل ہے۔ کیونکہ وہ بہ تکلف کیا جاتا ہے۔ لیکن انسان جس چیز کو چھوڑنا چاہے وہ اس کی استطاعت میں داخل ہے۔ کیونکہ اس کو کوئی ایسا کام کرنا نہیں پڑتا جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ یہ ایک چیز ہے جس سے وہ باز آتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت اور علم حدیث کی معرفت کے وقت اہل علم کا یہ فرض ہے کہ ان دلائل کی جستجو کریں جس سے ایک ساتھ امر ونہی میں فرض، مباح اور غیر مفروض ارشاد و ہدایت کا فرق معلوم کرسکیں۔ امام شافعیؒ رسالہ میں فرماتے ہیں کہ نہی کے کبھی کچھ معنے ہوتے ہیں اور کبھی کچھ اور یہ صرف استدلال سے معلوم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس کی چند مثالیں بھی دی ہیں اور ہم اس موقع پر ان میں سے بعض کو اس لیے درج کرتے ہیں کہ وہ ان کی بقیہ مثالوں پر بھی دلالت کرسکیں۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے۔" اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلالت سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ نہی کے معنی کچھ اور ہیں تو اس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا کہ آدمی نے جب سے منگنی شروع کی ہے، اس کے چھوڑ دینے تک ایک آدمی کا دوسرے آدمی کی منگنی کرنے پر منگنی کرنا حرام ہے۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک جواب ہو جس سے آپؐ نے ایک معنی مراد لیے ہوں لیکن جس راوی نے یہ حدیث بیان کی ہو اس نے اس سبب کو نہ سنا ہو جس کی بناء پر آپ نے ایسا ارشاد فرمایا۔ اس لیے اس نے حدیث کے بعض حصے کو تو بیان کیا اور بعض کو چھوڑ دیا یا بعض حصے میں اس کو شک واقع ہوا اور جس چیز میں یہ شک واقع ہوا اس سے اس نے خاموشی اختیار کی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس نے ایک عورت سے منگنی کی اور وہ اس سے راضی ہوگئی اور اس سے نکاح کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد اس کو دوسرے شخص نے نکاح کا پیغام دیا جو اس کے نزدیک پہلے سے بہتر تھا۔ اب وہ پہلے سے جس کے ساتھ اس نے نکاح کی اجازت دی تھی پھر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خاص حالت میں دوسرے شخص کو عورت کو پیغام نکاح دینے سے منع فرمایا کیونکہ یہ ہوسکتا

ہے کہ اس نے پہلے جس شخص سے نکاح کی اجازت دی ہے اس سے پھر کر دوسرے کو پسند کر لے لیکن وہ دوسرا اس سے نکاح نہ کرے۔ اس لیے اس عورت کے حق میں بھی خرابی پیدا ہوگی اور اس شخص کے حق میں بھی جس کے ساتھ اس نے نکاح کی اجازت دی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضؓ اور ابوجہم نے ان سے نکاح کا پیغام دیا ہے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ "ابوجہم تو ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں اور معاویہ ایک مفلس آدمی ہیں۔ تم اسامہ رضؓ بن زید سے نکاح کرو"۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کو معلوم تھا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کے بعد ان کو پیغام نکاح دیا تھا لیکن جب آپؐ نے ان دونوں کو منع نہیں کیا اور ان سے یہ نہیں فرمایا کہ ان میں ایک کو پیغام نکاح دینے کا اس وقت تک حق حاصل نہ تھا جب تک دوسرا اپنے پیغام نکاح کو ترک نہ کر دے اور آپؐ نے ان دونوں کے پیغام نکاح کے بعد ان کو اسامہ بن زید رضؓ کے نکاح کے لیے پیغام دیا تو اس سے ہم نے بطور استدلال کے یہ نتیجہ نکالا کہ انہوں نے نکاح پر رضامندی ظاہر نہیں کی تھی۔ اور اگر وہ کسی سے رضامند ہو چکی ہوتیں تو آپؐ اس کے ساتھ ان کو نکاح کا حکم دیتے اور یہ کہ انہوں نے آپؐ کو اس پیغام نکاح کی خبر اس لیے دی تھی کہ انہوں نے اب تک نکاح کی اجازت نہیں دی تھی، غالباً آپؐ سے مشورہ طلب کیا تھا اور اجازتِ نکاح کے بعد وہ ایسا مشورہ طلب نہیں کر سکتی تھیں۔ لیکن جب آپؐ نے ان کو اسامہ بن زید رضؓ کے نکاح کا پیغام دیا تو اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپؐ نے جس حالت میں نکاح کا پیغام دیا وہ اس سے مختلف تھی جس میں آپؐ نے پیغامِ نکاح دینے کی ممانعت فرمائی تھی۔ اور اس قسم کی حالت جس میں ایک کی منگنی حلال اور دوسرے کی حرام ہو صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب اس نے ولی کو اجازتِ نکاح دے دی ہو اس لیے اگر ولی نے اس کا نکاح کر دیا تو اس کے شوہر کے لیے یہ حق ہے کہ اس کو نکاح کا پابند بنا لے اور ولی کے لیے بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے، اور وہ عورت اس کے لیے حلال ہوگی لیکن اس سے پہلے عورت کی حالت یکساں ہے۔ جب تک وہ اجازت نہ دے، ولی کو اس کے نکاح

Marfat.com

کا حق حاصل نہیں اور اس کا میلان یا عدمِ میلان دونوں برابر ہیں۔ غرض امام شافعیؒ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں جس منگنی کی ممانعت کی گئی ہے وہ اس منگنی کی ہے جب عورت ولی کو نکاح کی اجازت دے دے تاکہ ولی کا معاملہ جائز ہو جائے لیکن جب تک خود ولی کا معاملہ جائز نہ ہو عورت کی ابتدائی اور انتہائی دونوں حالت یکساں ہے۔

بعض فقہاء کا قول ہے کہ جب عورت منگنی کرنے والے کی طرف مائل ہو تو اس صورت میں دوسرے کو منگنی کرنے کا حق حاصل نہیں۔ امام شافعیؒ نے جو یہ قید لگائی ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ ولی کو نکاح کرنے کی اجازت دے دے۔ ان لوگوں نے اس کی جگہ یہ قید لگائی ہے۔ یہ امام مالک اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے ہے۔ چنانچہ امام مالک اس حدیث کو مؤطا میں روایت کر کے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی کہ "تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے" ہماری رائے میں تفسیر یہ ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کو پیغامِ نکاح دے اور وہ اس کی طرف میلان ظاہر کرے اور دونوں کا اتفاق ایک معیّن مہر پر ہو جائے اور وہ دونوں اس پر راضی ہوں اور وہ عورت مرد کو اس پر اپنا پابند بنانا چاہے۔ ایسی حالت میں آپؐ نے دوسرے شخص کو پیغامِ نکاح دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ آپؐ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب ایک مرد نے عورت کو پیغامِ نکاح دیا اور اس نے نہ اس سے موافقت کی نہ اس کی طرف میلان ظاہر کیا تو ایسی حالت میں بھی دوسرا شخص اس کو پیغامِ نکاح نہیں دے سکتا کیونکہ اس سے لوگوں کے معاملات میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔

دونوں اماموں کے طریقے اگرچہ مختلف ہیں لیکن دونوں نے مطلق حدیث کو مقید کیا ہے۔ امام مالکؒ نے اس میں اس لیے قید لگائی ہے کہ اس سے لوگوں کے معاملات میں خرابی واقع ہو گی اور امام شافعیؒ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کی رُو سے اس کو مقید کیا ہے۔ لیکن بعض فقہاء نے اس ممانعت کو حالتِ اطلاق ہی میں رکھا ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ جب ایک عورت کو ایک شخص نے پیغامِ نکاح دے دیا تو جب تک وہ اس کو چھوڑ نہ دے دوسرے

Marfat.com

کے لیے اس سے منگنی کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر کسی نے اس حدیث کی مخالفت کرکے نکاح کرلیا تو اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ یہ ممانعت حرمت کے لیے نہیں ہے بلکہ کراہت کے لیے ہے، اس لیے نکاح جائز ہو جائے گا۔ لیکن بعض فقہاء کے نزدیک نکاح کو فسخ کردیا جائے گا۔ امام مالکؒ سے یہ دونوں قول مروی ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ زفاف سے پہلے نکاح فسخ ہو جائے گا اور زفاف کے بعد قائم رہے گا، اور یہ اختلافات جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہیں، خود نہی میں اختلافات کا نتیجہ ہیں۔

ایک دوسری مثال جس میں فرض کو فرضیت سے نکالا گیا ہے یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ "ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے۔" اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ میں آئے اس کو غسل کرلینا چاہیے۔" اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال کے دو معنے ہو سکتے ہیں، پہلا معنی جو ظاہر ہے، وہ یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے لیے بغیر غسل کے طہارت کافی نہیں ہو سکتی جس طرح جنبی کے لیے غسل کے سوا کوئی طہارت کافی نہیں ہوتی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ پاکیزگیٔ اخلاق اور صفائی طبع کے لحاظ سے وہ واجب ہے اور آدمی کو چاہیے کہ اس کو پسند کرے۔ اس حدیث کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفانؓ مسجد میں آئے اور حضرت عمر بن الخطابؓ خطبہ دے رہے تھے اور ان سے انہوں نے فرمایا کہ "یہ کیا وقت ہے" بولے کہ "اے امیرالمؤمنین میں بازار سے پلٹا تو اذان سنی اور وضو سے زیادہ کچھ نہ کرسکا۔" بولے صرف وضو، حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کو یہ یاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کو اس حکم کا علم تھا، پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو یہ حکم یاد بھی دلایا اور حضرت عثمانؓ کو وہ معلوم بھی ہو گیا اس لیے اگر کسی شخص کو یہ خیال ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو یہ حکم یاد نہ تھا تو نماز سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کو یاد دلا دیا۔ لیکن بایں ہمہ جب غسل کے نہ کرنے سے حضرت عثمانؓ

نے نماز ترک نہ کی اور حضرت عمرؓ نے ان کو باہر نکل کر غسل کرنے کا حکم نہ دیا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اختیاری تھا۔ یہ نہیں کہ اس کے سوا دوسری طہارت اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ یہ کہ شریعت کے اوامر و نواہی سے استنباطِ احکام میں فقہاء کے درمیان اختلاف تھا۔ کبھی وہ اس کو فرض و تحریم پر باقی رکھتے تھے اور کبھی اس کو فرضیت و تحریم سے نکال کر استحباب اور کراہت کی طرف لاتے تھے اور کبھی اس سے صرف ہدایت و ارشاد کے معنی مراد لیتے تھے۔ اور یہ سب کچھ قرینہ، استدلال اور رائے سے کرتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں جن سے استنباطِ فقہاء کی دقتِ نظری ظاہر ہو گی۔

شارعؑ نے معاملات کو ان کے مسبّبات کا سبب قرار دیا ہے، مثلاً اس نے بیع کو اس بات کا سبب قرار دیا ہے کہ اس سے فروخت شدہ چیز کی ملکیت مشتری کو اور قیمت بائع کو حاصل ہو جائے۔ اور رہن سے شئ مرہون پر مرتہن کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور وہ تمام قرض خواہوں پر مقدم قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی معاملات ہیں جن کو شارع نے جائز کیا ہے اور ان کو ایک چیز کا سبب بنایا ہے۔ لیکن جب یہ معاملات کسی وصف کے ساتھ متصف ہو جاتے ہیں تو شارع ان کی ممانعت کر دیتا ہے۔ مثلاً سود کو وہ ناجائز قرار دیتا ہے اور ادائے قیمت کے لیے ایک نامعلوم مدت کی تعیین سے منع کرتا ہے۔ تو کیا اس صورت میں یہ معاملات اپنے مسبّبات کا سبب نہیں ہو سکتے اور بالکل باطل ہو جاتے ہیں جن کے ذریعہ سے نہ تو انتقالِ ملکیت ہوتا اور نہ کوئی حق ثابت ہوتا ہے؟ بعض فقہاء کا یہی خیال ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے اس پر ایک دقیق نظر ڈالی ہے اور ان کا قول ہے کہ بیع کو مثلاً شارع نے ایک چیز یعنی انتقالِ ملکیت کا سبب قرار دیا ہے اور کسی مکروہ وصف کے عارض ہو جانے سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کی بیع کرنا حرام ہے۔ لیکن ان دونوں مسبّبات میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ ان میں ہر ایک کا اثر ایک ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے اور اس طریقہ سے ایک ایسی بیع کا وجود ہوتا ہے جو ایک وقت میں حرام بھی ہو سکتی ہے اور اس سے انتقالِ ملکیت بھی ہو

Marfat.com

جائز ہے۔ البتہ ان لوگوں نے حصولِ ملکیت کے لیے قبضہ کی شرط لگائی ہے۔ اس قسم کی بیع کو فاسد کہتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ نہی کے اثر کے زائل کرنے کے لیے بائع و مشتری پر یہ فرض ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر دیں۔ لیکن اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور مشتری نے فروخت شدہ چیز میں تصرف کیا تو اس کا یہ تصرف اس ملکیت میں ہوگا جو اس نے بیع کے ذریعے حاصل کی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے اس مسلک کی بنیاد صرف رائے پر نہیں ہے بلکہ طلاق کے معاملے میں خود شارع نے بھی یہی روش اختیار کی ہے۔ طلاق ایک شرعی تصرف کا نام ہے جو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے زوجیت کا رشتہ توڑ دیا جائے اور شارع نے یہ حکم دیا ہے کہ طلاق حالتِ طہر میں دینا چاہیے جس میں شوہر نے بی بی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو۔ اس بناء پر حائضہ عورت کا طلاق ممنوع ہے۔ لیکن باوجود اس کے جب حضرت ابن عمرؓ نے ایسا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنی عورت سے رجعت کر لیں۔ اور باوجودیکہ انہوں نے حالتِ حیض میں طلاق دی تھی لیکن آپؐ نے اس کا اعتبار کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مکروہ وصف کے عارض ہو جانے کی بناء پر تصرف شرعی سے جو ممانعت کر دی جاتی ہے وہ اس کی سببیت کو باطل نہیں کرتی۔

جو لوگ ممنوعہ طلاق کا اعتبار کرتے ہیں لیکن ممنوع بیع کا اعتبار نہیں کرتے ان کی تردید کے لیے یہ قول نہایت مناسب ہے کیونکہ عقلی حیثیت سے ان دونوں کی حیثیت ایک ہے۔ لیکن اہلِ ظاہر کی مخالفت میں اس سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ وہ تمام ممنوعہ تصرفاتِ شرعیہ کے متعلق ایک کلی رائے رکھتے ہیں اور ان کو قابلِ اعتداد نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حائضہ عورت کی طلاق جائز نہیں کیونکہ شریعت میں اس کی نہی وارد ہوئی ہے اور پہلا فریق جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی طلاق کو جائز قرار دیا تھا، اس کی صحت پر ان کو اعتراض ہے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے میعادی قرض کے لیے دستاویز لکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کو نہایت تاکید کے ساتھ جیسا کہ آیتِ دَین سے معلوم ہوتا ہے، بیان کیا ہے۔ لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک قرض کے لیے دستاویز لکھنا واجب نہیں ہے اور یہ امر صرف ارشاد

Marfat.com

وہدایت کے لیے ہے۔ اس لیے جس نے ایسا کیا اس نے اپنے لیے ایک احتیاط کی لیکن جس نے اس پر عمل نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ صرف اس نے ایک احتیاط کو ترک کر دیا۔

ان لوگوں نے یہ نتیجہ اخیر آیت میں خداوند تعالیٰ کے اس قول سے نکالا ہے:

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ۔ اگر تم میں سے ایک دوسرے کو امین بنائے تو جو شخص امین بنایا گیا ہے اس کو چاہیے کہ اپنی امانت ادا کر دے۔

لیکن اہلِ ظاہر نے ان کی مخالفت کی ہے اور ان کے نزدیک قرض کے لیے دستاویز لکھنا تمام واجباتِ مامور بہا کی طرح واجب ہے۔ اس لیے جو شخص دستاویز نہ لکھے گا وہ گنہگار ہوگا۔ لیکن غالباً وہ لوگ اس میں یہ قید لگائیں گے کہ جب دائن مدیون کو امانت دار نہ سمجھے تو دستاویز لکھنا واجب ہے جیسا کہ اخیر آیت سے سمجھا جاتا ہے۔

مسئلہ امر و نہی کی بحث ان اختلافات کے ساتھ جو ان کے ذریعہ سے استنباطِ احکام میں پیدا ہوئے ہیں، نہایت طویل ہے اور اس موقع پر اس کا استقصاء نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہم نے جو کچھ بیان کر دیا اس سے یہ کافی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ نزاع کا ایک میدان اور اختلافات کے اسباب میں ایک سبب ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے ان لوگوں کے درمیان فرق ظاہر ہو جاتا ہے جن میں ایک فریق روحِ فقہ کا لحاظ رکھتا ہے، اور دوسرا فریق صرف نصوص کے الفاظ و عبارت کو دیکھتا ہے۔

**۶۔ تدوینِ اصولِ فقہ** اصولِ احکام میں جو اختلافات پیدا ہوئے ان کی وجہ سے فقہاء نے اصولِ فقہ کی تدوین کی جو ان قواعد کا نام ہے جن کی پیروی ہر مجتہد استنباطِ احکام میں کرتا ہے۔

تاریخ ابی یوسف اور محمد بن حسن میں مذکور ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے ان اصول کے متعلق کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم تک ان کی کوئی کتاب نہیں پہنچ سکی۔ اس کے متعلق ہم تک جو کچھ پہنچا ہے اور اس علم کا اصلی سنگِ بنیاد اور عظیم الشان ذخیرہ خیال کیا جاتا ہے، وہ امام شافعیؒ کا رسالہ ہے جس میں انہوں نے حسبِ ذیل امور سے بحث کی ہے:

Marfat.com

(۱) قرآن اور اس کا بیان۔

(۲) حدیث اور قرآن مجید کے مقابلہ میں اس کا درجہ۔

(۳) ناسخ اور منسوخ۔

(۴) علل احادیث۔

(۵) خبر واحد۔

(۶) اجماع۔

(۷) قیاس۔

(۸) اجتہاد۔

(۹) استحسان۔

(۱۰) اختلاف۔

انہوں نے پہلی فصل میں قرآن مجید کے بیان کی کیفیت لکھی ہے اور اس کی متعدد قسمیں قرار دی ہیں، مثلاً

(۱) خدا نے اس کو لوگوں کے لیے نصاً بیان کر دیا ہو مثلاً تمام فرائض۔

(۲) خدا نے قرآن مجید کے ذریعہ سے اس کو فرض کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کی کیفیت بیان کی ہو مثلاً نمازوں کی تعداد۔

(۳) اس کے متعلق خود خدا کا کوئی تصریحی حکم نہ ہو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو مقرر کیا ہو۔

(۴) خداوند تعالیٰ نے اس کی طلب و جستجو کے لیے بندوں پر اجتہاد فرض کر دیا ہو اور اس اجتہاد کے ذریعہ سے ان کی اطاعت کی آزمائش مقصود ہو جیسا کہ اس نے اور فرائض میں ان کی اطاعت کا امتحان لیا ہے۔

امام شافعیؒ نے ان میں ہر قسم کے سمجھانے کے لیے کافی مثالیں دی ہیں۔ اس کے بعد

Marfat.com

انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور اس میں کوئی چیز بجز عربی کے اور کسی زبان میں نہیں بیان کی گئی ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں عربی اور عجمی دونوں قسم کے الفاظ ہیں، ان کے ساتھ بحث کی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ جس طرح عرب اپنے کلام کے معنے سمجھتے ہیں اسی طرح قرآن مجید بھی سمجھا جائے گا۔ اور عرب کا طریقۂ کلام یہ ہے کہ وہ کبھی ایسا فقرہ بولتے ہیں جس سے بظاہر عموم سمجھا جاتا ہے اور عموم مقصود بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے:

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ۔ (الانعام: ۱۰۲)

خدا ہر چیز کا خالق ہے۔ اس لیے اس کو پوجو اور وہ ہر چیز کا ضامن ہے۔

لیکن کبھی اس سے بظاہر عموم سمجھا جاتا ہے لیکن مقصود خاص ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے:

اَلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ۔ (آل عمران: ۱۷۳)

وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے لیے جمع ہوئے ہیں۔

حالانکہ نہ تمام لوگوں نے ایسا کہا تھا اور نہ تمام لوگ جمع ہوئے تھے۔

کبھی بظاہر کلام سے ایک معنی سمجھے جاتے ہیں لیکن سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہری معنی مراد نہیں، مثلاً

وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا۔ (یوسف: ۸۲)

اس گاؤں سے پوچھو جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے۔

لیکن سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قریہ اور اہلِ قافلہ مراد ہیں۔

کبھی ظاہرِ قرآن سے عموم سمجھا جاتا ہے لیکن سنّت اس کی تخصیص پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ آیتِ وراثت سے بظاہر عموم مفہوم مراد ہوتا ہے لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض باپ، بعض لڑکے اور بعض میاں بیوی مراد ہیں۔ یعنی وہ باپ، وہ لڑکے، وہ میاں بیوی جن کا دین ایک ہو اور ان دونوں میں سے وارث قاتل یا غلام نہ ہو۔

Marfat.com

اس کے بعد انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خود خداوند تعالیٰ کے حکم سے حدیث پر عمل کرنا فرض ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کے ان ارشادات میں :

| | |
|---|---|
| وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ : ۱۲۹) | اور پیغمبر لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ |
| وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب : ۳۴) | اور تمہارے گھروں کے اندر آیات اللہ اور حکمت کی جو تلاوت کی جاتی ہے اس کو (اے ازواج مطہرات) یاد کرو۔ |

حکمت سے یہی حدیث مراد ہے۔

انہوں نے حدیث کے حجت پر نہایت تفصیل کے ساتھ دلیل قائم کی ہے۔ اس کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں قرآن مجید کے ساتھ دو قسم کا تعلق رکھتی ہیں۔ ایک تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ قرآن مجید کی آیات کا اتباع کیا ہے۔ دوسرے مجملات قرآنیہ کی تشریح کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو کیونکر فرض کیا ہے۔ وہ عام ہیں یا خاص۔ اور بندوں کو ان پر کیونکر عمل کرنا چاہیئے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں آپؐ نے کلام الہی کی پیروی کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حدیث کی ایک تیسری قسم بھی ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کے متعلق قرآن مجید میں کوئی نص موجود نہیں اور اسی میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ اس کو جائز رکھتے ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس کی اصل قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ اس لیے آپؐ نے جس چیز کو حلال یا حرام کیا وہ خداوند تعالیٰ کے ارشاد کی تفسیر ہے جیسا کہ آپؐ نے نماز کی تشریح فرمائی ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کی خدمت میں ان حدیثوں کے متعلق خداوند تعالیٰ کا پیغام پہنچا اور خداوند تعالیٰ ہی کے فرض کرنے سے وہ حدیثیں مسنون ہوئیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تمام حدیثیں بطور الہام کے آپؐ کے دل میں ڈالی گئیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں جو صورت بھی ہو لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت بہر حال فرض کر دی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ناسخ و منسوخ پر بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ رحمت کے

یے قرآن مجید کبھی کبھی منسوخ ہو جاتا ہے یعنی خداوند تعالیٰ نے ابتدا میں جو احسان کیا تھا، اس میں بندوں کے لیے اضافہ و توسیع کر دیتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کا نسخ صرف قرآن مجید ہی سے ہو سکتا ہے۔ حدیث قرآن مجید کو منسوخ نہیں کر سکتی بلکہ وہ خود قرآن مجید کی تابع ہوتی ہے۔ کبھی بعینہٖ نصِ قرآن کا اتباع کرتی ہے، کبھی اس کے مجملات کی تشریح کر کے خداوند تعالیٰ کے مرادِ معنی کو بتاتی ہے۔ اسی طرح حدیث کا نسخ بھی صرف حدیث ہی سے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس پر جو دلیل قائم کی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی رائے میں جو حدیث سے کم درجہ رکھتی ہیں، حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتیں۔ البتہ وہ قرآن مجید سے منسوخ ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس وقت ایک ایسی حدیث کا ہونا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ منسوخ ہے۔ انہوں نے یہ احتیاط اس لیے کی ہے کہ کہیں لوگ صرف عموماتِ قرآنیہ پر عمل کر کے ان کی مخصص حدیثوں کو نہ چھوڑ دیں اور یہ دلیل لائیں کہ عمومِ قرآن نے تخصیصِ حدیث کو منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کی توضیح کر دی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ کبھی حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک آیتِ قرآنی دوسری آیت سے منسوخ کر دی گئی ہے۔ مثلاً آیتِ وصیّت اور آیتِ میراث کے متعلق اس مشہور حدیث

لا وصية لوارث — وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔

سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ وارث نے وصیت کو منسوخ کر دیا ہے اس لیے والدین اور اقارب کے لیے وصیّت فرض نہیں ہے۔ لیکن طاؤس اور ان کے ساتھ چند لوگ یہ کہتے ہیں کہ والدین کے لیے تو وصیّت منسوخ اور قرابت کی وجہ سے غیر ورثاء کے لیے ثابت ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اُن فرائض کی چند مثالیں دی ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے نصاً نازل فرمایا ہے۔ اور وہ فرائضِ منصوصہ بھی بیان کیے ہیں جن کو ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ اور اس فرضِ منصوصہ کا بھی ذکر کیا ہے جس کی نسبت حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے خاص مراد ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ باوجود عمومِ قرآن کے فقہاء بالاتفاق قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں دلواتے۔ اور یہ ایک ایسی دلیل ہے جس سے لازمی طور پر ان کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

کی حدیثوں میں فرق و امتیاز نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جب خداوند تعالیٰ کے ایک فرض منصوص کے متعلق ان کا یہ درجہ ہے اور ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرض صرف بعض لوگوں کے لیے ضروری ہے اور بعض لوگوں کے لیے نہیں ہے تو اس کے مثل قرآن مجید کے اور فرائض کا بھی یہی حال ہوگا۔ اور جو احکام صرف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیان کیے ہیں اور ان کی نسبت خود خداوند تعالیٰ کا کوئی حکم نہیں ہے، ان کی بھی یہی حالت ہوگی۔ اور ایک عالم کو ان کی فرضیّت میں بطریقِ اولیٰ شک نہیں کرنا چاہیئے اور یہ جاننا چاہیئے کہ احکامِ الٰہی اور احکامِ نبوی میں اختلاف نہیں ہوتا اور دونوں ایک ہی روش پر چلتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے عللِ حدیث کا بیان کیا ہے اور ایک گمنام شخص کے اعتراض سے اس کی ابتدا اس طرح کی ہے کہ بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ قرآن مجید میں بھی اسی قسم کی تصریح موجود ہے اور بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ قرآن مجید میں اجمالاً اسی کے مثل نص پائی جاتی ہے۔ بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کا اکثر حصہ قرآن مجید سے ماخوذ ہے اور بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کے متعلق قرآن مجید میں کچھ مذکور نہیں ہے۔ بعض احادیث بالاتّفاق تسلیم کی جاتی ہیں اور بعض میں اختلافات ہیں۔ بعض حدیثیں باہم ناسخ و منسوخ ہیں اور بعض میں اختلافات ہیں جن میں ناسخ و منسوخ پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ بعض حدیثوں میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نہی موجود ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ نے جس چیز سے ممانعت کر دی وہ حرام ہے لیکن بعض حدیثوں کی نہی کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ کے امر و نہی اختیاری ہیں، تحریمی نہیں ہیں۔ پھر تم لوگ بعض مختلف حدیثوں کو تو لیتے ہو اور بعض کو نہیں لیتے اور تم لوگ آپؐ کی بعض حدیثوں پر قیاس کرتے ہو اور تمہارے اس قیاس میں اختلاف ہوتا ہے لیکن بعض حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہو اور اس پر قیاس نہیں کرتے تو اس قیاس کرنے اور نہ کرنے پر تمہاری کیا حجت ہے؟ اس کے بعد تم میں اختلاف ہو جاتے ہیں اور تم میں بعض لوگ ایک حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور اسی کے مثل یا اس سے زیادہ ضعیف الاسناد حدیث کو لے لیتے ہیں۔

عللِ حدیث کی توضیح کے بعد انہوں نے حدیث کے ناسخ و منسوخ پر بحث کی ہے۔ اس

Marfat.com

کی بہت سی مثالیں دی ہیں اور متعدد حدیثیں لائے ہیں جو بظاہر مختلف ہیں اور ان کے وجوہِ اختلاف کو بیان کیا ہے کہ مجتہد کیونکر ان میں تطبیق یا ترجیح دے سکتا ہے۔

اس کے بعد خبر واحد کی صحت پر گفتگو کی ہے اور اس کے حجت ہونے پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ان میں سب سے زیادہ طویل بحث یہی ہے۔

پھر اجماع پر کلام کیا ہے اور اس پر ان حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندیٔ جماعتِ مسلمین کی ترغیب دی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت جس چیز کو حلال یا حرام سمجھتی ہے اس کی پابندی اور اطاعت کی جائے۔ اس کے بعد قیاس اور اجتہاد پر گفتگو کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں اور یہ ذکر کیا ہے کہ قیاس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ کوئی چیز اصل کے معنی میں ہو اور اس میں مختلف قیاس نہیں ہوتے، دوسری یہ کہ ایک چیز کے اصول کے مشابہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں اس لیے اس چیز کا قیاس اس چیز پر کیا جاتا ہے جو اس سے زیادہ تعلق رکھتی ہے اور اس سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے، اور قیاس کرنے والے اسی میں اختلاف کرتے ہیں۔ انہوں نے قیاس پر دلیل قائم کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دین سے ہے اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوتا ہے اس میں ثواب کی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاکم نے اگر اپنے فیصلہ میں اجتہاد سے کام لیا اور یہ اجتہاد صحیح نکلا تو اس کو دو ثواب ملیں گے اور اگر اجتہاد میں غلطی کی تو ایک ثواب۔

پھر استحسان سے بحث کی ہے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کا رد کیا ہے اور یہ کہ استحسان کے معنی یہ ہیں کہ بغیر حدیث وقیاس کے کوئی بات کہی جائے اور یہ بیان کیا ہے کہ قیاس کرنے کا حق کس کو حاصل ہے۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ قیاس کے چند طریقے ہیں جن میں سب سے قوی طریقہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی سی چیز کو حرام قرار دیں۔ اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ جب اس چیز کا تھوڑا سا حصہ حرام کر دیا گیا تو اس کا

Marfat.com

بہت سا حصہ بھی اسی کے مثل یا قلت پر کثرت کی زیادتی سے اس سے زیادہ حرام ہوگا۔ اسی طرح جب خدا نے تھوڑی سی طاعت پر تعریف کی تو جو طاعت اس سے زیادہ ہوگی اس پر بطریقِ اولیٰ تعریف کی جائے گی۔ اسی طرح جب خدا نے ایک چیز کے بڑے حصے کو مباح کر دیا تو اس کا کم حصہ بطریقِ اولیٰ مباح ہوگا۔ لیکن بعض اہلِ علم اس کو قیاس نہیں کہتے۔ ان کے نزدیک خدا نے جس چیز کو حلال و حرام کیا اور جس پر مدح و ذم کی اس سے یہی مراد ہے کیونکہ وہ اس کے اندر داخل ہے۔ اس لیے وہ بعینہٖ وہی چیز ہے، دوسری چیز پر اس کا قیاس نہیں کیا گیا ہے۔ جو چیز حلال و حرام کے معنی میں نہیں اور ان کو حلال و حرام کر دیا گیا اس کی نسبت بھی ان کا یہی قول ہے۔ قیاس صرف اس کو کہتے ہیں کہ دو مختلف معنی میں مشابہت ہو اور ان میں یہ ثابت کیا جائے کہ اس کا قیاس صرف ایک پر ہو سکتا ہے دوسرے پر نہیں ہو سکتا۔ ان کے علاوہ اور اہلِ علم کے نزدیک کتاب و سنت کے علاوہ جو چیز ان کے معنی میں ہو وہ قیاس ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اختلاف پر بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں یا اپنے رسول کی زبان سے جس چیز کے ساتھ بنصِّ صریح دلیل قائم کی ہے، اس میں اس شخص کے لیے اختلاف جائز نہیں جس نے اس کو جان لیا۔ اور جس چیز میں تاویل کا احتمال ہے یا وہ قیاس سے معلوم ہو سکتی ہے اس میں اختلاف جائز ہے۔ اس کے بعد وہ بہت سی ایسی مثالیں لاتے ہیں جن کا حکم انہوں نے قیاس سے استنباط کیا ہے اور اس قیاس میں ان کے جو مخالف تھے، ان سے مناظرہ کیا ہے جس سے ان کی قوتِ بیان اور وسعتِ اطلاع معلوم ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کی تحریر میں مجھ کو سب سے زیادہ جو خوبی نظر آئی وہ یہ ہے کہ وہ جن لوگوں سے مناظرہ کرتے ہیں ان کے اقوال کو نہایت کامل اور واضح دلیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان تمام امکانی قوت کی تفصیل کرتے ہیں، اس کے بعد ان کے دلائل کو توڑتے ہیں۔ اور حدیث سے اپنے اور اپنے مخالفین کے لیے حجت لانے کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے زیادہ کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی، حالانکہ بعض متاخرین نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ اس

زیادہ نہیں ہے کہ "حدیث ایک ضرورت دینی ہے۔" لیکن ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے ؛

یہ رسالہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس عہدِ قدیم کی ایک بہترین یادگار ہے جس سے اُس زمانے کے علماء کی بہت سی خصوصیات مثلاً حسنِ تحریر، حسنِ ادب، مناظرات میں مخالفین کا احترام، مناظرات کے وقت کتاب و سنّت کا حاضر الذہن ہونا معلوم ہوتی ہیں۔

۷۔ اصطلاحاتِ فقہیہ کا ظہور: قرآن مجید جس چیز کا خواستگار ہوتا تھا اس کا مطالبہ ان اسالیبِ بیان کے ساتھ کرتا تھا جن کی توضیح ہم دورِ اوّل میں کر چکے ہیں۔ لیکن قوّتِ مطالبہ میں ان میں کسی اسلوب کو دوسرے اسلوب پر ترجیح حاصل نہیں ہے بلکہ اس میں سب کے سب برابر ہیں۔ اس معاملے میں حدیث کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن فقہاء کی نگاہ میں جب یہ مطالبے الگ الگ صورتوں میں نمایاں ہوئے تو مجبوراً انہوں نے ان پر دلالت کرنے کے لیے الگ الگ نام رکھے، مثلاً فرض، واجب، سنّت، مندوب، مستحب۔

فرض اور واجب ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا مطالبہ ضروری ہوتا ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک فرض وہ ہے جس کا مطالبہ ایسی دلیل کے ساتھ کیا جائے جو نزول و دلالت دونوں میں قطعی ہو، مثلاً آیاتِ قرآنیہ اور وہ حدیثیں جو نص ہونے کے ساتھ تواتر یا شہرت کے ذریعہ سے قطعی طور پر ثابت ہوں۔ اور واجب وہ ہے جس کا مطالبہ ایسی دلیل کے ساتھ کیا جائے جو نزول یا دلالت یا دونوں طریقے سے ظنی ہو مثلاً نماز کی دو رکعتوں میں قرآن مجید کی ممکنہ آیتوں کا پڑھنا ان کے نزدیک فرض اور ان دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اور فرض کے چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز باطل ہو جائے گی اور سہواً واجب کے چھوٹنے سے سجدۂ سہو لازم آئے گا اور قصداً واجب کے چھوڑنے پر اگر وقت باقی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا لیکن اگر وقت نکل گیا تو وہ شخص گنہگار ہوگا۔ لیکن حنفیہ کے علاوہ اور لوگوں کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ جس چیز کا مطالبہ ضروری طور پر کیا جائے وہ فرض اور واجب ہے، چاہے یہ مطالبہ قطعی دلیل کے ساتھ ہو یا ظنّی کے ساتھ۔ البتہ یہ لوگ حج میں ان دونوں کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ شارعؑ کے جس

Marfat.com

مطالبہ کی تلافی نہیں ہو سکتی مثلاً عرفہ کا قیام اور طواف افاضہ، وہ فرض ہے اور جس مطالبہ کے فوت ہو جانے کی قربانی سے تلافی ہو سکتی ہے مثلاً احرام، وہ واجب ہے۔

فقہاء کے نزدیک ایک اور فرض ہے جس کا نام فرض کفایہ ہے اور وہ شارع کے اس مطالبہ کا نام ہے جس میں اس کے کرنے والا مقصود نہ ہو۔ اس لیے اگر کسی مکلّف نے اس کو کر دیا تو باقی لوگ گناہ سے سبکدوش ہو گئے لیکن اگر سب نے اس کو چھوڑ دیا تو سب کے سب گنہگار ہوئے۔

جس مامور بہ پر اس کا غیر موقوف ہو وہ اس کی حقیقت سے خارج ہے تو فقہاء اس کو شرط کہتے ہیں مثلاً نماز کے لیے قبلہ کی طرف رُخ کرنا اور اس کا جزو ہو تو اس کا نام رکن رکھتے ہیں مثلاً نماز میں رکوع۔

حنفیہ کی اصطلاح میں سنّت اس کو کہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو البتہ کبھی کبھی اس کو بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو۔ اور مندوب و مستحب وہ ہے جس کو آپؐ نے ہمیشہ نہ کیا ہو اور باوجود اس کی ترغیب دینے کے اس کو نہ کیا ہو۔ لیکن دوسری اصطلاح میں سنّت، مندوب، اور مستحب کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی وہ چیز جس کا مطالبہ قطعی طور پر نہ کیا جائے۔ البتہ جس کو حنفیہ سنّت کہتے ہیں اس کو یہ لوگ سنّت مؤکّدہ اور جس کو وہ لوگ مندوب اور مستحب کہتے ہیں اس کو یہ لوگ سنّتِ غیر مؤکّدہ کہتے ہیں۔ شارع نے جس چیز سے باز رہنے کا مطالبہ کیا ہے اس کو یہ لوگ اپنی اصطلاح میں حرام اور مکروہ کہتے ہیں۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک حرام فرض کا مقابل، مکروہ تحریمی واجب کا مقابل اور مکروہ تنزیہی سنّت کا مقابل ہے۔ ان کے علاوہ اور لوگوں کے نزدیک چونکہ واجب اور فرض دونوں ہم معنی ہیں اس لیے حرام بھی ان ہی دونوں کا مدّمقابل ہے اور مکروہ تحریمی سنّتِ مؤکّدہ کا اور مکروہ تنزیہی سنّتِ غیر مؤکّدہ کا مقابل ہے۔

اور شارع نے جس چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ہے اس کو یہ لوگ مباح کہتے ہیں۔

فاسد اور باطل بھی فقہی اصطلاحات ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی چیز

کے نام ہیں یعنی وہ چیز جس کا کرنا اس کے کرنے والے کے لیے کافی نہ ہو اور اس پر اس کا نتیجہ ظاہر نہ ہو۔ لیکن حنفیہ نے ان دونوں میں فرق قائم کیا ہے اور باطل اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو اور فاسد پر اثر تو ظاہر ہوتا ہے لیکن برائی کے ساتھ ۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی اصطلاحات ہیں جو کتبِ فقہ سے معلوم ہو سکتی ہیں لیکن ہم اس موقع پر صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان میں اکثر اصطلاحات جدید پیدا شدہ ہیں ۔

**۸ - ان اکابر فقہاء کا ظہور جن کی سیادت کو عام طور پر لوگوں نے تسلیم کیا ۔**

دونوں گذشتہ دوروں میں اگرچہ بہت سے بڑے بڑے فقہاء تھے لیکن ان کی شہرت اس سے زیادہ قائم نہیں رہی کہ کتبِ اختلاف میں ان کے اقوال منقول ہوتے ہیں۔ مثلاً فقہ اسلامی میں فقہائے صحابہؓ اور فقہائے تابعین کی عظیم الشان یادگاریں موجود ہیں کیونکہ یہی لوگ سلف صالح اور بعد کے آنے والوں کے لیے مشعلِ ہدایت ہیں۔ لیکن بایں ہمہ ان کے نام تہ کر کے رکھ دیئے گئے اور ان میں کوئی شخص جمہور کا پیشوا نہیں قرار دیا گیا جن کی تمام رایوں میں ان کی تقلید کرتے ہوں ۔ لیکن اس دَور میں ایسے ایسے مجتہدین پیدا ہوئے جن کو جمہور نے اپنا امام بنا لیا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے لگے ۔ ان کی رایوں پر عمل کرنے لگے یہاں تک کہ ان کو بمنزلہ نصوصِ کتاب و سنّت کے بنا لیا جس سے تجاوز کرنا ان کے لیے جائز نہ تھا۔

ان مجتہدین کو جن اسباب سے یہ امتیاز حاصل ہوا وہ حسبِ ذیل ہیں :

(۱) ان کی تمام رائیں مدوّن کر لی گئیں تھیں اور سلف میں کسی کو یہ بات حاصل نہ تھی ۔

(۲) ان کے تلامذہ نے ان کے اقوال کی اشاعت و حمایت کی اور ان کو سوسائٹی میں ایسا درجہ حاصل تھا جس کی وجہ سے ان کی رائے قابلِ وقعت خیال کی جاتی تھی ۔

(۳) عام طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ میلان پیدا ہو گیا تھا کہ قاضی کا جو مذہب ہو اس کا علم حاصل کریں تاکہ ان کی آزادیٔ رائے سے یہ خیال نہ پیدا ہو کہ وہ قضاوت کے متعلق خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور یہ بات اس وقت تک نہیں حاصل ہو سکتی جب تک اس کا

Marfat.com

مذہب مدوّن نہ ہو۔

اب ہم ان فقہاء کا، جن کے مذاہب مدوّن کر لیے گئے تھے اور مختلف ممالک میں ان کے مقلّد موجود تھے، ان کی امتیازی خصوصیات کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں :

(۱) امام ابوحنیفہؒ، یعنی نعمان بن ثابت زوطی ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور جب جوان ہوئے تو دوسری صدی کی ابتدا میں حماد بن ابی سلیمانؒ سے فقہ حاصل کی اور بہت سے علماء تابعین مثلاً عطاءؒ بن ابی رباحؒ اور نافع مولیٰ ابنِ عمرؓ سے حدیث سُنی۔ امام ابوحنیفہؒ نے وہ زمانہ پایا جس میں خلافت بنوامیہ سے منتقل ہو کر بنوعباس میں آئی اور اس انتقال کے زمانہ میں کوفہ عظیم الشان حرکت کا مرکز تھا اور وہیں ابوالعباس سفاح کی بیعت کی تکمیل ہوئی۔ لیکن اس حرکت کے زمانے میں ہم نے ان کا کوئی ذکر نہیں سُنا۔ البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ یزید بن ہبیرہ نے جو مروان بن محمد کی جانب سے عراق کا والی تھا، ان کے سامنے قضاءت کا منصب پیش کیا جس کے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کیا اور اس پر اس نے ان کو سزا دی۔ گو ہم یہ آسانی کے ساتھ قبول کر لیں کہ ایک شخص قضاءت کے عہدے سے انکار کرتا ہے لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ اس کو اس پر سزا دی جا سکتی ہے کیونکہ کوڑا لگانا انتہائی ذلّت ہے اور کوئی عقلمند قضاءت جیسے منصب کے قبول کرنے کے لیے جو امارت کے بعد سب سے بڑا منصب ہے، کسی کو یہ سزا نہیں دے سکتا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ادھر انکار کے سوا اور کچھ نہ تھا تاہم ہم یہ نہیں مان سکتے کہ اس سے امیر کے دل میں ایسا بغض پیدا ہو سکتا تھا جو اس کو اُس سزا کے دینے پر آمادہ کر سکتا تھا۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کوفہ میں بکثرت فقہاء موجود تھے اور ابن ہبیرہ آسانی کے ساتھ ان میں سے کسی فقیہ کو اس منصب کے لیے منتخب کر سکتا تھا۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس منصب کے پیش کرنے سے ان کا امتحان مقصود تھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ حکومت سے کس قدر محبت رکھتے ہیں کیونکہ علماء جس حکومت کو پسند نہیں کرتے تھے اس کے کسی منصب کو بھی قبول نہیں کرتے تھے تاکہ اس طریقے سے اس حکومت کی تائید نہ ہو۔

اسی زمانہ میں کوفہ میں دو انقلاب انگیز شخص پیدا ہوئے۔ ایک زید بن علی بن الحسین جنہوں

نے ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبداللہ کی خلافت اور یوسف بن عمرو الثقفی کی امارت میں عراق میں بغاوت کی اور مقتول ہوئے۔ دوسرے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر جنہوں نے ۱۲۷ھ میں، جب کہ سلطنت کے کاروبار میں بدنظمی پیدا ہو گئی تھی، بغاوت کی۔ امام ابوحنیفہؒ نے، جیسا کہ ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے، زید کی تعریف کی تھی اور ممکن ہے کہ عبداللہ بن معاویہ کے زمانے میں بھی انہوں نے اسی قسم کے مدحیہ الفاظ کہے ہوں۔ اس لیے ابن ہبیرہ نے بنو اُمیّہ کے ساتھ ان کی دوستی کے اندازہ لگانے کے لیے ان کے سامنے قضاوت کا عہدہ پیش کیا اور ان کے نہ قبول کرنے پر ان کو سزا دی کیونکہ اس کو محسوس ہوا کہ وہ بنو اُمیّہ سے منحرف ہیں، نہ اس لیے کہ انہوں نے قضاوت سے انکار کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کوفہ میں ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے اور معاملے کی سچائی میں مشہور تھے۔ لین دین ٹال مٹول کرنے سے نفرت کرتے تھے۔ شگفتہ رُو، پاکیزہ صحبت اور اپنے بھائیوں کے ہمدرد تھے۔ ان کا قد میانہ، گفتگو کا طریقہ عمدہ اور لہجہ نہایت شیریں تھا۔ جعفر ابن ربیع کہتے ہیں کہ "میں نے امام ابوحنیفہؒ کے یہاں پانچ سال تک قیام کیا لیکن میں نے ان سے زیادہ خاموش آدمی نہیں دیکھا۔ تاہم جب ان سے فقہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا تو نالے کی طرح بہنے لگتے تھے اور غلغلہ انگیز گفتگو کرتے تھے۔ وہ قیاس کے امام تھے۔" عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں: "میں نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہؒ غیبت سے کیوں احتراز کرتے ہیں؟ میں نے ان سے ان کے دشمن کی بھی غیبت نہیں سُنی۔ بولے وہ عقلمند آدمی ہیں یہ نہیں چاہتے کہ اپنی نیکیوں پر ایسی چیز غالب کر دیں جو ان کا خاتمہ کر دے۔"

بہت سے طلبہ نے ان سے تعلیم حاصل کی اور مسائل کے بنانے اور ان کے جواب دینے میں ان کی مدد کی۔ انہوں نے جو طریقۂ استنباط اختیار کیا تھا اس کو خود اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے کتاب اللہ مل جاتی ہے تو اس کو لے لیتا ہوں۔ لیکن جس مسئلہ کو کتاب اللہ میں نہیں پاتا اس کے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور آپؐ کے ان آثار کو لیتا ہوں جو ثقات میں

شائع و ذائع ہیں۔ لیکن جب مجھ کو کتاب و سنت میں بھی وہ مسئلہ نہیں ملتا تو آپؐ کے اصحابؓ کے قول کو لیتا ہوں اور ان میں جس کو چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ ان کے علاوہ اور کسی کے قول کو نہیں لیتا۔ جب ابراہیم، شعبی، حسن، ابن سیرین اور سعید بن المسیب (اور بھی مجتہدین کے نام لیے ہیں) تک معاملہ پہنچتا ہے تو مجھے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح میں بھی کروں۔

سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ثقہ کو لیتے ہیں، برائی سے بھاگتے ہیں اور لوگوں کے معاملات اور اس چیز پر وہ استقامت کے ساتھ قائم ہیں، نظر رکھتے ہیں اسی وجہ سے ان کے معاملات ٹھیک ہو گئے ہیں۔ وہ تمام مسائل کے متعلق قیاس کرتے ہیں لیکن جب قیاس ٹھیک نہیں ہوتا تو جب تک استحسان سے کام چلتا ہے استحسان سے کام لیتے ہیں۔ لیکن جب استحسان سے کام نہیں چلتا تو مسلمانوں کے عملدرآمد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پہلے وہ حدیث معروف و مجمع علیہ کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے، پھر جب تک قیاس ہو سکتا تھا اس پر قیاس کرتے تھے، پھر استحسان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان دونوں میں جو قابلِ اعتماد ہوتا تھا اس پر عمل کرتے تھے۔

محمد بن حسن کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے اصحاب سے قیاسات میں مناظرہ کرتے تھے اور یہ لوگ اس میں ان کا مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن جب وہ کہہ دیتے تھے کہ میں استحسان کرتا ہوں تو ان میں کوئی ان کی گرد کو نہیں پہنچتا تھا، کیونکہ وہ استحسان میں بہ کثرت مسائل لاتے تھے، اس لیے وہ لوگ ان تمام مسائل کو چھوڑ کر ان کے حوالے کر دیتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ اہلِ کوفہ کی حدیث و فقہ کے ماہر تھے اور ان کے اہلِ شہر کا جو مذہب تھا اس کی شدّت کے ساتھ تقلید کر دیتے تھے۔

ان کے زمانہ میں کوفہ میں تین بڑے بڑے فقیہ تھے۔

(۱) سفیان بن سعید ثوری جو اہلِ حدیث کے ائمہ میں تھے، ان کی دین داری، ورع، زہد اور ثقاہت پر لوگوں کا اجماع ہے اور وہ ان ائمہ مجتہدین میں ہیں جن کے مقلد موجود تھے

Marfat.com

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے حلال وحرام کا عالم ثوری سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔

(۲) شریک بن عبداللہ النخعی ۹۵ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ وہ عالم، فقیہ اور ذہین تھے۔ مہدی کی خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے۔ پھر موسیٰ ہادی نے ان کو معزول کر دیا۔ قضاءت میں عادل حاضر جواب اور کثیر الصواب تھے۔ ۱۷۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

(۳) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور اصحاب الرائے میں تھے۔ کوفہ میں قضاءت کی خدمت انجام دی اور ۳۳ سال تک حاکم رہے۔ پہلے بنو امیہ کے عہد میں پھر بنو عباس کے زمانے میں حکومت کی۔ فقیہ اور مفتی تھے۔ امام ثوریؒ کہتے ہیں "ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہمارے فقہاء ہیں۔" ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

ان تینوں فقہاء اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان نوک جھوک رہتی تھی۔ سفیان بن سعید ثوری سے تو اس لیے کہ اہلِ حدیث اور اہل الرائے میں غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اور ابن ابی لیلیٰ سے اس لیے کہ وہ شہر کے قاضی تھے اور جس چیز کے متعلق وہ اپنا فیصلہ صادر کرتے تھے، بسا اوقات امام ابوحنیفہؒ سے اس کے متعلق استفتاء کیا جاتا تھا اور وہ ان کے خلاف فتوے دیتے تھے جس کا اثر ابن ابی لیلیٰؒ پر پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے ایک بار امیر کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کو فتویٰ دینے سے روک دے۔ اور شریک اور امام ابوحنیفہ کے درمیان معاصرانہ چشمک تھی۔

جب ابوجعفر منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو وہاں مختلف شہروں کے بہت سے اکابر علماء کو طلب کیا، جن میں ایک امام ابوحنیفہؒ بھی تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں بھی ان کے سامنے قضاءت کا عہدہ دوبارہ پیش کیا گیا اور اس کی وجہ سے ان کو سزا دی گئی۔

جن تلامذہ نے ان سے بحیثیت طالب العلم کے تعلیم پائی اور فروعات کی تفریع اور ان کے جواب کے دینے میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا، ان میں سب سے زیادہ مشہور تلامذہ حسب ذیل ہیں:

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ۔ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور جوان ہونے کے بعد روایتِ حدیث کرنے لگے۔ چنانچہ ہشام بن عروہ، ابو اسحاق شیبانی، عطاء بن السائب اور ان

Marfat.com

کے طبقہ کے لوگوں سے روایت کی۔ اس کے بعد ابن ابی لیلیٰؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کے ساتھ ایک مدت تک قیام کیا۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے حلقۂ درس میں آئے اور ان کے اکابر تلامذہ اور بہترین مددگاروں میں محسوب ہوئے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں، مسائل قلمبند کروائے، ان کی اشاعت کی اور تمام روئے زمین میں امام ابوحنیفہؒ کے علم کو پھیلا دیا۔ بہت سے اصحابِ حدیث نے بھی امام یوسفؒ کی تعریف کی ہے حالانکہ وہ اصحاب الرائے کی تعریف میں بہت کم تعریفی الفاظ کہتے ہیں۔ مثلاً یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ "اصحاب الرائے میں امام ابویوسفؒ سے زیادہ کثیر الحدیث اور صحیح الروایت کوئی شخص نہیں۔" انہوں نے ان کی نسبت یہ الفاظ بھی کہے ہیں، "ابویوسف صاحبِ حدیث اور صاحب السنۃ۔" امام ابویوسفؒ نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) زفر بن ہذیلؒ بن قیس کوفی۔ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ پہلے اہلِ حدیث تھے پھر ان پر رائے کا غلبہ ہو گیا اور امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ امام ابویوسفؒ ان لوگوں میں سب سے زیادہ متبعِ حدیث، امام محمدؒ سب سے زیادہ کثیر التفریع اور زفرؒ سب سے زیادہ قیاس کرنے والے ہیں۔ وہ دنیوی کشمکش سے الگ رہ کر ہمیشہ تعلیم و تعلم میں معروف رہے یہاں تک کہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے پہلے انہی نے انتقال کیا۔

(۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانیؒ جو اُن کے آزاد شدہ غلام تھے۔ ان کے باپ دمشق کے صوبوں میں سے ایک گاؤں حرستی نامی کے رہنے والے تھے۔ اس کے بعد عراق میں آئے۔ محمد واسط ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشو ونما پائی۔ اس کے بعد عباسیوں کے زیرِ سایہ بغداد میں اقامت اختیار کی اور بچپن ہی سے علم حاصل کرنے لگے۔ حدیث کی روایت کی اور امام ابوحنیفہؒ سے اہلِ عراق کا طریقہ سیکھا۔ لیکن چونکہ ان کی کمسنی ہی میں امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہو گیا اس لیے ان کے حلقۂ درس میں زیادہ نہ بیٹھ سکے اور امام ابویوسفؒ سے اس طریقہ کی تکمیل کی۔ چونکہ وہ عاقل اور ذہین تھے

Marfat.com

اس لیے بہت زیادہ ترقی کی اور امام ابویوسفؒ کی زندگی ہی میں اہل الرائے کا مرجع بن گئے، ان دونوں میں باہم نوک جھوک رہتی تھی جو ایک مدت تک قائم رہی، یہاں تک کہ امام ابویوسفؒ نے وفات پائی۔

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تعلیم کا سلسلہ امام محمدؒ ہی کی ذات سے قائم ہوا کیونکہ جیسا کہ تم کو فصلِ تدوین میں معلوم ہوگا، حنفیوں کے پاس صرف ان ہی کی کتابیں موجود ہیں۔ امام شافعیؒ نے بغداد میں ان سے ملاقات کی اور ان کی کتابیں پڑھیں اور بہت سے مسائل میں ان سے مناظرہ کیا۔ ان دونوں کے مناظرے مدوّن طور پر موجود ہیں اور ان کا بیشتر حصہ ہم نے خود امام شافعیؒ اور ان کے تلامذہ کی روایت سے پڑھا ہے۔ امام محمدؒ نے مقام رے میں جب کہ وہ رشید کے ہمراہ تھے، ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

(۴) حسن بن زیاد لولوی کوفیؒ جو انصار کے غلام تھے۔ وہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اس کے بعد امام ابویوسفؒ کے۔ پھر امام محمدؒ کے شاگرد ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں۔ لیکن امام محمدؒ کی رایوں اور کتابوں کو جو اعتبار حاصل ہوا وہ ان کی کتابوں کو حاصل نہیں ہے۔ اہلِ حدیث کے نزدیک ان کا درجہ پست ہے۔ انہوں نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ عراقیوں کا مذہب ان ہی چار بزرگوں سے پھیلا اور لوگوں نے ان ہی سے ان کی تعلیم پائی۔ امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کو عباسیوں کے دربار میں جو خصوصیت حاصل تھی اس نے ان کے علاوہ دوسرے اہلِ حدیث پر ان کے اقوال کو مقدم کردیا۔ فقہ کے مسائل کے بتانے اور ان کے جواب دینے میں بھی ان کو بہت بڑا شرف حاصل تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف جو نسبت تھی وہ مقلد کی نہ تھی بلکہ ان کے درمیان متعلم و معلم کا تعلق تھا۔ اس کے ساتھ یہ لوگ فتویٰ دینے میں بھی مستقل حیثیت رکھتے تھے۔ اور صرف استاد کے فتوے پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ اگر کوئی وجہ مخالفت معلوم ہوتی تھی تو ان کی مخالفت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کتبِ حنفیہ میں ان چاروں اماموں کے اقوال مع دلیل کے نقل کیے جاتے ہیں اور بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں آثار و معانی کے لحاظ سے چار اقوال ہوتے ہیں۔ ایک قول امام ابوحنیفہؒ کا ہوتا ہے

دوسرا امام ابو یوسفؒ کا، تیسرا امام محمدؒ کا اور چوتھا قول امام زفرؒ کا ہوتا ہے۔ بعض حنفیہ نے ان سب کے تمام مختلف اقوال کو امام ابوحنیفہؒ ہی کا قول ثابت کرنا چاہا ہے جن سے انہوں نے رجوع کیا ہے۔ لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ بلکہ خود ان کی کتابوں کی تصریحات سے غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں ابوحنیفہؒ کی رائے بیان کرتے ہیں، پھر بہ تصریح اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ان کے مخالف ہیں اور وجہِ اختلاف بھی بیان کر دیتے ہیں۔ کتاب درخلاف ابی حنیفہؒ وابن ابی لیلیٰ میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ دونوں کی رائے کو بیان کر کے کبھی کبھی ابن ابی لیلیٰؒ کی رائے اختیار کر لیتے ہیں۔ امام محمدؒ بھی اپنی کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور اپنے اقوال کو اختلاف کی تصریح کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور اگر بعض ائمہ حنفیہ کا یہ قول صحیح ہوتا کہ یہ وہ اقوال ہیں جن سے امام ابوحنیفہؒ نے رجوع کیا ہے تو یہ مسئلہ اختلافِ روایت کا ہوتا، اختلافِ رائے کا نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جب اہلِ حجاز کی حدیثوں سے واقف ہوئے تو امام ابوحنیفہؒ کی بہت سی رایوں سے رجوع کر گئے۔ اس لیے تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ ابوحنیفہؒ کے بعد ہم نے جن ائمہ حنفیہ کا ذکر کیا ہے وہ ان کے مقلد نہیں ہیں کیونکہ اس زمانے کے مسلمانوں میں تقلید نہیں پیدا ہوئی تھی بلکہ مفتی لوگ فتوے دینے میں مستقل حیثیت رکھتے تھے۔ ان کو جیسی دلیلیں معلوم ہوتی تھیں ویسا ہی فتویٰ دیتے تھے۔ اپنے اساتذہ کی مخالفت اور موافقت دونوں صورتوں میں ان کا یہی حال تھا اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو امام شافعیؒ کو امام مالکؒ کے ساتھ حاصل تھی۔

امام ابوحنیفہؒ کے جن شاگردوں نے ان کی کتابیں نقل کیں ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ابراہیم بن رستم مروزیؒ۔ امام محمدؒ سے فقہ کی تعلیم پائی اور امام مالکؒ وغیرہ سے حدیثیں سنیں اور ان کے بہت سے نادر مسائل ہیں جن کو انہوں نے امام محمدؒ سے سُن کر لکھا ہے۔ انہوں نے ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) احمد بن حفصؒ جو ابو حفص الکبیر البخاری کے نام کے ساتھ مشہور ہیں۔ امام محمدؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان سے ان کی کتابوں کی روایت کی۔ امام محمدؒ کی مبسوط کا جو نسخہ میں نے دیکھا ہے وہ ان

Marfat.com

ہی کا لکھا ہوا ہے۔

(۳) بشر بن غیاث المریسیؒ۔ امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی اور ان کے مخصوص تلامذہ میں داخل تھے۔ اگرچہ وہ زاہد اور متورع شخص تھے لیکن چونکہ علم فلسفہ میں بھی مشہور تھے اس لیے لوگوں نے ان سے اعراض کیا۔ امام ابو یوسفؒ بھی ان کو بُرا کہتے تھے اور ان سے اعراض کرتے تھے۔ انہوں نے ۲۲۸ھ میں وفات پائی۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں اور انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے بہت سی روایتیں کی ہیں۔ مذہب کے متعلق ان کے بہت سے غریب اقوال ہیں جن میں ایک گدھے کے گوشت کھانے کا جواز ہے۔ ان میں اور امام شافعیؒ میں بہت سے مناظرات ہوئے، اور ان کی طرف مرجیہ کا ایک فرقہ منسوب ہے جس کو مریسیہ کہتے ہیں۔

(۴) بشر بن ولید کندیؒ۔ امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی اور ان کی کتب و امالی کی روایت کی۔ معتصم کے زمانے میں بغداد کے قاضی مقرر ہوئے اور ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔ وہ امام محمدؒ سے بغض رکھتے تھے اور حسن بن مالکؒ ان کو اس سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ امام محمدؒ نے یہ کتابیں تصنیف کیں، تم صرف ایک ہی مسئلہ ایجاد کر دو۔ وہ فقہ میں وسیع العلم اور عبادت گذار تھے۔

(۵) عیسیٰ بن ابان بن صدقہ قاضیؒ۔ امام محمدؒ اور حسنؒ بن زیاد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ محدث تھے۔ بصرہ میں ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

(۶) محمد بن سماعہ تمیمیؒ۔ لیثؒ بن سعد، ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے روایتِ حدیث کی اور امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور حسن بن زیاد سے فقہ کی تعلیم پائی اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے نادر مسائل لکھے۔ ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ ۱۹۲ھ میں بغداد میں مامون کے قاضی مقرر ہوئے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو یحییٰ بن معین نے کہا کہ "اہل الرائے میں ریحانۃ الفقہاء کا انتقال ہوا۔"

(۷) محمد بن شجاع الثلجیؒ۔ حسن بن زیاد سے فقہ سیکھی اور علم میں کمال حاصل کیا۔ اپنے زمانے میں عراق کے فقیہ تھے اور زہد و عبادت کے ساتھ فقہ و حدیث میں مقدّم خیال کیے جاتے تھے۔ ۲۶۷ھ میں وفات پائی۔ تصحیح الآثار، کتاب النوادر اور کتاب المضاربہ وغیرہ ان کی تصنیفات

Marfat.com

میں ہیں۔ وہ معتزلہ کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے اور اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف الروایہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان پر بہت سی جرحیں کی ہیں۔

(۸) ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانیؒ۔ امام محمدؒ سے فقہ سیکھی اور اصول و امالی کے مسائل لکھے۔ دوسری صدی کے بعد وفات پائی۔

(۹) ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرائے البصری۔ وسعتِ علم اور کثرتِ فہم کی بنا پر ان کو رائے کہا گیا جس طرح ربیعۃ الرائے کہا جاتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور زفرؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ شروط اور احکام الوقف میں ان کی ایک تصنیف ہے۔ ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابو جعفر احمد بن ابی عمرانؒ قاضی دیارِ مصریہ۔ محمد بن سماعہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابو جعفر طحاویؒ کے استاد ہیں۔ ۲۸۰ھ میں وفات پائی اور ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام حجج ہے۔

(۱۱) احمد بن عمر بن الشہیر بالخصافؒ۔ انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حسن بن زیاد سے تعلیم حاصل کی۔ وہ فرائض کے عالم، حساب کے ماہر اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے عالم تھے مہدی باللہ کے لیے کتاب الخراج تصنیف کی۔ کتاب الحیل، کتاب الوصایا، کتاب الشروط اور کتاب الوقف وغیرہ ان کی تصنیفات سے ہیں۔ انہوں نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) بکار بن قتیبہ بن اسد القاضیؒ المصری۔ ۱۸۲ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ہلال الرائے سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اپنے زمانہ کے لوگوں میں مذہب میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔ کتاب الشروط کتاب المحاضرہ والسجلات، کتاب الوثائق والعہد لکھی۔ امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا جو رد کیا ہے اس کی تردید میں ایک بڑی کتاب لکھی۔ انہوں نے ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) قاضی ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیزؒ۔ عیسیٰ بن ابان اور ہلال سے فقہ کی تعلیم حاصل کی کتاب المحاضرہ اور سجلات، کتاب ادب القاضی اور کتاب الفرائض ان کی تصنیفات سے ہیں ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) ابو سعید احمد بن الحسین البردعیؒ۔ انہوں نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ سے ابو

اپنے باپ اور دادا کے اور ابو علی وفاق سے بواسطہ موسیٰ بن نصیر کے محمدؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۳۱۷ھ میں حجاج کے ساتھ واقعہ قرامطہ میں مقتول ہوئے۔ انہوں نے اہلِ ظاہر کے امام داؤد بن علی کے ساتھ ایک مناظرہ کیا ہے۔

(۱۵) ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاویؒ اس دَور میں متاخرین کے امام گذرے ہیں۔ ۲۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور پہلے امام شافعیؒ کے شاگرد مزنی سے تعلیم حاصل کی جو اُن کے ماموں تھے۔ اس کے بعد قاضی ابوجعفر احمد بن ابی عمرانؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان سے فقہ سیکھی۔ پھر شام میں قاضی القضاۃ ابو خازم کے پاس گئے اور ان سے علم حاصل کیا۔ وہ اخبار وحدیث کے امام تھے اور اپنی تصانیف کے ذریعہ سے جن کا تذکرہ بعد کو کیا جائے گا، اپنے معاصرین پر تفوق حاصل کیا۔

دوسرے امام، امام مالک ہیں۔

ان کا نام مالک بن انس بن مالکؒ بن ابی عامر ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب یمنی قبیلہ ذی اصبح تک منتہی ہوتا ہے۔ ان کے اجداد میں سے ایک شخص مدینہ میں رہے اور وہاں آباد ہوگئے۔ ان کے دادا ابو عامرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ہیں اور بدر کے سوا تمام غزوات میں آپؐ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں۔ امام مالکؒ مدینہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور علمائے مدینہ سے تحصیلِ علم کی چنانچہ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن ہرمز کے شاگرد ہوئے اور ایک طویل مدت تک بلا شرکت غیرے ان سے علم حاصل کرتے رہے اور نافع مولیٰ ابن عمرؓ اور ابن شہاب زہریؒ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ فقہ میں ان کے شیخ ربیعہ بن عبدالرحمٰن المعروف بربیعۃ الرائے ہیں۔ جب ان کے شیوخ نے ان کو فقہ وحدیث کی اجازت دے دی تو روایت وفتویٰ کی مسند پر بیٹھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک ستر شیوخ نے یہ شہادت نہ دے دی کہ میں اس کا اہل ہوں، اس مسند پر نہ بیٹھا۔

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ علم حدیث کے امام ہیں اور ان کی روایت قابلِ اعتماد ہے۔ ان کے شیوخ ہمسر اور ان کے بعد کے لوگ اس پر متفق ہیں یہاں تک کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ صحیح ترین حدیث وہ ہے جو امام مالکؒ حضرت ابن عمرؓ سے بواسطہ نافعؒ کے روایت کرتے ہیں۔

Marfat.com

اس کے بعد وہ سلسلۂ روایت ہے جو مالکؒ سے شروع ہو کر بہ ترتیب زہری اور سالم کے واسطے حضرت ابنِ عمرؓ تک پہنچتا ہے۔ پھر وہ سلسلہ ہے جس کی روایت امام مالکؒ بہ ترتیب ابوالزناد اور اعرج کے ذریعے حضرت ابوہریرہؓ سے کرتے ہیں۔

واقدی وغیرہ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کی مجلسِ علم نہایت باوقار تھی۔ وہ رعب و داب کے آدمی تھے۔ ان کی مجلس میں مجادلہ اور شور و شغب نہیں ہوتا تھا۔ جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا تھا اور وہ سائل کو کوئی جواب دے دیتے تھے تو وہ ان سے یہ نہیں پوچھتا تھا کہ تم نے اس سوال کا جواب کس ماخذ سے دیا۔ حبیب نامی ایک شخص ان کا کاتب تھا جس نے ان کی کتابیں لکھی تھیں۔ وہ طلبہ کی جماعت کے سامنے ان کتابوں کو پڑھتا تھا لیکن حضار میں نہ کوئی شخص ان کے قریب جا سکتا تھا نہ ان کی کتابوں کو دیکھ سکتا تھا اور نہ ان سے پوچھ گچھ کر سکتا تھا۔ یہ سب ان کے ہیبت و جلال کا نتیجہ تھا۔ حبیب جب غلطی کرتا تھا تو امام مالکؒ اس کی تصحیح کر دیتے تھے۔ ان کی عادت یہ تھی کہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر نہیں سُناتے تھے۔ لیکن یحیٰ بن بکیر کا بیان ہے کہ انہوں نے امام مالکؒ سے موطأ چودہ بار سُنی اور زیادہ تر اس کو امام مالکؒ نے خود پڑھ کر سُنایا اور بعض مرتبہ انہوں نے خود پڑھا۔

امام مالکؒ سے بہت سے اکابر محدثین نے حدیث کی تعلیم پائی اور بہت سے فقہاء نے ان کی تقلید کی کیونکہ امام مالکؒ میں دو وصف جمع ہو گئے تھے۔ ایک تو وہ محدّث اور دوسرے مفتی اور مستنبط تھے۔ اس لیے پہلے وصف کے لحاظ سے ان کے اکابر شیوخ مثلاً ربیعہؒ، یحیٰ بن سعیدؒ اور موسیٰ بن عقبہؒ وغیرہ اور ان کے ہمسروں میں سفیان ثوریؒ، لیث بن سعدؒ، اوزاعیؒ، سفیان بن عیینہؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابویوسفؒ اور ان کے اکابر تلامذہ میں محمد بن ادریس شافعیؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور محمد بن حسن شیبانیؒ وغیرہ نے ان سے روایتِ حدیث کی اور دوسری حیثیت سے ان کے ائمہ مذاہب میں جن کا ذکر عنقریب آئے گا، کبار علماء نے ان سے مسائلِ فقہ سیکھے۔

امام مالکؒ اپنے فتاویٰ میں اولاً کتاب اللہ پر پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں پر جو ان کے نزدیک صحیح تھیں، اعتماد کرتے تھے اور اس معاملہ میں ان کا دار و مدار علمائے حجاز میں

Marfat.com

سے کبار محدثین پر تھا جس چیز پر اہلِ مدینہ عامل تھے۔ بالخصوص ائمہ کے عمل کو جن میں مقدم ترین شخص عمران تھے، وہ نہایت اہمیت دیتے تھے، بلکہ حدیث کو بھی اس لیے رد کر دیتے تھے کہ اہلِ مدینہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ مختلف ملکوں کے علماء نے اس بارے میں ان سے مخالفت کی ہے اور امام لیث بن سعدؒ نے اس بارے میں ان کو جو خط روانہ کیا ہے ہم اوپر اس کو نقل کر آئے ہیں۔ کتاب الام میں امام شافعیؒ نے اور اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے ان کی تردید کی ہے۔ لیکن جب قرآن مجید کی نص یا حدیث نہیں ملتی تھی تو وہ قیاس پر اعتماد کرتے تھے اور جس طرح حنفیہ کی طرف استحسان کی نسبت کی گئی ہے اسی طرح ان کی طرف عمل بالمصالح المرسلہ کی نسبت بھی کی گئی ہے۔ ان ہی مصالح کو استصلاح بھی کہتے ہیں۔ مصالح مرسلہ ان مصالح کو کہتے ہیں جن کے بطلان اور اعتبار کی شہادت کسی نص معیّن نے نہیں دی ہے اور ان پر عمل کرنے میں اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی نص یا قیاس کے مخالف ہوں۔ مثلاً چوری کے اقرار کے لیے کسی شخص کو مارنا امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن اور لوگ اس مسئلہ میں ان کے مخالف ہیں، کیونکہ دوسری مصلحت اس مصلحت کے معارض ہے اور وہ اس شخص کی مصلحت ہے جس کو مارا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بعض اوقات بری ہوتا ہے اور مجرم کو سزا نہ دینا ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے سے آسان ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس طریقہ سے مال کا برآمد کرنا دشوار ہو جائے گا تو اس طریقہ سے ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس کی ایک مثال وہ عورت بھی ہے جس کا شوہر غائب ہو گیا اور اس کے مرنے اور جینے کی خبر معلوم نہیں ہوتی۔ اس نے چند سال انتظار بھی کر لیا اور شوہر کی علیحدگی سے نقصان اٹھایا۔ نیز وہ عورت بھی ہے جس کو برسوں سے حیض نہیں آتا اور اس کی عدت رک گئی اور وہ نکاح نہ کر سکی۔ ان دونوں عورتوں کے متعلق امام مالکؒ نے عمر کا لحاظ کیا ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ پہلی عورت خبر کے نہ آنے کے چار سال بعد نکاح کر سکتی ہے اور دوسری عورت کو مدتِ حمل یعنی نو ماہ کے گذر جانے پر تین مہینہ تک عدت میں بیٹھنا چاہیے اس لیے اس کا مجموعہ ایک سال ہوگا۔ پہلی صورت میں ان لوگوں نے زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا ہے اور غائب شدہ شوہر کی مصلحت کو نظر انداز کر دیا ہے اور دوسری صورت میں بھی زوجہ کی مصلحت

Marfat.com

کا لحاظ رکھا ہے حالانکہ وہ اس نصِ صریح کے مخالف ہے :

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ۔ (البقرہ : ۲۳۸) اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔

اور وہ اب تک سن یاس کو نہیں پہنچی ہے کہ مہینوں کے حساب سے عدت گذارے۔

خلاصہ یہ کہ مصلحتِ مرسلہ اس مصلحت کو کہتے ہیں جس سے کسی ایسے مقصدِ شرعی کی حفاظت کی جائے جس کا مقصدِ شرعی ہونا کتاب یا سنّت یا اجماع سے معلوم ہو۔ البتہ اس کے قابلِ اعتبار ہونے کی شہادت کوئی اصل معیّن نہ دے سکے بلکہ اس کا مقصود ہونا ایک دلیل سے نہیں بلکہ دلائل کے مجموعہ، حالات کے قرائن اور متفرق علامتوں سے معلوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو مصلحت مرسلہ (یعنی غیر معین) کہتے ہیں۔ اس کی پیروی کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ جب کوئی دوسری مصلحت اس کی معارض ہوتی ہے تو جیسا کہ ہم نے استحسان کے متعلق بیان کیا ہے، ان دونوں مصلحتوں کے ترجیح دینے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ (مستصفیٰ غزالی میں دیکھو مصالحِ مرسلہ کی فصل کیونکہ وہ نہایت عمدہ ہے)۔

جب ہم امام مالکؒ کے مذہب کی کتابوں پر بحث کریں گے تو ان کے بہت سے مسائل کا تذکرہ کریں گے۔

امام مالکؒ نے مدینہ ہی میں قیام کیا اور وہاں سے کسی دوسرے شہر میں نہیں گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بیشتر حدیثیں اہلِ حجاز کی روایت کردہ ہیں اور ان کی مؤطا میں حجازیوں کے سوا اور لوگوں کا ذکر کم آتا ہے۔

لوگ سفر کر کے ان کے پاس آئے اور ان سے حدیث اور مسائل سیکھے یہاں تک کہ انہوں نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ زیادہ تر ان کے پاس مصری اور مغربی یعنی اہلِ افریقہ اور اہلِ اندلس سفر کر کے آئے اور ان ہی لوگوں نے تمام شمالی افریقہ اور اندلس میں ان کے مذہب کی اشاعت کی۔ اس کے بعد ان علماء کے ذریعہ سے، جن کا تذکرہ ہم کریں گے، بغداد، بصرہ اور خراسان میں ان کا مذہب پھیلا۔

Marfat.com

مصریوں میں جو لوگ ان کے پاس سفر کر کے آئے اور وہی لوگ ان کے مذہب کا ستون ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱) ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی جو ان کے آزاد شدہ غلام تھے۔ امام مالکؒ، لیث بن سعدؒ، سفیان بن عینیہؒ، سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ کے طبقہ میں ان کے علاوہ اور لوگوں سے روایتِ حدیث کی اور امام مالکؒ اور امام لیثؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ وہ ۱۴۸ھ میں امام مالکؒ کے پاس آئے اور ان کی وفات تک ان کی خدمت میں رہے۔ امام مالکؒ ان کو خط میں "عبداللہ بن وہب، فقیہ مصر" اور "ابو محمد مفتی" لکھتے تھے اور ان کے سوا یہ اور کسی کو نہیں لکھتے تھے۔ ان کے متعلق ان کا یہ قول تھا کہ "ابن وہب عالم ہے"۔ محمد بن عبدالحکم کہتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے بارے میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور ابن القاسم سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔ البتہ تورع کی وجہ سے وہ فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ اصبغ بن وہبؒ کہتے ہیں کہ "تلامذۂ امام مالکؒ میں وہ سنن و آثار کے سب سے بڑے عالم ہیں البتہ انہوں نے ضعفاء سے روایت کی ہے۔" وہ دیوانِ علم کہے جاتے تھے اور ان کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو امام مالکؒ نے جھڑکی نہ دی ہو کیونکہ وہ ان کی تعظیم اور ان سے محبت کرتے تھے۔ ابنِ وہب کہتے ہیں کہ "اگر خدا نے امام مالکؒ اور امام لیثؒ کے ذریعہ سے مجھے نہ بچایا ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔" لوگوں نے کہا "کیونکر" بولے "میں نے اس کثرت سے حدیث کی روایت کی کہ اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا لیکن میں ان کو امام مالکؒ اور امام لیثؒ کے سامنے پیش کرتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ "اس کو لے لو اور کچھ چھوڑ دو"۔ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷ھ میں بمقام مصر وفات پائی -

(۲) ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم العتقی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ امام مالکؒ، لیثؒ، ابن الماجشون اور مسلم بن خالدؒ وغیرہ سے روایتِ حدیث کی۔ تقریباً ابنِ وہبؒ کے دس سال بعد امام مالکؒ کی طرف سفر کیا اور بہت دنوں تک ان کی صحبت میں رہے اور امام مالکؒ کے علم کو دوسروں کے علم کے اختلاط سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ امام مالک کے بارے میں سب سے زیادہ ثقہ ہو گئے۔ امام مالکؒ سے ان کے اور ابنِ وہبؒ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ "ابن وہب عالم اور

ابن القاسم فقیہ ہیں۔" خود ابن وہبؒ نے ابو ثابتؒ سے بیان کیا کہ اگر تم امام مالکؒ کی فقہ چاہتے ہو تو ابن القاسم کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ صرف ان ہی کی صحبت میں رہے اور ہم نے دوسروں سے بھی فائدہ اٹھایا۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ" ابن القاسم علم مالکؒ کے سب سے بڑے عالم اور اس بارے میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تھے۔" انہوں نے مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری الجعدی۔ امام مالکؒ اور امام لیثؒ وغیرہ سے روایتِ حدیث کی اور امام مالکؒ اور مدنی اور مصری علماء سے فقہ کی تعلیم پائی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ" میں نے اشہبؒ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔" اور ابن القاسم کے بعد وہی مصر کے پیشوا تسلیم کیے گئے۔ سحنون سے سوال کیا گیا کہ ابن القاسمؒ اور اشہبؒ میں زیادہ فقیہ کون ہے؟ تو بولے کہ وہ دونوں گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کے مثل تھے۔ کبھی یہ بازی لے جاتا تھا اور کبھی وہ۔ اشہب ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں بمقام مصر وفات پائی۔

(۴) ابو محمد عبداللہ بن عبد الحکم بن اعین بن لیث۔ امام مالکؒ، لیث بن سعدؒ، ابن عیینہؒ اور ابن لہیعہؒ وغیرہ سے حدیث سُنی۔ وہ نیک صالح، ثقہ، امام مالکؒ کے مذہب کے محقق، صادق، عاقل اور حلیم شخص تھے۔ اشہب کے بعد مصر کے پیشوا قرار پائے۔ مصر میں عبدالحکم کی اولاد نے وہ جاہ و ترقی حاصل کی جو کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہ امام شافعیؒ کے دوست تھے، اور جب آئے تھے تو انہی کے یہاں اترے تھے اور وہ ان کے ساتھ نہایت لطف و مدارات سے پیش آئے تھے۔ انہوں نے امام شافعیؒ ہی کے یہاں وفات پائی۔ اپنے اور اپنے لڑکے کے لیے ان کی کتابیں لکھیں اور اپنے فرزند محمد کو ان کے ساتھ ملحق کر دیا۔ ابن القاسمؒ، ابنِ وہبؒ اور اشہبؒ نے ابن عبدالحکمؒ کے لیے وصیت کی۔ وہ ۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔

(۵) اصبغ بن الفرج الاموی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ امام مالکؒ سے حدیث سُننے کے لیے مدینہ کا سفر کیا لیکن ان کے عین وفات کے دن مدینہ میں پہنچے۔ اس لیے ابن القاسمؒ، ابنِ وہبؒ اور اشہبؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان سے حدیث سُنی اور ان کے ساتھ فقہ سیکھی۔

Marfat.com

وہ ابنِ وہبؒ کے بزرگ ترین شاگرد اور ان کے منشی اور مخصوص لوگوں میں سے تھے۔ اشہبؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہمارا پیشوا کون ہوگا؟ بولے اصبغ ابن الفرج۔ ابن اللباد کہتے ہیں کہ مجھ کو فقہ کا جو طریقہ بھی معلوم ہوا وہ اصبغ ہی کے اصول سے معلوم ہوا۔ اشہب اور ان کے علاوہ ان کے اور شیوخ کے ساتھ ان سے بھی فتویٰ پوچھا جاتا تھا۔ ابنِ معین کا قول ہے کہ تمام خلق اللہ میں ابن اصبغؒ امام مالکؒ کی رائے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان کا ایک ایک مسئلہ جانتے تھے۔

(۶) محمد بن عبداللہ بن عبدالحکمؒ اپنے باپ اور ابنِ وہبؒ اور اشہبؒ اور ابن قاسمؒ وغیرہ تلامذۂ مالکؒ سے حدیث سُنی اور امام شافعیؒ کی صحبت میں رہے۔ ان سے تعلیم حاصل کی اور ان کی کتابیں لکھیں۔ ان کے باپ نے ان کو امام شافعیؒ کے ساتھ ملحق کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ ان سے اور اشہبؒ سے پڑھیں۔ وہ اور لوگوں سے زیادہ ان کی فقہ سے واقف تھے۔ ابنِ حارث کہتے ہیں کہ وہ علمائے فقہ میں کامل اور اہلِ نظر تھے۔" وہ جو کچھ کہتے تھے اور جس مذہب کے مقلد تھے اس پر مناظرہ کرتے تھے۔ اور حجت لاتے تھے۔ علم و فقہ حاصل کرنے کے لیے لوگ مغرب اور اندلس سے ان کے پاس سفر کر کے آتے تھے اور مصر کے پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے۔ ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری المعروف بابن المواز۔ ابن الماجشونؒ اور ابن عبدالحکمؒ سے فقہ کی تعلیم پائی اور اصبغ پر اعتماد کیا۔ بچپن میں ابنِ قاسمؒ سے روایت کی۔ مصر میں ان کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ فقہ اور فتویٰ میں وہ ایک عالم راسخ تھے۔ ۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں ۲۶۹ھ میں وفات پائی۔

اہلِ افریقہ اور اہلِ اندلس میں امام مالکؒ کے تلامذہ حسب ذیل تھے:۔

(۱) ابوعبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن القرطبیؒ الملقب بشبطونؒ۔ امام مالکؒ سے موطا سُنی اور فتاویٰ کے متعلق بھی انہوں نے ان سے سن کر ایک کتاب مرتب کی جو سماع زیاد کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں جن میں لیث بن سعدؒ اور ابنِ عیینہؒ شامل ہیں۔ زیاد پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقیہانہ حیثیت سے موطا کو امام مالکؒ سے سُن کر اندلس میں داخل کیا۔

اس کے بعد یحییٰ بن یحییٰ نے ان کی تقلید کی۔ اہلِ مدینہ زیاد کو فقیہ اندلس کہتے تھے اور انہوں نے امام مالکؒ کی طرف دو سفر کیے تھے۔ ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) عیسیٰ بن دینار اندلسیؒ۔ سماعتِ حدیث کے لیے سفر کر کے آئے اور ابنِ قاسمؒ سے سُنا۔ ان پر اعتماد کیا اور اندلس کو واپس گئے۔ قرطبہ میں فتاویٰ ان ہی کے پاس آتے تھے اور ان کے زمانے میں کوئی شخص ان پر ترجیح نہیں رکھتا تھا۔ مشرق سے واپس آنے کے بعد وہی قرطبہ کے پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے۔ ابنِ قاسمؒ ان کی تعظیم کرتے تھے اور فقہ و ورع میں ان کے مدّاح تھے۔ ان کے ہم سروں میں کوئی شخص اندلس میں ان سے زیادہ فقیہ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ ابنِ یمین کہتے ہیں کہ ہمارے اہلِ مصر کو انہی نے مسائل سکھائے۔ یحییٰ بن یحییٰ کی جلالتِ شان کے باوجود وہ ان سے زیادہ فقیہ تھے۔ جب وہ ابن القاسمؒ سے رخصت ہوئے تو انہوں نے تین کوس تک ان کی مشایعت کی۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیے تو بولے کہ تم اس پر مجھے ملامت کرتے ہو کہ میں نے ایک ایسے شخص کی مشایعت کی جس نے اپنے بعد اپنے سے زیادہ فقیہ اور زاہد شخص کو اپنا قائم مقام نہیں چھوڑا۔ انہوں نے ۲۱۲ھ میں بمقام طلیطلہ وفات پائی۔

(۳) یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابتدا میں زیاد بن عبد الرحمٰنؒ سے مؤطائے امام مالکؒ سُنی۔ اس کے بعد ۲۸ سال کے سن میں سفر کیا اور امام مالکؒ سے مؤطا سُنی۔ البتہ کتاب الاعتکاف کے چند ابواب میں ان کو شک پیدا ہوا تو زیاد سے ان کی روایت کی۔ وہ ۱۷۹ھ میں امام مالکؒ سے ملے تھے اور اسی سنہ میں انہوں نے وفات پائی۔ انہوں نے ایک دوسرا سفر بھی کیا ہے جس میں صرف ابن القاسمؒ سے فقہ سیکھی اور اندلس بہت سا علم لے کر واپس آئے۔ عیسیٰ بن دینار کے بعد اندلس کے فتاویٰ کا مرجع ان کی رائے رہ گئی۔ اندلس میں امام مالکؒ کا مذہب صرف یحییٰؒ اور عیسیٰؒ کے ذریعہ سے پھیلا۔ یحییٰ کو عملی حیثیت سے ان کے علم پر ترجیح حاصل تھی۔ ابنِ سبابہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن دینارؒ اندلس کے فقیہ اور اس کے عالم ابنِ حبیبؒ اور اس کے عاقل یحییٰؒ تھے۔ اندلس کی علمی ریاست ان ہی کے حصے میں آئی۔ انہوں نے ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

(۴) عبدالملک بن حبیب بن سلیمان السلمیؒ۔ ان کا خاندان طلیطلہ کا باشندہ تھا۔ پہلے ان کے دادا سلیمان قرطبہ میں آئے، پھر ان کے باپ فتنۃ الربض میں بیرہ آئے۔ انہوں نے اندلس میں تعلیم حاصل کی اور ۲۰۸ھ میں سفر کیا۔ ابن ماجشونؒ، مطرفؒ، عبداللہ بن عبدالحکمؒ اور اسد بن موسیٰ وغیرہ سے حدیث سُنی اور بہت سا علم حاصل کر کے ۲۱۶ھ میں اندلس واپس آئے اور بیرہ میں قیام کیا۔ ان کے علم و روایت کا شہرہ ہوا تو امیر عبدالرحمٰن بن عبدالحکمؒ نے ان کو قرطبہ میں بلایا اور وہاں کے مفتیوں کے طبقہ میں جگہ دی۔ وہ یحییٰ بن یحییٰؒ کے ساتھ، جو وہاں کے مشاورہ و مناظرہ کے سردار تھے، مقیم رہے اور ان دونوں میں بہت اچھے تعلقات قائم ہو گئے۔ یحییٰؒ نے ان سے پہلے وفات پائی اور ان کے بعد وہ تنہا پیشوا ہو گئے۔ عبدالملکؒ امام مالکؒ کے مذہب کی فقہ کے حافظ تھے لیکن حدیث کے عالم اور اس کے صحیح و ضعیف کے ماہر نہ تھے۔ امامت فقہ کے ساتھ وہ ادیب بھی تھے۔ ابن حزم نے ان کے علم و فقہ کی تعریف کی ہے۔ سُنن و فقہ میں وہ کتاب الواضحہ کے مؤلف ہیں اور اس کے علاوہ ان کی مختلف تصنیفات ہیں۔ انہوں نے ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوالحسن علی بن زیاد تونسیؒ۔ مالکؒ، ثوریؒ اور لیث بن سعدؒ وغیرہ سے حدیث سُنی۔ ان کے زمانے میں افریقہ میں ان کا مثل نہ تھا۔ ان سے اسد بن الفرات اور سحنون وغیرہ نے حدیث سُنی۔ انہوں نے امام مالکؒ سے مؤطا اور دوسری کتابوں کی روایت کی اور فقہ میں وہ سحنون کے استاد تھے اور سحنون اہل افریقہ میں کسی کو ان پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ قیروان کے اہل علم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تھے تو اس کو علی بن زیاد کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیتے تھے کہ وہ ان کو صحیح بات بتائیں۔ سحنون کہتے ہیں کہ اگر مصریوں کی طرح علی بن زیاد کو طلب علم کا شوق ہوتا تو ان میں سے کوئی ان سے نہ چھوٹتا اور ان میں سے کوئی ان کے ساتھ نہ رہتا۔ انہوں نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۶) اسد بن فراتؒ۔ ان کا خاندان نیشاپور کا رہنے والا تھا، اور وہ دیار بکر میں حران میں پیدا ہوئے۔ تونس میں نشوونما پائی اور علی بن زیاد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مشرق کا رُخ کیا

Marfat.com

اور امام مالکؒ سے مؤطا وغیرہ کو سنا۔ اس کے بعد عراق گئے اور ابو یوسفؒ، محمد بن حسنؒ، اسد بن عمرؒ اور اصحاب ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم پائی۔ امام ابو یوسفؒ نے موطائے امام مالکؒ ان ہی سے پڑھی، اور مدونہ کو جس کا ذکر عنقریب آئے گا، انہی نے تالیف کیا۔ انہوں نے ۲۱۳ھ میں محاصرہ سرقوسہ میں وفات پائی جب کہ وہ اس کے سپہ سالار اور قاضی تھے۔

(۷) عبدالسلام بن سعید التنوخی الملقب بسحنونؒ۔ وہ خاندانی طور پر شامی یعنی حمص کے رہنے والے تھے۔ ان کے باپ حمص کی فوج کے ساتھ آئے اور قیروان کے مشائخ سے بالخصوص تونس کا سفر کر کے علی بن زیاد سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعد مصر آئے اور مصری علماء میں جو لوگ امام مالکؒ اور بلادِ مغرب کے طالب علموں کے درمیان واسطہ تھے، مثلاً ابنِ قاسمؒ اور ابنِ وہبؒ وغیرہ سے حدیث سُنی۔ پھر مدینہ میں آئے اور امام مالکؒ کی وفات کے بعد وہاں کے علماء سے ملاقات کی اور ۱۹۱ھ میں افریقہ واپس ہوئے۔

ابوالعرب کہتے ہیں کہ سحنونؒ ثقہ، حافظِ علم اور فقیہ تھے۔ ان میں چند خصائل ایسے مجتمع تھے جو ان کے سوا اور کسی میں نہیں پائے جاتے تھے، یعنی فقہ، پرہیزگاری، کامل حق گوئی، زُہد فی الدنیا، موٹا جھوٹا کھانا، پہننا اور فیّاضی وہ کسی قسم کا شاہی عطیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ بسا اوقات اپنے تلامذہ کو تیس دینار یا اس کے مثل دیتے تھے۔ ابنِ قاسمؒ کا قول ہے کہ "افریقہ سے ہمارے یہاں سحنونؒ جیسا شخص کوئی نہیں آیا۔" وہ افریقہ میں آئے تو لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے اور نئے زمانے کا آغاز ہوا جس نے اس کے پہلے کی باتیں مٹا دیں۔ ان کے تلامذہ اہلِ قیروان کا چراغ تھے۔ مدوّنہ کی تصنیف انہی نے کی اور اہلِ قیروان اس پر اعتماد رکھتے ہیں۔ وہ ۲۳۴ھ میں جب کہ ان کا سن ۷۴ سال کا تھا، افریقہ کے قاضی ہوئے اور مرتے دم تک اس عہدے پر ممتاز رہے۔ وہ قضاوت کے زمانے میں اپنے لیے بادشاہ سے وظیفہ اور صلہ نہیں لیتے تھے البتہ اپنے عملہ کے لیے اہلِ کتاب کے جزیہ سے لیتے تھے۔ جب فریقِ مقدمہ باہم سخت کلامی یا گواہوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے تو ان کو سزا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب گواہوں سے چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو کیونکر شہادت

Marfat.com

دیں گے۔ اگر فریق مقدمہ گواہ پر کسی عیب یا جرح کا الزام لگاتا تھا یا کہتا تھا کہ مجھ سے گواہوں کے بارے میں پوچھیے کیونکہ وہ ایسے ہیں تاکہ وہ ان کے مجروح ہونے کا سوال کر سکیں تو وہ اس کی تادیب کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ میں اس بارے میں تجھ سے بے نیاز ہوں اور یہ میرا کام ہے، تیرا نہیں۔ وہ طلاق و عتاق کی ناجائز قسموں پر لوگوں کی تادیب کرتے تھے تاکہ وہ خدا کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائیں۔ وہ فسق پر تادیب کرتے تھے اور جو شخص اس کا مستحق ہوتا تھا اس کو بازار سے نکلوا دیتے تھے۔ لوگ اپنے اپنے نام رقعوں پر لکھ کر دیتے تھے، جو ان کے سامنے پیش کیے جاتے تھے اور وہ ان میں سے ایک ایک کو الگ الگ بلاتے تھے۔ البتہ اگر کوئی مجبور یا ستم رسیدہ شخص آتا تھا تو اس کے لیے ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

یہ لوگ اکابر علماء میں ہیں جنہوں نے مغربی ممالک میں امام مالکؒ کے مذہب کی اشاعت کی۔ لیکن مشرقی ممالک میں کوئی شخص ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے امام مالکؒ کو دیکھا ہو اور ان سے فقہ پڑھی ہو۔ البتہ ایسے لوگ مشرق میں بھی پیدا ہوئے جنہوں نے نہ امام مالکؒ کو دیکھا تھا نہ ان سے سنا تھا، مثلاً

(۱) احمد بن معدل بن غیلان العبدی الفقیہ المتکلمؒ۔ وہ عبدالملک بن ماجشونؒ اور محمد بن مسلمہؒ کے تلامذہ میں تھے اور ادیب، فصیح، مذہب مالکؒ کے فقیہ، زاہد، دین دار اور عبادت گذار تھے۔ عراق میں امام مالکؒ کے لیے ان سے بلند رتبہ اور اہل حجاز کے مذہب کا ماہر ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ مشرقی شہروں میں انہی کے ذریعہ سے امام مالکؒ کا مذہب پھیلا۔

(۲) قاضی ابو اسحٰق اسمٰعیلؒ بن اسحاق بن اسمٰعیل بن حماد بن زید۔ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں توطن اختیار کیا اور وہیں حدیث سنی۔ ابن المعدل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ وہ کہتے تھے کہ میں لوگوں پر دو آدمیوں کے ذریعہ سے فخر کرتا ہوں۔ ایک ابنِ معدل جو مجھ کو فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، دوسرے ابن المدینی جو مجھے حدیث پڑھاتے ہیں۔ عراق کے مالکیوں نے انہی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ ابو بکر بن خطیب کہتے ہیں کہ اسمٰعیل، فاضل، عالم اور امام مالکؒ کے مذہب کے فقیہ

Marfat.com

تھے۔ ان کے مذہب کی شرح و تلخیص کی، ان کے لیے حجت لائے، مسند اور علوم قرآن کے متعلق متعدد کتابیں لکھیں اور امام مالک یحیٰی بن سعید انصاری اور ایوب سختیانی کی حدیثیں جمع کیں۔ ابوالولید الباجی نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے، جو درجۂ اجتہاد کو پہنچے اور ان میں بہت سے علوم جمع ہو گئے، بیان کیا ہے کہ امام مالکؒ کے بعد یہ درجہ صرف قاضی اسمٰعیل کو حاصل ہوا۔ وہ بغداد کے قاضی مقرر ہوئے اور ایک ہی وقت میں ان کی ذات میں تمام علوم جمع ہو گئے جو ان سے پہلے کسی کی ذات میں جمع نہ ہوئے۔ مدائن، نہر اور انات کے قاضی مقرر ہوئے اور اخیر میں قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔ ابوعمر والدانی کہتے ہیں کہ اسمٰعیل ۴۲ سال تک اور دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ وہ کچھ اوپر پچاس سال تک قاضی رہے۔ ان کی متعدد تالیفات ہیں جن میں سے عنقریب بعض کا ذکر آئے گا۔ وہ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔

اور اہلِ مدینہ میں امام مالکؒ کے سب سے بڑے شاگرد ابومروان عبدالملک بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ الماجشونؒ ہیں جو قریش میں بنوتمیم کے آزاد شدہ غلام تھے۔ ماجشون فارسی لفظ ہے جس کے معنی گلابی کے ہیں۔ چونکہ ان کے چہرے پر سرخی تھی اس لیے ان کا یہ نام رکھا گیا۔ عبدالملکؒ فقیہ و فصیح تھے۔ ان سے پہلے فتویٰ کا دارومدار ان کے باپ پر تھا اور ان کے بعد تا وفات ان پر رہا۔ وہ اپنے زمانے میں اہلِ مدینہ کے مفتی تھے۔ اپنے باپ اور امام مالکؒ وغیرہ سے فقہ کی تعلیم پائی۔ جب امام شافعیؒ ان سے مذاکرہ کرتے تھے تو لوگ اکثر ان کی گفتگو نہیں سمجھتے تھے کیونکہ امام شافعیؒ نے بدوؤں میں ہذیل سے اور عبدالملکؒ نے بدوؤں کے قبیلۂ کلب میں اپنے ماموؤں سے ادب سیکھا تھا۔ قاضی یحیٰی بن اکثم کہتے ہیں کہ "عبدالملک ایک ایسا دریا ہے جس کو ڈول گدلا نہیں کرتے۔ سحنونؒ نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کو ترجیح دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "میں نے ان کی طرف سفر کرنے کا ارادہ کیا اور ان کتابوں کو ان پر پیش کرنا چاہا تاکہ وہ ان میں سے جس کی اجازت دیں اس کو جائز رکھوں اور جس کو رد کر دیں اس کو رد کر دوں۔" ابنِ حبیب نے ان کی بہت تعریف کی ہے اور اکثر تلامذۂ مالک پر ان کو سمجھ میں بلند خیال کرتے تھے۔ ان سے بہت سے لوگوں اور بڑے بڑے ائمہ مثلاً احمد بن المعذل، ابنِ حبیب

Marfat.com

اور سحنون نے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے اور انہوں نے سنہ ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

یہ لوگ اکابر تلامذۂ مالکؒ ہیں اور ان کے مذہب کے شائع کرنے والوں میں ہیں۔ ان کو امام مالکؒ سے وہی نسبت ہے جو ایک شاگرد کو استاد سے اور ایک راوی کو مستنبط سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ لوگ امام مالکؒ سے بہت کم اختلاف رکھتے ہیں اور اگر کہیں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خود اس مسئلہ کی روایت میں امام مالکؒ سے اختلاف ہوتا ہے یا جو نصوص ان سے مروی ہیں ان کے سمجھنے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی ابن وہبؒ اور ابن القاسمؒ ان سے اختلاف کرتے ہیں اور یہ، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، بہت کم ہے۔

تیسرے امام، امام شافعیؒ ہیں۔

ان کا نام و نسب ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی ہے۔ شافع بنو المطلب میں عبد مناف سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور امام شافعیؒ کی نویں پشت میں تھے۔ ان کی ماں یمنی اور قبیلہ ازد سے تھیں جو نہایت ذہین تھیں۔

امام شافعیؒ عسقلان کے صوبے میں بمقام غزہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ غزہ ان کے آباؤ اجداد کا وطن نہ تھا بلکہ ان کے باپ ادریس وہاں کسی ضرورت سے آئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے فرزند محمد وہیں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے دو سال بعد ان کی والدہ ان کے آبائی وطن مکہ میں ان کو لے آئیں اور وہیں بحالتِ یتیمی انہوں نے اپنی ماں کی سرپرستی میں نشو و نما پائی۔ بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر بادیہ میں ہذیل کے یہاں، جو افصح العرب تھے، گئے اور ان کے بہت سے اشعار یاد کیے۔ اس کے بعد ادب و فصاحت سیکھ کر واپس آئے اور شیخ الحرم و مفتی الحرم مسلم بن خالد الزنجی کی شاگردی کی اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ان کو فتویٰ دینے کی اجازت دی۔ اس کے بعد انہوں نے امام مالکؒ بن انس امام دار الہجرت کے پاس ان سے ایک سفارشی خط لکھنے کی درخواست کی۔ انہوں نے خط لکھ دیا تو آپ نے مدینہ کا سفر کیا اور امام مالکؒ کے پاس آئے۔ وہ موطا یاد کر چکے تھے۔ اس کو امام مالکؒ کے سامنے پڑھا اور آپ کی قرات ان کو پسند آئی۔

Marfat.com

امام شافعیؒ نے اس زمانے میں مسلم بن خالد کی فقہ اور دو بلند رتبہ اشخاص یعنی سفیان ابن عینیہ محدثِ مکہ اور امام مالکؒ بن انسؒ محدثِ مدینہ کی حدیثیں حاصل کیں۔ اہلِ حجاز کی حدیث کا سلسلہ انہی دونوں بزرگوں پر منتہی ہوتا ہے اور یہی دونوں ان کے سب سے بڑے شیوخ میں ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ انہوں نے اور لوگوں سے بھی روایتیں کی ہیں۔

امام شافعیؒ دولت مند شخص نہ تھے اس لیے انہوں نے مجبوراً حصولِ معاش کے لیے کوئی کام تلاش کیا۔ مصعب بن عبداللہ القرشی قاضیِ یمن کی مدد سے ان کو یمن میں ایک کام مل گیا۔ وہ اس پر مقرر ہو گئے اور اس سے مدتوں شرف حاصل کرتے رہے۔ اس وقت ہارون رشید خلیفہ تھا اور آلِ عباسؓ اور آلِ علیؓ میں سخت عداوت قائم تھی۔ ہارون رشید علویوں اور ان کے معاونین کی حرکات سے سخت خائف اور چوکنا رہتا تھا اور صرف تہمت و شبہ سے اس پر مواخذہ کرتا تھا۔ امام شافعیؒ پر بھی تشیع کا الزام تھا۔ بلادِ یمن بہت سے شیعوں کا مرکز تھا جو بنو عباس کی گھات میں تھے اور قوم کے افراد میں شیعی پروپیگنڈہ پھیلاتے تھے۔ چنانچہ ہارون رشید تک ان شیعوں کا جن کے ساتھ امام شافعیؒ بھی تھے، معاملہ پہنچایا گیا اور اس نے ان کو ۱۸۴ھ میں طلب کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ مطرف بن مازن قاضی صنعا نے امام شافعیؒ کو اس الزام میں شامل کیا اور حماد بربری ان لوگوں کو عراق میں لایا اور یہ لوگ رشید کے پاس شہر رقہ میں حاضر ہوئے۔

اگر رشید کے حاجب فضل بن ربیع کی مدافعت سے امام شافعیؒ کی برأت نہ ثابت ہوئی ہوتی تو وہ اس الزام کی وجہ سے بڑے خطرے میں پڑ جاتے۔ امام شافعیؒ نے اس الزام سے بچنے کے لیے جو فقرے کہے وہ یہ ہیں کہ کیا میں اس شخص کو چھوڑ سکتا ہوں جو یہ کہتا ہے کہ میں اس کے چچا کا لڑکا ہوں (رشید) اور اس شخص کی طرف رجوع کر سکتا ہوں جو یہ کہتا ہے کہ میں اس کا غلام ہوں (امامِ شیعہ)۔ رشید پر اس فقرہ کا سخت اثر ہوا اور اس نے ان کی رہائی کا حکم دیا اور ان کو صلہ عطا کیا۔

اسی موقع پر امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی سے میل جول پیدا کیا اور فقہائے عراق کی کتابوں سے واقفیت حاصل کی اور طریقۂ اہلِ حدیث پر ان معلومات

Marfat.com

کا اضافہ کیا۔ انہوں نے امام محمد بن الحسن سے مناظرے بھی کیے جن کی خبر رشید کو ملی تو ان سے بہت خوش ہوا۔ امام شافعیؒ کی کتابیں ان مناظروں سے بھری ہوئی ہیں۔

امام شافعیؒ عراق سے حجاز واپس آئے اور ایک مدت تک مکہ میں رہ کر افادہ و استفادہ کرتے رہے۔ اس وقت مکہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں تمام ملکوں کے علماء آتے رہتے تھے۔ امام شافعیؒ ان سے ملتے تھے، ان سے مناظرہ کرتے تھے اور اُن سے یہ اور ان سے وہ اخذ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ۱۹۵ھ میں رشید کی وفات اور عبداللہ الامین کے خلیفہ ہونے کے بعد دوبارہ عراق میں آئے۔ اس آمد پر علمائے عراق کی ایک جماعت نے ان کی شاگردی اختیار کی اور ان سے کسبِ علم کیا اور یہیں انہوں نے اُن کو وہ کتابیں املا کرائیں جو انہوں نے مذاہبِ عراق یا مذہبِ قدیم پر لکھی تھیں۔ اس آمد پر وہ محمد بن ابی حسان الزیادی کے یہاں اترے تھے اور دو سال تک قیام کیا تھا۔ امام محمدؒ بن حسن کا انتقال ہو چکا تھا اور عراق میں تلامذۂ امام ابوحنیفہؒ میں اس وقت حسن بن زیاد لولوی تھے لیکن امام شافعیؒ جس طرح امام محمد بن الحسن کے ساتھ مصروفِ مناظرہ تھے، ان سے مناظرہ نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ حجاز، جب کہ بغداد میں ان کو کافی شہرت حاصل ہو چکی تھی اور بہت سے علماء ان کے طریقہ کو قبول کر چکے تھے، واپس آئے۔ پھر ۱۹۸ھ میں وہ تیسری بار عراق میں آئے اور وہاں چند مہینے قیام کر کے مصر کا سفر کیا اور فسطاط میں بطور ایک معزز مہمان کے عبداللہ بن عبدالحکم کے یہاں اترے۔ اس وقت مصریوں میں امام مالکؒ کا مذہب پھیلا ہوا تھا۔ اکثر علمائے مصر کا یہی مذہب تھا اور تلامذۂ مالکؒ میں جن لوگوں نے ان کا کلام سُنا اور ان سے روایت کی تھی۔ عبداللہ بن عبدالحکم اور اشہب باقی رہ گئے تھے۔

مصر میں امام شافعیؒ کی قابلیت اور ان کی قدرتِ کلام کا اظہار ہوا۔ انہوں نے اپنے مصری تلامذہ کو اپنی جدید کتابیں املاء کروائیں اور یہی ان کا مصری یا جدید مذہب ہے۔ وہ مصر میں برابر مقیم رہے یہاں تک کہ ۲۰۴ھ میں وفات پائی اور مقبرۂ بنی عبدالحکم میں مدفون ہوئے۔ موت و حیات دونوں میں مصری ان کو بزرگ سمجھتے رہے، یہاں تک کہ وہ پہلے حجازی تھے اور اب مصری ہو گئے۔

Marfat.com

امام شافعیؒ پہلے امام ہیں جنہوں نے متصل سفر کر کے بذاتِ خود اپنے مذہب کی اشاعت کی اور خود اپنے تلامذہ کو اپنی کتابیں املا کروائیں۔ ان کے علاوہ دوسرے کبار ائمہ کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی۔ امام شافعیؒ کے مذہب کی بنیاد ان کے رسالہ اصولیہ میں مدوّن کی گئی ہے۔ وہ ظواہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں اور جب کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ ظاہر قرآن مراد نہیں تو اس کے بعد حدیث کو لیتے ہیں۔ خبر واحد پر عمل کرنے کی، جب اس کا راوی ثقہ ہو، سخت حمایت کرتے ہیں اور جب حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بہ سند متصل پہنچ جائے تو امام مالکؒ کی طرح اس کے بعد وہ کسی عمل کی، جو حدیث کی تائید کرتا ہو، اہلِ عراق کی طرح شہرتِ حدیث کی شرط نہیں لگاتے۔ حدیث کی اس تائید کی بنا پر ان کو اہلِ حدیث میں نہایت حسنِ قبول حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ اہلِ بغداد ان کو ناصر السنّت کہتے تھے۔ وہ احادیثِ صحیحہ کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے قرآن مجید کو دیکھتے ہیں اور دونوں کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔ حدیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اجماع کے معنی یہ ہیں کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، ان کے نزدیک اجماع کا علم ناممکن ہے۔ لیکن جب کوئی دلیل منصوص موجود نہیں ہوتی تو وہ قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اصل معیّن موجود ہو۔ اہلِ عراق جس چیز کو استحسان اور مالکی جس چیز کو استصلاح کہتے ہیں انہوں نے اس کی شدّت کے ساتھ تردید کی ہے، البتہ وہ استدلال پر عمل کرتے ہیں۔ جو اس کے قریب ہے۔

امام شافعیؒ کی ذات چونکہ حجازیوں اور عراقیوں کی فقہ اور بدّوؤں کی فصاحت کا مجموعہ تھی، اس لیے وہ مناظرہ اور خوبیٔ تحریر میں یکتا تھے اور ان کی تحریر اس زمانے کے بلیغ ترین انشا پردازوں مثلاً جاحظ وغیرہ سے کم درجہ نہیں رکھتی تھی۔

امام شافعیؒ کے تلامذہ عراق اور مصر دونوں میں موجود تھے۔ چنانچہ ان کے عراقی شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ابو ثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی البغدادیؒ۔ ان کی فقہ کا دار و مدار رلے پر تھا اور

اہلِ عراق کے قول کو لیتے تھے۔ لیکن جب امام شافعیؒ بغداد میں آئے تو ان سے تعلیم حاصل کی۔ وہ اگرچہ امام شافعیؒ کے مقلد نہیں ہیں بلکہ جب ان کو کوئی دلیل مل جاتی ہے تو ان کی مخالفت کرتے ہیں لیکن ان کا شمار ائمہ فقہائے شافعیہ میں ہے۔ ان کی چند مخصوص رائیں ہیں۔ ان کا ایک خاص مذہب ہے اور ان کے پیرو بھی ہیں۔ لیکن ان کا مذہب بہت دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ ابوعمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ "وہ اپنی مرویات میں ثقہ اور حسن النظر ہیں لیکن ان کے چند شاذ مسائل ہیں جن میں انہوں نے جمہور سے اختلاف کیا ہے۔ لوگوں نے ان کو ائمہ فقہاء میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے جن مسائل میں جمہور اور امام شافعیؒ سے علیحدگی اختیار کی ہے وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) تمام فقہاء کے نزدیک قرض وصیت پر مقدم ہے، لیکن ابوثورؒ نے خدا کے ظاہر قول کی بنا پر وصیت کو مقدم کیا ہے ؛

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ — وصیت یا قرض کے بعد۔

(۲) کسی خریدے ہوئے مال میں عیب نکل آنے پر واپس کرنے کا اختیار رضامندی کے ساتھ صرف گفتگو سے حاصل ہو سکتا ہے یا ایسے فعل سے جس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ رضامندی ہے، لیکن امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ اختیار فوراً حاصل ہوتا ہے۔

(۳) جب دو آدمی قبلہ کے رُخ میں اجتہاد کریں اور دونوں کے اجتہاد کا نتیجہ ایک دوسرے سے مختلف ہو تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اقتداء کر سکتا ہے اور ہر ایک اس کی جہت کی طرف نماز پڑھ سکتا ہے لیکن یہ ان کے علاوہ اور لوگوں کے قول کے مخالف ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔

ابنِ ثورؒ نے ۲۴۰ھ میں اور ابنِ خلکان کے قول کے مطابق ۲۴۶ھ میں وفات پائی۔

(۲) احمد بن حنبلؒ اور ان کا حال مستقلاً آگے آئے گا۔

(۳) حسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی البغدادیؒ۔ وہ مذہب قدیم کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ہیں اور کتاب عراقی انہی کی طرف منسوب ہے۔ امام شافعیؒ کی مجلس میں وہی قرأت کرتے تھے اور ان کی قرأت کے ذریعہ سے احمدؒ، ابوثورؒ اور کرابیسیؒ نے سماعت کی ہے۔ وہ سواد کے ایک

Marfat.com

گاؤں زعفرانیہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس کے بعد بغداد کے بعض دروب میں قیام کیا اور وہ ان کی طرف منسوب ہو گئے۔ زعفرانی نے سفیان ابن عیینہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ سے حدیث سُنی اور مسلمؒ کے علاوہ امام بخاری وغیرہ ائمہ حدیث نے ان سے روایت کی۔ امام شافعیؒ کو ان کی فصاحت بہت پسند تھی، یہاں تک کہ ان کے متعلق فرماتے تھے کہ میں نے بغداد میں ایک ایسے نبطی کو دیکھا جو عربی معلوم ہوتا ہے اور اس کے مقابل میں میں نبطی نظر آتا ہوں۔" انہوں نے ۲۶۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابوعلی الحسین بن علی الکرابیسیؒ۔ انہوں نے پہلے عراقیوں کے مذہب کے مطابق فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر امام شافعیؒ سے فقہ سیکھی اور ان سے اور ان کے علاوہ اور لوگوں سے حدیث سُنی۔ امام شافعیؒ نے ان کو زعفرانی کی کتابوں کی اجازت دی، لوگوں نے ان سے روایت کرنے میں اجتناب کیا ہے، کیونکہ "مسئلہ لفظ" یعنی اس کہنے کی وجہ سے کہ "میرا قرآن کے الفاظ کو پڑھنا مخلوق ہے"۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ان کو مطعون کیا ہے۔ اور یہ ایک عجیب بات ہے۔ محمد بن عبداللہ الصیرفی الشافعیؒ کہتے ہیں کہ حسین کرابیسی اور ابوثور سے عبرت حاصل کرو کیونکہ حسین علم و حفظ میں ممتاز ہیں اور ابوثور علم میں ان کے عشر عشیر بھی نہیں۔ لیکن "مسئلہ لفظ" کی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے ان کے بارے میں کلام کیا اور وہ پست ہو گئے۔ لیکن ابوثور کی تعریف کی تو وہ بلند رتبہ ہو گئے۔

(۵) احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز البغدادی المتکلمؒ، وہ بغداد میں امام شافعیؒ کے کبار تلامذہ میں تھے پھر احمد بن ابی داؤد کے شاگرد ہو گئے اور ان کی رائے کا اتباع کیا۔ ابوعاصم کہتے ہیں کہ "وہ حافظوں، زاہدوں اور مفتیوں میں سے ایک ہیں۔ چونکہ ان کی آنکھ میں خرابی تھی اس لیے امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں کی قرأت سے ان کو منع کیا۔ معتزلہ کے خیالات کی پیروی نے ان کو اپنے درجہ سے گرا دیا تھا۔ ابن سبکی کہتے ہیں کہ وہ بہت سے قابلِ اعتراض مسائل کے قائل تھے۔ مثلاً ان کے نزدیک طلاق بالصفات جائز نہیں۔ کیونکہ جب نکاح متعہ اس لیے جائز نہیں کہ وہ ایک ایسا عقد ہے جو ایک صفت کے ساتھ معلّق ہے اسی طرح طلاق بالصفت بھی عقد معلّق ہے۔ ابن سبکی کہتے ہیں کہ یہ ایک باطل قول ہے اور اس سے خرقِ اجماع ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہریہ کے اس قول کے مثل

Marfat.com

ہے جس کی ابن حزم نے محلی وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ جب مہینہ کی ابتداء ہوگی تو تجھ کو طلاق ہے یا اس نے اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس قول سے نہ سردست طلاق واقع ہوگی اور نہ اس وقت جب مہینہ کا آغاز ہوگا۔ غالباً اس مسئلہ میں ظاہریہ سب سے الگ ہیں۔

امام شافعیؒ کے عراقی تلامذہ سے جن لوگوں نے فقہ کی تعلیم پائی ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۶) داؤد بن علیؒ، امام اہل الظاہر۔ ہم ان کا تذکرہ خاص طور پر کریں گے۔

(۷) ابوعثمان بن سعید الانماطی۔ انہوں نے مزنی اور ربیع سے علم حاصل کیا اور بغداد میں ان ہی کے ذریعہ سے امام شافعیؒ کی کتابیں مشہور ہوئیں اور ابن سریج نے انہی سے فقہ سیکھی۔ انہوں نے ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابوالعباس احمد بن عمر بن سریجؒ۔ حسن زعفرانی وغیرہ سے حدیث سُنی اور ابوالقاسم انماطی سے فقہ سیکھی اور تمام تلامذۂ شافعیؒ یہاں تک کہ مزنی پر بھی ان کو ترجیح دی جاتی تھی۔ شیخ ابوحامد اسفرائنی کہتے ہیں کہ ہم ابوالعباس کے ساتھ ظواہر فقہ میں چلتے ہیں، دقائقِ فقہ میں نہیں چلتے۔" وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مناظرہ کی ابتدا کی اور لوگوں کو جدل کا طریقہ سکھایا۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کی تعداد چار سو بیان کی جاتی ہے۔ ان میں اور داؤد بن علی ظاہری اور ان کے بیٹے محمد کے درمیان نہایت مشہور مناظرے ہوئے۔ انہوں نے ۳۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوالعباس احمد بن ابی احمد الطبری الشہیر بابن القاصؒ۔ ابن سریج سے فقہ سیکھی۔ وہ مشہور کتابوں مثلاً تلخیص، مفتاح اور ادب القاضی وغیرہ کے مصنف ہیں اور اصولِ فقہ میں ان کی ایک کتاب ہے۔ وہ بہت بڑے امام تھے۔ ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ۔ ہم ان کا تذکرہ خاص طور پر کریں گے۔

امام شافعیؒ کے مصری تلامذہ حسب ذیل ہیں:

(۱) یوسف بن یحیی البویطی المصریؒ۔ وہ امام شافعیؒ کے مصری تلامذہ میں سب سے بڑے تھے۔ امام شافعیؒ سے فقہ پڑھی اور ان سے اور عبداللہ بن وہبؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔

Marfat.com

ان کی ایک مشہور مختصر ہے جس کا اختصار انہوں نے امام شافعیؒ کے کلام سے کیا ہے۔ امام شافعیؒ فتویٰ میں ان پر اعتماد کرتے تھے۔ جب ان کے پاس کوئی مسئلہ آتا تھا تو ان کے حوالے کر دیتے تھے اور اپنی موت کے بعد ان کو اپنے تمام تلامذہ کا خلیفہ بنایا۔ ان کے حلقۂ درس سے بہت سے ائمہ نکلے اور مختلف شہروں میں جا کر تمام ملک میں امام شافعیؒ کے علم کی اشاعت کی۔ انہوں نے فتنۂ خلق قرآن میں قید ہو کر بغداد میں ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی المصریؒ۔ وہ ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے اور جوان ہو کر تحصیلِ علم میں مصروف ہوئے اور حدیث کی روایت کی۔ ۱۹۹ھ میں جب امام شافعیؒ مصر میں آئے تو ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ابو اسحٰق شیرازی کہتے ہیں کہ "وہ زاہد، عالم، مجتہد، مناظر اور معانیٔ دقیقہ کی تہ میں ڈوبنے والے تھے۔" امام شافعیؒ نے ان کی نسبت فرمایا کہ مزنی میرے مذہب کا حامی ہے۔ جن کتابوں پر امام شافعیؒ کے مذہب کا دارو مدار ہے وہ انہی کی لکھی ہوئی ہیں۔ خراسان، عراق اور شام کے بہت سے علماء نے ان سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

مزنی کبھی کبھی اپنے استاد کے مذہب کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے لیے نئی راہیں اختیار کرتے ہیں۔ لیکن شافعیہ ان اختیارات کو مذہب میں نئے اقوال نہیں خیال کرتے اور وہ زیادہ بھی نہیں ہیں۔

(۳) ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار المرادیؒ جو ان کے آزاد کردہ غلام اور جامع عتیق میں مؤذن تھے۔ ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بہ کثرت روایتیں کیں۔ وہ ان کی کتابوں کے راوی ہیں اور اپنی روایت میں نہایت ثقہ خیال کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ مزنی اگرچہ علمِ دین اور بزرگی میں نہایت بلند رتبہ ہیں اور جو روایت کرتے ہیں وہ قواعد کے مطابق ہوتی ہے، تاہم جب ربیع اور مزنی کا کسی روایت میں تعارض ہوتا ہے تو امام شافعیؒ کے تلامذہ ربیع ہی کی روایت کو مقدم سمجھتے ہیں۔ لوگ امام شافعیؒ کی کتابوں کے پڑھنے کے لیے اطرافِ ملک سے ان کے پاس سفر کر کے آتے تھے۔ انہوں نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

(۴) حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ التجیبیؒ ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ بہت بڑے امام تھے۔ ابن وہبؒ سے بہت زیادہ حدیثیں روایت کیں اور امام شافعیؒ سے فقہ سیکھی اور ان کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں۔ ان کے متعلق اشہب کا قول ہے کہ "وہ اہلِ مسجد میں بہترین شخص ہیں۔" انہوں نے ۲۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی المصریؒ ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ سفیان ابن عیینہؒ اور ابن وہبؒ وغیرہ سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ سے فقہ حاصل کی۔ مصر میں ان پر علمی ریاست کی انتہا ہوئی۔ امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے مصر میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے زیادہ عاقل کسی کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابوبکر محمد بن احمد المعروف بابن الحداد۔ مزنی کے وفات کے دن پیدا ہوئے۔ وہ حفظِ قرآن میں یکتا تھے۔ فقہ میں امامِ زمانہ اور لغت میں ایک وسیع دریا تھے۔ اس پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ معانیٔ دقیقہ کی تہ تک نہ پہنچنے اور فروعِ مولدہ کے استخراج میں یکتا تھے۔ اور اس میں کوئی شخص ان کی گرد تک کو نہیں پہنچا۔ فقہ میں کتاب الباھر اور کتاب ادب القضاۃ وغیرہ ان کی تصنیفات میں ہیں۔ وہ مصر کی زینت اور علمِ قضاء کے بہت بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

تلامذۂ شافعیؒ میں یہی لوگ مشہور ترین ہیں۔ ان کی تصنیفات کے ذریعہ سے لوگوں نے انہی کے ذریعہ سے امام شافعی کا علم حاصل کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بکثرت لوگ ہیں اور تلامذۂ مالکؒ کی طرح ان لوگوں نے بھی امام شافعیؒ سے بہت کم اختلاف کیا ہے۔

چوتھے امام احمد بن حنبل بن ہلال الذہلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی ہیں۔

۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ہشیم اور سفیان بن عیینہؒ وغیرہ کے طبقہ میں اکابر محدثین سے حدیث سنی اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے ان سے روایت کی۔ چونکہ انہوں نے نہایت کثرت سے حدیثیں حفظ کیں اس لیے اپنے زمانہ میں اہلِ حدیث کے امام ہو گئے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ "میں بغداد سے نکلا تو وہاں احمد بن حنبلؒ سے زیادہ افضل، زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ

Marfat.com

کسی شخص کو نہیں چھوڑا"۔ امام شافعی جب بغداد میں آئے تو امام احمد بن حنبلؒ نے ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ وہ ان کے بغدادی شاگردوں میں سب سے بڑے ہیں۔ اس کے بعد خود اجتہاد کیا۔ وہ ان اہلِ حدیث مجتہدین میں ہیں جو امام شافعیؒ کی طرح صحیح السند ہونے کی حالت میں خبرِ واحد پہ بلا شرط عمل کرتے ہیں اور اقوالِ صحابہ کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔ امام احمدؒ کا شمار فقہاء سے زیادہ اہلِ حدیث میں ہے۔ انہوں نے مسند تصنیف کی ہے جو چالیس ہزار سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے اور ان کے بیٹے عبداللہ نے ان سے اس کی روایت کی ہے۔ اصول میں ان کی کتاب طاعۃ الرسول، کتاب الناسخ والمنسوخ اور کتاب العلل ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے لوگوں نے ان کے مذہب کی روایت کی ہے۔ ان میں مشہور ترین لوگ حسب ذیل ہیں:

(۱) ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی المعروف بالاثرمؒ۔ انہوں نے فقہ میں اپنی کتاب السنن امام احمدؒ کے مذہب پر تصنیف کی ہے اور اس پر حدیث سے بھی شواہد لائے ہیں۔

(۲) احمد بن محمد بن الحجاج المروزیؒ۔ انہوں نے بھی شواہدِ حدیث کے ساتھ کتاب السنن تصنیف کی ہے۔

(۳) اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہ المروزیؒ۔ وہ امام احمد کے بہت بڑے شاگرد ہیں اور انہوں نے بھی فقہ میں کتاب السنن تصنیف کی ہے۔

مسئلہ خلقِ قرآن کی آزمائش میں صرف امام احمد بن حنبلؒ ہی نے ثابت قدمی ظاہر کی۔ کیونکہ مامون نے مسئلہ خلقِ قرآن کی جو دعوت دی اس کو بہت سے اہلِ حدیث نے قبول کر لیا۔ لیکن ۲۱۸ھ سے جس میں مامون کی دعوت شروع ہوئی، ۲۳۳ھ تک جس میں متوکل نے اس دعوت کو چھوڑ دیا اور لوگوں کو عقائد و رائے میں آزادی دی، امام احمد بن حنبلؒ بالکل ثابت قدم رہے اور رائے کی صحت اور غلطی سے قطع نظر کرکے اس استقلال سے ان کو امام العلماء کا شرف اور درجہ حاصل ہوا کیونکہ معتقدات کی حفاظت کے لیے تکلیف برداشت کرنا انسان کے لیے شرف کا بہترین زیور ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

یہ چاروں ائمہ جمہور اہلِ اسلام کے وہ ائمہ ہیں جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی، ان کی

Marfat.com

تدوین کی گئی اور وہ باقی رہے۔

ائمہ شیعہ | اس دور میں شیعوں کے دو مذہبوں نے شہرت حاصل کی یعنی شیعہ زیدیہ اور شیعہ امامیہ۔

زیدیہ۔ زیدؒ بن علیؓ بن الحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی طرف منسوب ہیں جنہوں نے کوفہ میں ہشام بن عبدالملک کے مقابلہ میں بغاوت کی اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے خلافت کے لیے بنو امیہ اور بنو عباس کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کیا اور بلادِ طبرستان اور بلادِ یمن میں بعض کامیابیاں بھی حاصل کیں۔

اس مذہب کے اصول کی رُو سے ان کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں بکثرت ائمہ پیدا ہوئے جو فقہ میں اصحاب الرائے تھے، اور اس دور میں ان کے سب سے بڑے امام الداعی الی اللہ الامام الناصر للحق الحسنؒ بن علی بن الحسن ابن زید بن عمر بن علی بن الحسینؓ بن علیؓ تھے جنہوں نے مذہب زیدیہ کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن کی ترتیب کتبِ فقہ کے مطابق دی گئی تھی مثلاً کتاب الطہارۃ اور کتاب الاذان الخ۔

ان ہی ائمہ میں امام الداعی الی الحق الحسنؒ بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن الحسن بن زید ابن الحسنؓ بن علیؓ تھے جو بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے بلاد طبرستان پر حملہ کیا اور ۲۵۰ھ میں اس پر قابض ہو گئے اور اس پر برابر قابض رہے۔ یہاں تک کہ ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے فقہ میں کتاب الجامع اور کتاب البیان وغیرہ تصنیف کی۔

ان ائمہ میں ایک قاسم ابن ابراہیم العلوی الیری بلادِ یمن میں صاحب صعدہ تھے۔ ان کا زمانہ ۲۲۶ھ سے ۲۸۰ھ تک ہے۔ زیدیہ قاسمیہ ان ہی کی طرف منسوب ہیں اور کتاب الاشربہ اور کتاب الایمان والنذور ان کی تصنیفات میں ہیں۔

ان ہی ائمہ میں سے ہادی یحییٰ بن الحسن بن القاسم بن ابراہیم امام صعدہ (۲۸۰ھ تا ۲۹۵ھ) ہیں اور زیدیہ ہادویہ انہی کی طرف منسوب ہیں۔ فقہ میں ان کی ایک جامع کتاب ہے۔

اس دور کے بہت سے علماء و محدثین امامت کے متعلق مذہب زیدیہ رکھتے تھے۔

Marfat.com

اور بلادِ یمن کا بڑا حصہ زیدیہ شیعہ ہے۔ شیعوں کے مذاہب میں یہ مذہب جمہور کے مذاہب سے بہت زیادہ قریب ہے کیونکہ زیدیہ اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے زیادہ امامت کا مستحق سمجھتے ہیں لیکن وہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے۔

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے سب سے بڑے امام اس دَور میں امام ابوعبداللہ جعفر الصادقؒ تھے جو ساداتِ اہلِ بیت سے تھے اور اپنی حق گوئی کی وجہ سے صادق کا لقب پایا تھا۔ وہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام مالک بن انسؒ، امام ابوحنیفہؒ اور بہت سے علمائے مدینہ نے ان سے روایت کی۔ البتہ امام بخاریؒ نے ان کی حدیث کی تخریج نہیں کی۔ ان کے باپ ابوجعفر محمد باقرؒ کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ شیعہ امامیہ کی فقہ کا دار و مدار انہی دونوں بزرگوں پر ہے۔ اس دَور میں ان کے سب سے بڑے مؤلّف ابوالنصر محمد بن مسعود العیاشی اور ابوعلی محمد بن احمد بن الجنید ہیں اور زرارہ بن اعین کو بھی جو فقہ، حدیث، کلام اور تشیع میں شیعوں کے بہت بڑے شخص ہیں، شیعوں میں بہت بڑی شہرت حاصل ہے۔ وہ ابوجعفر باقر کے شاگرد تھے اور ان کے لڑکے حسین بن زرارہؒ اور حسن بن زرارہؒ، ابوعبداللہ جعفر صادق کے شاگرد ہیں۔

اس مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ ائمہ معصوم ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ آپؐ نے ان کو شریعت کے ظاہر و باطن کی تعلیم دی اور انہوں نے جس شخص کو امامت میں اپنا خلیفہ بنایا اس کو اس کی تعلیم دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ کے اقوال خود شارع کی نصوص کے مثل ہیں۔ احکام اجتہاد اور رائے سے نہیں معلوم ہو سکتے صرف امامِ معصوم کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اجماعِ عام اور قیاس کو یہ لوگ شرعی اصول نہیں سمجھتے۔ اجماع کو تو اس لیے کہ جو شخص ائمہ میں سے نہیں ہے اس کے قول کا کوئی اثر نہیں۔ اور قیاس ایک رائے ہے اور دین رائے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ تقیہ کے بھی قائل ہیں یعنی مخالفین کے شر سے بچنے کے لیے انسان اپنے عقیدہ کے خلاف دوسرے عقیدہ کا بھی اظہار کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے ائمہ سے روایتیں مختلف ہوتی ہیں تو وہ اپنی کتابوں میں اس روایت کو جو جمہور کی رائے کے مطابق ہوتی ہے، تقیہ پر محمول کرتے

ملیں۔ اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ استنباطِ احکام پر سیاست کا جو اثر پڑا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیعہ امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ میراث میں حقیقی چچا زاد بھائی علاتی چچا پر مقدم ہے حالانکہ ان سب کا قول یہ ہے کہ وراثت کا دار و مدار قربیت پر ہے۔ اس لیے انسان جس قدر میت سے قریب تر ہوگا وہ میت کے دُور کے قرابت دار سے اس کی وراثت کا زیادہ مستحق ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حقیقی چچازاد بھائی وراثت میں ماموں سے مؤخر ہے لیکن وہ اس کو چچا پر اس لیے مقدم کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں حضرت عباسؓ پر مقدم قرار پائیں۔

ان کی جو رائیں جمہور کی رایوں کی مخالف ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) بھانجی کا نکاح خالہ کے نکاح کی حالت میں اس کے اذن کے بغیر نہیں ہو سکتا اور بھانجی کے نکاح کی حالت میں خالہ کا نکاح اس کے اِذن کے بغیر جائز ہے۔ اور یہی حال پھوپھی اور بھتیجی کے نکاح کا بھی ہے۔

(۲) یہ لوگ نصرانیہ اور یہودیہ کے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں اور جس آیت سے اس کی حلّت ثابت ہے اس کو خداوند تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ سمجھتے ہیں، وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔

(۳) مریض طلاق نہیں دے سکتا البتہ نکاح کر سکتا ہے اس لیے اگر اس نے نکاح کر کے بی بی کے ساتھ مباشرت کی تو یہ جائز ہے اور اگر مباشرت نہ کی اور اسی مرض میں مر گیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اور عورت کو نہ مہر ملے گا نہ میراث۔

(۴) رضاعت سے نکاح کی حرمت صرف ان شرائط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ ایک عورت کا جس نے ایک ہی مرد کے نطفہ سے بچہ جنا ہو، پورے ایک دن اور ایک رات متصل پندرہ بار دودھ پیا ہو اور ان کے درمیان کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا ہو۔

(۵) کتاب و سنّت میں جس طلاق کا حکم ہے اس کی صورت صرف یہ ہے کہ جب عورت حائضہ ہو کر پاک ہو جائے تو مرد اس سے جماع کرنے سے پہلے دو عادل گواہوں کے سامنے ایک

Marfat.com

طلاق دے۔ پھر جب تک اس کو تین حیض نہ آجائیں وہ اس سے رجعت کر سکتا ہے۔ اگر اس نے رجعت کرلی تو وہ اس کے پاس رہے گی اور اس کے بعد اس کو دو طلاقوں کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر رجعت سے پہلے تین حیض گذر گئے تو اس کو اپنے اوپر اختیار حاصل ہوگا۔ اور شوہر اگر اور منگنی کرنے والوں کے ساتھ چاہے تو اس سے منگنی کر سکتا ہے، اور اب اگر اس نے نکاح کرلیا تو وہ اس کے پاس رہے گی اور اس کو دو طلاقوں کا حق حاصل ہوگا۔ اور اس کے علاوہ چوتھا کوئی طریقہ نہیں۔

(۶) اگر کسی شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ "تو مجھ پر حرام ہے"، یا اس کو طلاق بائن یا طلاق بتہ دی یا بریۃ یا خلیۃ کہا تو یہ کچھ نہیں۔ طلاق صرف یہ ہے کہ عدت سے پہلے جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے کہے کہ "تجھ کو طلاق ہے یا تو عدت میں بیٹھ" اور اس سے طلاق مراد لے اور اس پر دو عادل آدمی گواہی دیں۔

(۷) ایک مجلس میں تین طلاق صرف ایک طلاق خیال کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ اور بہت سی رائیں ہیں جن کو وہ اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

**فنا شدہ مذاہب** فقہاء کے مذاہب میں بعض فقہاء ایسے ہیں جن کے مذہب کے پیرو موجود تھے اور انہوں نے ایک زمانے تک ان کے مذہب کی پابندی کی۔ پھر اس کے بعد جو دوسرے مذاہب پیدا ہوئے وہ اس پر غالب ہو گئے اور اس کے پیرؤں کا خاتمہ ہوگیا۔ چنانچہ ان مذاہب کے مشہور ائمہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) ابو عمرو عبدالرحمٰن بن محمد الاوزاعی۔ اوزاع یمنی قبیلہ ذی الکلاع کی ایک شاخ یا دمشق میں باب الفرادیس کے راستے پر ایک گاؤں ہے۔ ابو عمرو نے ان لوگوں میں قیام کیا تو ان ہی کی طرف منسوب ہو گئے، ورنہ ان کا اصل خاندان سبی عین التمر سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن خود اوزاعی بعلبک میں ۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور جوان ہونے کے بعد علم حدیث کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ عطاء بن ابی رباح اور زہری اور ان کے طبقہ کے لوگوں سے روایت کی اور خود ان سے اکابر محدثین نے روایت کی۔ امام اوزاعیؒ بہت بڑے ادیب اور انشاء پرداز تھے اور ان کے رسائل مشہور ہیں۔ ولید بن مرثد کہتے ہیں کہ

Marfat.com

"میں نے ان سے کوئی بہترین کلمہ ایسا نہیں سُنا جس کے سُننے والے کو اس کی ضرورت پیش نہ آئے کہ وہ ان کی سند سے اس کو لکھ لے اور میں نے ان کو کبھی قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔"
ان کا ایک قول یہ ہے کہ "جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہے تو ان پر مناظرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور ان کو عمل سے روک دیتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ ان فقہا پر افسوس ہے جو عبادت کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے فقہ سیکھتے ہیں اور جو چیزیں شبہ کی وجہ سے حرام ہیں ان کو حلال کر لیتے ہیں۔"
ان کے استقلال کے مشہور مقامات میں وہ گفتگو ہے جو انہوں نے عبداللہ بن علی کے ساتھ اس وقت کی جب وہ شام میں آئے اور بنوامیہ کو قتل کیا۔ چنانچہ جب وہ اپنی فوج میں جن کی تلواریں کھنچی ہوئی تھیں موجود تھے تو انہوں نے اوزاعی کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ بنوامیہ کے خون کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا "تم میں اور ان میں معاہدے تھے اور تمہیں ان کو پورا کرنا چاہیئے تھا کہ اس نے کہا کہ" یہ فرض کر لو کہ ہمارے درمیان معاہدہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں گھبرایا اور کشت و خون کو گوارا نہ کیا اور یہ خیال کیا کہ میں خدا کے سامنے کھڑا ہوں۔ اب میں نے اس سے کہا کہ "ان کا خون تجھ پر حرام ہے۔" وہ برہم ہوا، غصہ سے اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں، گردن کی رگیں پھول گئیں اور اس نے کہا "کیوں؟" میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بجز تین صورتوں کے مسلمان کا خون حلال نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ بیاہا آدمی زنا کرے، دوسرے یہ کہ جان کے بدلے میں جان لی جائے اور تیسرے یہ کہ ایک شخص دین کو چھوڑ دے۔" اس نے کہا کہ "کیا ہماری حکومت دینی نہیں ہے"؟ میں نے کہا کیونکر؟ اس نے کہا "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لیے وصیت نہیں کی تھی"؟ میں نے کہا "اگر آپؐ ان کے لیے وصیت کرتے تو وہ دو حکم نہ مقرر کرتے۔" اب وہ چپ ہو گیا اور غصے میں بھر گیا۔ اس پر مجھے خیال ہوا کہ میرا سر میرے آگے گرے گا لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اس کو نکالو اور میں نکل آیا۔

امام اوزاعیؒ ان محدثین میں تھے جو قیاس کو پسند نہیں کرتے اور اہلِ شام کا عمل ان کے مذہب پر تھا۔ وہ شام کے قاضی تھے۔ پھر بنوامیہ کی اولاد میں جو لوگ اندلس گئے ان کے ساتھ امام اوزاعیؒ کا مذہب بھی اندلس میں گیا۔ پھر تیسری صدی کے نصف حصے میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلے میں

Marfat.com

شام میں اور امام مالکؒ کے مذہب کے مقابلہ میں اندلس میں اس مذہب کا چراغ بجھ گیا۔ امام اوزاعیؒ نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو سلیمان داؤد بن علی بن خلف الاصبہانی المعروف بالظاہریؒ۔ ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور اسحاق بن راہویہؒ اور ابو ثورؒ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ وہ امام شافعیؒ کے سخت حامی تھے اور ان کی مدح و فضائل میں دو کتابیں لکھیں۔ بغداد میں ان پر علمی ریاست کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے خود اپنا ایک نیا مذہب ایجاد کیا جس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں جب تک کتاب و سنت کی کسی دلیل یا اجماع سے یہ نہ ثابت ہو کہ ظاہر کتاب و سنت مراد نہیں۔ لیکن اگر کوئی نص نہ ملے تو ان کا عمل اجماع پر ہوتا ہے اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ خود عموم کتاب و سنت سے ہر مسئلہ کا جواب نکل آتا ہے۔

امام داؤد ظاہری نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں بہت سی ابواب فقہ میں ہیں اور بہت سی اصول میں۔ مثلاً کتاب ابطال التقلید، کتاب ابطال القیاس، کتاب خبر الواحد، کتاب خبر الموجب للعلم، کتاب الحجۃ، کتاب الخصوص والعموم، کتاب المفسر والمجمل وغیرہ۔ ان کے بیٹے محمد نے ان سے علم حاصل کیا اور ان کے مذہب پر چلے۔ وہ فاضل، ادیب، شاعر، اخباری اور ظرفاء دستورین میں سے تھے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

امام داؤد کے مقلد اور ان کے مذہب پر کتابیں لکھنے والے ابوالحسن عبداللہ بن احمد ابن محمد بن المغلس ہیں۔ ان کے وقت میں داؤدیوں کی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوگیا اور بعد کو بھی کوئی شخص ان کا مثل نظر نہ آیا۔ وہ تمام لوگوں کے نزدیک فاضل، عالم، صادق، ثقہ اور مقدم تھے۔ انہوں نے ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔

لوگ پانچویں صدی کے نصف حصے تک امام داؤد کے مذہب کا اتباع کرتے رہے۔ اس کے بعد اس کا چراغ گل ہوگیا۔ انہوں نے بہت سی رایوں میں جمہور کی مخالفت کی ہے اور یہ اختلاف قیاس و رائے کے چھوڑنے اور ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ میں نے ابو محمد علی بن احمد

Marfat.com

ابن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ کی کتاب المحلی میں اس قسم کے بہت سے مسائل دیکھے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :-

(۱) طلاق صرف تین الفاظ اور ان کے مشتقات سے واقع ہوتی ہے، طلاق، تسریح اور فراق بشرطیکہ ان الفاظ سے کوئی شخص طلاق کی نیت کرے۔ لیکن اگر ان الفاظ کے متعلق کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے طلاق مراد نہیں لی تو فتویٰ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ لیکن طلاق اور مشتقاتِ طلاق کے متعلق تقضاوت میں تصدیق نہیں کی جائے گی اور طلاق کے علاوہ بقیہ الفاظ کے متعلق تقضاوت میں بھی تصدیق کی جائے گی۔ ان الفاظ کے علاوہ جو الفاظ ہیں مثلاً "خلیہ" "بریہ" کہ تو بَری ہے"، میں نے تجھ کو بَری کیا، تیری رسّی تیری گردن پر ہے، میں نے تجھے تیرے خاندان پر یا خاندان کے علاوہ کسی اور پر ہبہ کیا، اور تحریم، تخییر اور تملیک، ان کے ذریعہ سے طلاق نہ فتویٰ میں واقع ہوگی نہ تقضاوت میں، خواہ طلاق کی نیت کرے یا نہ کرے۔

(۲) طلاق میں وکالت جائز نہیں۔

(۳) اگر ایک غائب شخص اپنی بی بی کو طلاق دے تو یہ طلاق نہ ہوگی اور وہ جس طرح پہلے اس کی بی بی تھی اسی طرح اس کی بی بی رہے گی۔ اگر ان میں سے ایک مرگیا تو دونوں میں وراثت جاری ہوگی، اور زوجیت کے تمام حقوق دونوں کے درمیان قائم رہیں گے چاہے وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، تین طلاق ہو یا اس سے کم۔ البتہ جب وہ اس کو طلاق کا پیغام روانہ کرے اور عورت اس کے بھیجے ہوئے شخص کی خبر کی تصدیق کرے یا اس کی شہادت فیصلہ میں قبول کر لی جائے تو اگر عورت حاملہ ہوگی یا ایسے طہر کے ساتھ پاک ہوگی کہ اس نے اس میں اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے، تو اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

(۴) اگر ایک شخص نے بغیر قصدِ طلاق محض زبان کی لغزش سے طلاق دے دی اور اس پر گواہ قائم ہوگئے، تو اس کے متعلق طلاق کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر گواہ نہ قائم ہوئے بلکہ وہ فتویٰ حاصل کرنے کے لیے آیا تو اس کے لیے طلاق لازم نہ ہوگی۔

(۵) طلاق کی قَسم لازم نہیں ہے، چاہے اس قسم کو پورا کرے چاہے نہ کرے، اس کے ذریعہ

Marfat.com

سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ طلاق وہی ہوگی جس کا حکم خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے اور قسم بھی وہی ہے جس کا حکم خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے۔

(۶) قسم ہی کا حال طلاق بالصفۃ کا بھی ہے اور ان سب سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ طلاق صرف وہی ہے جس کو خداوند تعالیٰ نے حکم دیا اور اس کی تعلیم دی۔ اور وہ حکم یہ ہے کہ طلاق کا ارادہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل اور تجاوز عن حدود اللہ ہے۔

(۷) اگر ایک شخص نے کہا کہ جب مہینہ شروع ہوگا تو تجھ کو طلاق ہے یا اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس سے طلاق نہ ہوگی، نہ اب نہ اس وقت جب مہینہ کا آغاز ہوگا۔

(۸) اگر ایک شخص نے اپنی بی بی کو طلاق کا اختیار دے دیا تو چاہے وہ طلاق لے لے یا نہ لے، اس کو طلاق نہ ہوگی۔

(۹) اگر ایک عورت نے اپنے شوہر کو ناپسند کیا اور اس کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ وہ اس کا حق نہ ادا کر سکے گی یا یہ کہ شوہر اس سے بغض رکھے گا اور اس کا حق نہ ادا کرے گا تو وہ اس کو فدیہ دے کر اس سے الگ ہو سکتی ہے۔ اور اگر شوہر راضی ہو گیا تو وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے ورنہ میاں بی بی کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ صرف ان کی رضامندی سے یہ معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ اور فدیہ بجز دونوں مذکورہ وجہوں میں سے ایک یا دونوں کے اجتماع کے بغیر جائز نہیں۔ اور اگر دونوں کے علاوہ فدیہ دیا گیا تو وہ باطل ہے اور مرد نے عورت سے جو رقم لی ہے وہ اس کو واپس کردی جائے گی اور وہ پہلے ہی کی طرح اس کی بی بی رہے گی۔ صرف شوہر اس پر ظلم کرنے سے روکا جائے گا۔ عورت اپنی تمام مملوکات کو فدیہ میں دے سکتی ہے اور وہ طلاق رجعی ہوگی بجز اس صورت کے کہ وہ اس کو تین طلاق دے یا تین طلاق کے آخر تک طلاق دے یا وہ غیر موطوءہ ہو اور اگر اس نے عدت کے زمانے میں رجعت کرلی تو یہ جائز ہے، عورت پسند کرے یا نہ کرے، اور عورت سے شوہر نے جو رقم لی ہے وہ واپس کردے گا۔

(۱۰) طلاق اور رجعت دو عادل گواہوں کے بغیر جائز نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں علماء کو رائے اور استنباط کی عام آزادی حاصل تھی۔ وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے اور دوسرے فقہاء کی مخالفت سے ان کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا تھا۔ لیکن اندلس میں علماء کو یہ آزادی حاصل نہ تھی کیونکہ وہاں کے علماء نے ابن حزم کو ان رایوں کی بناء پر جو انہوں نے اپنے مذہب کے خلاف اختیار کی تھیں، اپنا آماج گاہ بنالیا اور امراء کے دلوں میں ان کے خلاف شورش پیدا کی اور اُن سے ڈرا کر ان کو خوف زدہ کرنا چاہا۔ لیکن وہ خوف زدہ نہ ہوئے اور اپنی رائے سے باز نہ آئے، کیونکہ وہ ایک بہت بڑے شخص تھے اور ہر بڑا شخص اپنے عقیدہ کے لیے تکلیف اٹھاتا ہے۔ لیکن ہم اس وقت ان کی رائے کی صحت اور غلطی سے بحث کرنا نہیں چاہتے، صرف گذشتہ زمانے کی ایک حالت بیان کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے طبقات الشافعیہ سبکی میں ظاہریہ کی رائے کے متعلق ایک فصل اس بحث پر دیکھی ہے کہ فروعات میں ان کی رائے کا اعتبار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے اس کے متعلق تین قول بیان کیے ہیں۔

(۱) عموماً ان کا اعتبار ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

(۲) عموماً ان کا اعتبار نہیں اور استاد ابو اسحاق نے اس رائے کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۳) قیاس جلی کی مخالف رایوں کے سوا ان کی اور رایوں کا اعتبار ہے۔

ابن سبکی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ امام داؤد ظاہری قیاس جلی کے منکر نہیں، صرف قیاس خفی کے منکر ہیں۔ ابن سبکی نے ان کے ایک رسالہ کی، جس کا نام اصول ہے، ایک عبارت بھی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "قیاس کے ساتھ حکم کرنا ضروری نہیں اور استحسان ناجائز ہے۔" اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کو حرام کردیں پھر اس کے علاوہ دوسری چیز کو ایک شخص اس لیے حرام کرے کہ وہ اس کے مشابہ ہے۔ البتہ اگر آپ اس علت کو بتادیں جس کی وجہ سے حرمت ہوئی ہے، تو ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ یہ کہیں کہ گیہوں کے بدلے میں گیہوں اس لیے حرام کیا گیا کہ وہ ناپ کر فروخت ہوتا ہے اور اس کپڑے کو دھو ڈالو کیونکہ اس میں خون لگا ہوا ہے اور اس کو مار ڈالو کیونکہ وہ سانپ ہے۔ کیونکہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپؐ نے جس وجہ سے حکم دیا تھا اس کو بتلا بھی دیا تھا اور جو حکم ایسا نہ ہو اس کو بلا چون وچرا مان لینا چاہیے۔ اس کے علاوہ جو ہے اس سے خاموشی اختیار کی

ہے اور وہ ان چیزوں میں داخل ہے جو معاف کر دی گئی ہیں، گویا جس حکم کی علت بہ تصریح بیان کر دی گئی ہے اس کو وہ قیاس نہیں کہتے۔

(۳) ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبریؒ۔

۲۲۴ھ میں آمل طبرستان میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم اور تمام شہروں کی سیاحت کی اور اس قدر علم حاصل کیا کہ ان کے معاصرین میں کوئی ان کا شریکِ فن نہ تھا۔ وہ کتاب اللہ کے حافظ، اصولِ صحابہؓ و تابعین کے ماہر، ایام الناس اور ان کی تاریخ کے عالم تھے۔ ان کی تصنیفات میں وہ مشہور تاریخ ہے کہ عربی تاریخوں میں کوئی تاریخ اس سے زیادہ قابلِ اعتماد نہیں۔ نیز وہ تفسیر ہے کہ اب تک اس کے مثل دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی۔ کتاب تہذیب الآثار بھی ان ہی کی تصنیف ہے لیکن انہوں نے اس کو پورا نہیں کیا۔ ان کی ایک کتاب اختلاف الفقہاء بھی ہے۔ میں نے مصر کے کتب خانے میں اس کا ایک قلمی ٹکڑا دیکھا تھا جو وسیع علم اور بہت بڑی عقل پر دلالت کرتا تھا۔

انہوں نے ابتدا میں ربیع بن سلیمانؒ سے مصر میں فقہ شافعی پڑھی۔ یونس بن عبدالاعلیٰ اور بنی عبدالحکم سے فقہ مالک حاصل کیا اور ابو مقاتل سے رے میں اہلِ عراق کی فقہ سیکھی۔ اس کے بعد ان کا علم وسیع ہو گیا اور ان کا اجتہاد اس درجہ کو پہنچ گیا کہ اپنی فقہی کتابوں میں انہوں نے اپنا ایک خاص مذہب اختیار کر لیا۔ ان کتابوں میں ایک کا نام لطیف القول ہے اور یہ وہ اقوال ہیں جن کو انہوں نے منتخب کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب کا نام خفیف ہے جس کو انہوں نے وزیر مکتفی کی فرمائش سے لکھا ہے۔ اس کے بعد کتاب البسیط شروع کی جس میں کتاب الطہارۃ اور اکثر احکام صلاۃ کی تخریج کی اور اسی میں کتاب الحکام والمحاضر والسجلات کی تخریج کی۔

ان کے وہ تلامذہ جنہوں نے ان کے مذہب کے موافق فقہ کی تعلیم پائی، حسب ذیل ہیں:۔

(۱) علی بن عبدالعزیز بن محمد دولابیؒ۔ انہوں نے تلامذہ داؤد بن مغلس مقدم الذکر کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے اور کتاب افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی تصنیف ہے۔

(۲) ابوبکر محمد بن احمد بن ابی الثلج الکاتبؒ۔

Marfat.com

(۳) ابوالحسن احمد بن یحییٰ المنجم المتکلم۔ کتاب "المدخل الی مذہب الطبری" و "نصرۃ مذہبہ" کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری" اور "کتاب الرد علی المخالفین" ان کی تصنیفات سے ہیں۔

(۴) ابوالحسن الدقیقی الحلوانی۔

(۵) ابوالفرج المعافی بن زکریا النہروانی۔ وہ امام ابوجعفر طبری کے مذہب اور ان کی کتابوں کے حفظ میں یکتا ہیں۔ اس کے ساتھ بہت سے علوم کے ماہر اور ذکاوت، حافظ اور حاضر جوابی میں معروف ہیں۔ امام طبری کے مذہب کے مطابق فقہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

یہ مذہب پانچویں صدی کے نصف حصہ تک مشہور اور معمول بہ رہا ہے۔

یہ وہ مشہور مذاہب ہیں جن پر ایک زمانہ تک عمل کیا گیا۔ اس کے بعد ان کے جاننے والوں کا خاتمہ ہو گیا اور ان کے آثار صرف کتابوں میں محفوظ رہ گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار ائمہ ہیں جو خود اجتہاد کرتے تھے لیکن ان کے مذہب کی اشاعت کے لیے ان کو مقلد میسر نہیں ہوئے۔ مثلاً اہلِ مصر کے امام اور امام مالک کے دوست لیث بن سعد جن کی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ وہ امام مالک سے زیادہ فقیہ ہیں، لیکن ان کے تلامذہ نے ان کا نام اونچا نہیں کیا۔ اور بھی بہت سے ائمہ ہیں جن کی تاریخ کے استقصاء کی گنجائش صفحاتِ کاغذ میں نہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ دَور اجتہاد کا دَور تھا۔ اس میں تقلید کا اثر نہ تھا۔ بالخصوص ائمہ کے طبقہ اولیٰ کے تلامذہ میں تو تقلید کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ اس کے بعد کے طبقات میں بے شبہ تقلید کی تھوڑی سی خوشبو پائی جاتی ہے۔ لیکن ان میں سے جب کوئی شخص اجتہاد اور استنباط کی قدرت پاتا تو وہ فوراً زائل ہو جاتی تھی اور آزادیٔ رائے نہایت وسعت کے ساتھ پائی جاتی تھی۔ اس کے بعد ہم ایک فصل میں مذاہب اربعہ کی اشاعت اور جمہورِ اہلِ اسلام کے لیے ان کی پابندی کا سبب بیان کریں گے۔

۹۔ تفریعِ مسائل۔

اس دَور سے پہلے فقہ نہایت سادہ تھی کیونکہ جو واقعات پیش آتے تھے وہ ان کے متعلق حکم کے اظہار تک محدود تھی اور فقہاء فرضی مسائل پر کوئی حکم صادر نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس دَور میں فقہاء

Marfat.com

نے نہایت وسعت کے ساتھ مسائل ایجاد کیے اور ان کے احکام مستنبط کیے جن میں اہلِ عراق کو سب پر تفوّق حاصل تھا۔ ان لوگوں نے قوّتِ تخیّل پر اعتماد کیا اور لوگوں کے لیے ہزاروں ایسے مسائل نکالے جن میں بعض کا وجود ممکن ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نسلیں گذر جائیں گی لیکن کوئی شخص ان کے وجود کو محسوس نہ کر سکے گا۔ مختلف ممالک کے وہ فقہاء جو قیاس کو فقہ کا ایک اصول سمجھتے تھے اس معاملہ میں فقہائے عراق کے دست نگر تھے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے تین جزو کو سینکڑوں مسائل کی بنیاد قرار دیا ہے اور ان کے جواب دینے میں نہایت مشقت کی ہے، یعنی غلام اور ان کے تصرفات، بی بی اور اس کی طلاق، قسم اور قسم شکنی۔ غلاموں کے بارے میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہ کثرت ان کے قبضہ میں تھے اور اس کثرت نے ان کے خیالات کو ان کی طرف مبذول کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ معاملات کا کوئی باب ایسا نہیں ہے جس کے اکثر مسائل کی بنیاد لونڈی اور غلام پر نہ ہو۔ بیع، اجارہ، شرکۃ، رہن، وصیت اور عتق وغیرہ سب میں انہی کے متعلق مسائل نظر آئیں گے۔

لیکن عورت اور اس کے طلاق کے متعلق میں نے اس اصل پر غور کیا جس نے طلاق کے ان مسائل کی طرف فقہاء کو توجہ دلائی تو مجھے اس کے معلوم کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔

اگر ایک ہذیانی آدمی سے بھی مسائل کے وقوع کا تصوّر ہو سکے تو انہوں نے اس کا جواب تیار کر لیا ہے اور اگر مفتی یا قاضی سے ان کا سوال کیا جائے تو ان کو جواب دینے میں کوئی توقف نہ ہوگا۔ رہی یہ بات کہ ان مسائل کے وجود کا تصوّر مشکل ہے تو اس سے تعجب اور بڑھ جاتا ہے اور ان پہ جو وقت صرف کیا گیا اس پر سخت افسوس ہوتا ہے۔ میں نے امام محمد بن حسینؒ کی کتاب جامع الکبیر میں پڑھا ہے کہ اگر ایک شخص کی تین بیویاں ہوں جن میں ایک کا نام زینب، دوسری کا نام عمرہ، اور تیسری کا حمادہ ہو اور اس نے کسی کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو اور وہ زینب سے کہے کہ اگر میں تجھ کو طلاق دوں تو عمرہ کو طلاق ہو جائے گی، پھر اس نے عمرہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دوں تو حمادہ کو طلاق ہو جائے گی، پھر اس نے حمادہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دوں تو زینب کو طلاق ہو جائے

Marfat.com

گی. اس کے بعد اس نے زینب کو طلاق دی تو اس کو یہ طلاق ہو جائے گی اور عمرہ کو قسم شکنی سے طلاق واقع ہو گی۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ اور کسی عورت کو طلاق نہ ہو گی۔ اور اگر اس نے زینب کو طلاق نہ دی بلکہ عمرہ کو طلاق دی تو عمرہ کو یہ طلاق ہو جائے گی اور حمادہ قسم شکنی سے مطلقہ ہو گی، اور زینب پر کوئی طلاق نہ پڑے گی۔ اور اگر اس نے عمرہ کو طلاق نہ دی بلکہ حمادہ کو طلاق دی تو حمادہ پر یہ طلاق پڑے گی اور زینب قسم شکنی سے مطلقہ ہو گی اور عمرہ پر قسم شکنی کی وجہ سے دوسری طلاق پڑ جائے گی کیونکہ اس نے زینب کے متعلق قسم شکنی کی۔ اس لیے اس قسم شکنی کی وجہ سے مطلقہ ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس نے کسی عورت کو کوئی طلاق نہ دی بلکہ کہا کہ "تم میں سے کسی کو طلاق ہے" پھر قبل اس کے کہ وہ بیان کرے کہ اس نے کس عورت کو طلاق دی، وہ مر گیا تو عمرہ کو نصف مہر ملے گا وراثت نہ ملے گی، اور زینب اور حمادہ کو ایک پورا مہر اور ایک چوتھائی مہر ملے گا جو ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گا۔ میراث بھی ان کو نصف ملے گی جو ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گی۔ اور نصف وراثت ورثا کو ملے گی کیونکہ عمرہ ہر حالت میں مطلقہ ہو گی۔ اور ایک حالت میں زینب اور حمادہ دونوں پر طلاق پڑے گی۔ اور ایک حالت میں صرف ان میں سے ایک مطلقہ ہو گی۔ اس لیے ایک حالت میں ان کو ایک مہر اور دوسری حالت میں ڈیڑھ مہر ملے گا۔ اس ایک میں ان کو ایک مہر اور اس کا چوتھائی حصہ ملے گا، لیکن وراثت تو ایک حالت میں ایک کو ملے گی اور ایک حالت میں ان دونوں میں سے کسی کو نہ ملے گی، اس لیے نصف میراث دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو جائے گی۔

اس کے بعد دوسرے مسئلہ میں ان بی بیوں کو جن کے ساتھ اس نے مباشرت نہیں کی ہے، چار فرض کیا ہے، اور حساب اور کسور کو زیادہ کر دیا ہے۔

اور میں نے امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی کتاب الام میں پڑھا ہے۔

**طلاق بالحساب** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے جس کے قبل یا جس کے بعد ایک ہے تو اس پر دو طلاق پڑ جائے گی۔ لیکن اگر اس نے کہا کہ میں نے ایک طلاق مراد لی ہے اور اس کے پہلے اور بعد سے طلاق مراد نہیں لی ہے تو فیصلہ میں اس کا اعتبار نہیں کیا

جائے گا لیکن فیما بینہ وبین اللہ اعتبار کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے بی بی کو ایک طلاق دے کر پھر رجعت کر لی اس کے بعد کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے جس کے پہلے ایک ہے پھر اس نے کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ میں اس کے پہلے اس کو ایک طلاق دے چکا تھا تو قسم لینے کے بعد فیصلہ میں بھی اس کی بات مان لی جائے گی۔ اور اگر کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے جس کے بعد ایک ہے، پھر خاموشی اختیار کر لی اور کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اس طلاق کے بعد تجھ کو ایک وقت کے بعد ایک طلاق دوں گا یا تجھ کو صرف اسی وقت کے بعد دوسری طلاق دوں گا تو فیصلہ میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور فیما بینہ وبین اللہ کیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ تیرا بدن یا تیرا سر یا تیرا پاؤں یا تیرا ہاتھ یا اس کے کسی اور عضو یا اس کی انگلی یا اس کے کسی پور کا نام لیا تو عورت کو طلاق پڑ جائے گی۔ اور اگر اس سے کہا کہ تیرے بعض کو طلاق ہے یا تیرے کسی جزء کو طلاق ہے یا ہزار جزء میں سے کسی جزء کا نام لیا تو اس کو طلاق پڑ جائے گی کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں کیے جاتے۔ اور اگر اس سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق کے دو نصف حصہ کے برابر طلاق ہے تو اس پر صرف ایک طلاق پڑے گی۔ البتہ اگر وہ دو طلاق مراد لے یا یہ کہے کہ میرا مقصد یہ تھا کہ نصف اس کے حکم سے جو تھا واقع ہوا اور نصف اس کے حکم سے جو تھا نئے سرے سے دی جائے گی تو دو طلاق پڑ جائے گی۔ اسی طرح اگر اس سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق کی تین تہائی یا چار تہائی طلاق ہے ان میں سے ہر ایک ایک طلاق سمجھی جائے گی کیونکہ ہر طلاق دو نصف یا تین تہائی یا چار چوتھائی کا مجموعہ ہوتی ہے، البتہ اگر وہ اس سے زیادہ کی نیت کر لے تو وہ لفظ کے ساتھ نیت کرنے سے واقع ہو جائے گی۔ اگر ایک شخص نے اپنی بی بی کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ایک ایسی عورت ہے جو اس کی بی بی نہیں ہے، پھر کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے تو شوہر ہی کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا کہ اس نے اپنی بی بی کو مراد لیا تھا تو اس پر طلاق پڑ جائے گی، اور اس نے اجنبیہ کو مراد لیا تھا تو اس بی بی کو طلاق نہ ہوگی، اور اگر اس نے کہا کہ اس نے اجنبیہ کو مراد لیا تھا تو اس سے قسم لی جائے گی، اور اس کی عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق دو میں ہے تو اس کو ایک طلاق ہو جائے گی، اور اس کے قول "دو میں" کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا کہ میں نے کوئی نیت نہیں کی تھی تو

اس کو صرف ایک طلاق ہو گی، الخ

اسی طرح انہوں نے اور بھی خیالی اور عجیب صورتیں بیان کی ہیں حالانکہ کتاب الام کا اکثر حصّہ خیالی مسائل سے الگ ہے۔

کتاب المدونہ بھی جو امام مالکؒ سے منقول ہے، طلاق کے متعلق بہت سے مسائل میں اس سے کم نہیں ہے کیونکہ امام محمد بن الحسنؒ کی کتابیں اس کی اصل ہیں۔

رہے نذر و قسم تو وہ ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔ تم کو اس میں حیرت انگیز تنوّع نظر آئے گا گویا قسم کی جس قدر خیالی صورتیں ہو سکتی تھیں، ان فقہاء نے ان کو سامنے رکھ لیا ہے اور اس کے جواب دیئے ہیں۔ حالانکہ اس میں یقیناً بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے رسم و رواج میں مختلف ممالک کے لحاظ سے اختلاف ہو جاتا ہے۔ کاش قسم، غلاموں کی آزادی اور طلاق کے مسائل میں اس دراز نفسی کا سبب مجھ کو معلوم ہو سکتا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلی صدی کے اواخر میں بیعت پر قسم لینے کا جو طریقہ پیدا ہوا اس نے اس پر اثر ڈالا ہو گا۔ چنانچہ ایک معاہدے میں جو دوسری صدی میں کیا گیا ہے، یہ الفاظ مذکور ہیں:

اگر تم نے اس میں کسی چیز کو بدلا یا معاہدہ شکنی کی یا اس چیز کی مخالفت کی جس کا تم کو امیر المؤمنین نے حکم دیا اور اس کتاب میں تم کو اس کا پابند بنایا، تو تم خدا، رسولؐ اور تمام مسلمانوں کی ذمّہ داری سے بری ہو گئے۔ اور تم میں سے آج ہر شخص کے پاس جو مال ہے یا پچاس سال تک وہ جس سے فائدہ اٹھائے گا وہ مسکینوں پر صدقہ ہے۔ اور تم میں سے ہر ایک کے لیے پچاس سال تک مکّہ کے بیت الحرام کی طرف بطور نذر واجب کے چلنا ہو گا۔ خدا صرف اس کے پورے کرنے کو قبول کرے گا۔ اور تمہارا ہر غلام یا تم میں سے ہر شخص پچاس سال تک جس غلام کا مالک ہو گا وہ آزاد ہے، اور اس کی ہر عورت کو تین طلاقیں قطعی طور پر پڑ جائیں گی، اس میں کسی قسم کی استثناء نہیں ہے۔

اور دوسرے معاہدے کے یہ الفاظ ہیں:

اگر میں نے تبدیلی پیدا کی .... الخ تو خدا سے، اس کی ولایت سے، اس کے دین سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہو گیا اور قیامت کے دن خدا سے کافر و مشرک ہو کر ملوں گا۔ اور

Marfat.com

آج میرے پاس جو عورت ہے یا تیس سال تک میں جس عورت سے نکاح کروں گا اس کو تین قطعی طلاقیں ہو جائیں گی۔ الخ

کیا بیعت کے ان معاہدوں میں بیوی، غلام اور نذر شدہ مال کے داخل کرنے کا اثر ان ابواب کے مسائل کی کثرتِ تفریع پر نہیں پڑ سکتا؟

جو لوگ اس قسم کی قسمیں لیتے تھے، تمام ائمہ نے ان کے اغراض کی تائید نہیں کی، چنانچہ امام مالک بن انسؒ اور اہلِ حجاز نے اس قول کے ساتھ کہ "مجبور کردہ شخص پر قسم نہیں ہے"، ان کی مخالفت کی۔ گو ابوجعفر منصور کے عہد میں ان کو اس پر سزا دی گئی اور یہ یقینی ہے کہ یہی اس کا سبب تھا۔ امام شافعیؒ نے بھی اس قول کے ساتھ کہ جو عورت نکاح میں نہیں آئی اس کے طلاق کی قسم کھانا بالکل بے اثر ہے، ان سے اختلاف کیا۔ اور ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی وجہ سے ان کو کوئی صدمہ پہنچا ہو کیونکہ وہ ابوجعفر جیسے مستبد شخص کے زمانے میں نہ تھے۔ امام داؤدؒ نے بھی اس قول کے ساتھ کہ "غیر خدا کی قسم بالکل بے قیمت و بے اثر ہے"، ان کی مخالفت کی اور دوسرے لوگوں نے بھی اس قول کے ساتھ کہ "قسم میں استثناء جائز ہے گو وہ چند دنوں کے بعد ہو"، ان سے اختلاف کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ قسم کھانے کے بعد اگر وہ "انشاء اللہ" کا لفظ کہہ دے تو قسم کی کوئی قیمت باقی نہ رہ جائے گی۔ ایک بار منصور سے کہا گیا کہ استثناء فی الیمین کے جواز میں امام ابوحنیفہؒ تمہارے دادا ابنِ عباسؓ سے اختلاف کرتے ہیں۔ چنانچہ ابوجعفر نے اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جو شخص اس استثناء کو جائز رکھتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ تیرے سپہ سالاروں پر تیری بیعت کی پابندی لازم نہیں ہے، کیونکہ وہ تیری بیعت پر قسم کھائیں گے پھر نکل کر استثناء کر لیں گے۔ اس لیے یہ قسم ان کے لیے لازم نہ ہوگی۔ اس پر ابوجعفر امام ابوحنیفہؒ سے خوش ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کی بیعت کو دیکھو اور اس کلام سے جس کا نام ان لوگوں نے مبایعہ رکھا ہے، اس کا مقابلہ کرو تو تم کو دونوں زمانوں میں قوم کی روح میں عظیم الشان فرق نظر آئے گا۔ کیونکہ پہلے زمانہ میں یہ لفظ کہ "میں تم سے بیعت کرتا ہوں"، ہر چیز کو شامل ہو جاتا تھا۔ اس لیے بیعت کرنے والا نقضِ بیعت یا اس کی خلاف ورزی کی کوئی گنجائش نہیں پاتا تھا کیونکہ وہ شریف تھا اور اس

نے وفا پر اپنے شرف کو رہن کر دیا تھا۔ اور اصحاب بیعت حماجیہ اور منصوریہ ایسے لوگ تھے جن کے معاہدے پر صرف اس وقت اعتماد کیا جا سکتا تھا جب اس پر مال کے ضائع، عورتوں کے مطلقہ اور غلاموں کے آزاد ہونے سے مدد لی جائے اور ان سب کو دین کا پابند کیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جن بیعتوں میں ان ذرائع سے کام لیا گیا اور ان میں اکثر بیعتوں کے کرنے والوں نے ان کو پورا نہیں کیا اور اصحاب شروط کے ایسے حیلے ان کے پاس موجود تھے جنہوں نے ان کو اس تنگ دائرے سے باہر نکال دیا۔

ان تفریعات کا سلسلہ ابواب عبادات تک بھی پہنچا اور تم کو عبادات کے متعلق بھی بہت سی ایسی صورتیں مل سکتی ہیں جن کا عقل انکار کرتی ہے اور ان کے وجود کی تصدیق نہیں کرتی۔ لیکن ان بزرگوں نے اپنے بعد کے لوگوں کو غور و فکر کرنے سے نجات دے دی اور ان کے لیے مسائل کی صورتیں وضع کیں اور ان کے جواب تحریر کیے۔

امام محمدؒ کی کتاب المبسوط بہت بڑی کتاب ہے جو چھ ضخیم حصوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ہر جلد کے اوراق کی تعداد بہ تقطیع کامل پانچ سو ہے اور ان سب میں مسائل کی تفصیل ہے۔ تو اب تم خود غور کرو کہ اس کے مسائل کی تعداد کیا ہوگی؟ جب کہ مختصر قدوری میں جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے، بارہ ہزار مسئلے ہیں، تو مبسوط میں کس قدر مسائل ہوں گے، حالانکہ مختصر قدوری اس کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے۔ بے شبہ یہ بہت بڑا سرمایہ ہے اور اس سے ان بزرگوں کی جدوجہد کی مقدار کا پتہ چلتا ہے۔

میں نے اپنے سامنے امام محمدؒ کی مبسوط اور امام شافعیؒ کی کتاب الام کی ایک ایک جلد ایک ہی موضوع کے متعلق رکھیں اور ایک بار اُس کو اور ایک بار اِس کو دیکھنا شروع کیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام شافعیؒ لکھتے ہیں تو پڑھنے والے سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اُس اصول کو سیکھے اور جانے جس سے استنباط کیا گیا ہے۔ مجتہد اپنے اجتہاد سے جس نتیجہ تک پہنچا ہے اور اس پر جو اعتراضات ہوتے ہیں وہ ان کے جواب دینے کے طریقے بیان کرتے ہیں۔ اس لیے اگر پڑھنے والے کا مقصد جواب مسئلہ کا معلوم کرنا نہ ہو تو وہ بہ کثرت اس کے مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس غرض کو انہوں نے پورا کر دیا ہے۔ لیکن امام محمدؒ

Marfat.com

شاگرد کے لیے لکھتے ہیں اور اس کو مسائل کے جواب سکھاتے ہیں اس لیے وہ فروعات کا ماہر ہو کر نکلتا ہے اور اس کے دل میں کسی فرع کا تصور نہیں آتا جس کو وہ لکھا ہوا نہ پائے اور اس کا جواب اس کی نظر سے نہ گذرے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والے کا وقت اس میں اسی قدر صرف ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مسئلہ کا جواب مل جائے۔ میں اس وقت یہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتا کہ اس قدر فروعات فقہیہ کی کثرت صحیح ہے یا غلط؟ میں تم کو صرف یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ تفریعِ مسائل اس دور کا ایک خاصہ ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ کا یہ طریقہ نہ تھا بلکہ جو مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا اس کے جواب دینے کو وہ لوگ برا سمجھتے تھے اور آئندہ کے دونوں دوروں میں تم کو اس کا نتیجہ معلوم ہوگا۔

مسائل الحیل | تاریخی واقعات میں سب سے عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مذہبی مقنن ایسے مسائل فرض کرے اور لوگوں کو ان کی تعلیم اس غرض سے دے کہ وہ احکام شرعیہ سے کیونکر نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک وکیل کے متعلق جو لوگوں کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے، یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ وہ قانونی حیلوں کے ذریعہ سے ایک مجرم کی رہائی کی تدبیر کرتا ہے اور کبھی کبھی یہ اس کا کمال بھی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس کو بہت زیادہ وسعت دے اور لوگوں کے لیے قانونی حیلوں کے ذریعہ سے دوسرں کے حقوق کا باطل کرنا آسان کر دے تو یہ اس کی ذمہ داری کے ضعف کی دلیل خیال کی جائے گی اور وہ بھی جس چیز کو دینی خیال کرتا ہے۔ اس کے ابطال کے لیے ایسے حیلے نہ کرے گا۔ ایسی حالت میں اگر ہم ایک مذہبی آدمی کو دینی احکام کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے پائیں تو ہم پر کیا اثر پڑے گا؟ لیکن ہم کو اس دور میں ایک ایسا شخص ملتا ہے جس نے لوگوں کے لیے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام کتاب الحیل رکھا۔ اہلِ حدیث نے نہایت سختی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اس کے مصنّف کو شیطان کہا اور اس پر فسق و فجور کے داغ کا نشان لگایا۔ لیکن اس کے مصنّف کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ لوگوں نے اہلِ عراق میں سے بعض اصحاب الرائے پر اس کا الزام لگایا لیکن یہ تعیّن نہ کر سکے کہ وہ کون ہے۔ اس کے بعض مسائل سے اس کے مصنّف کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ایک مسلمان کے لیے فریضۂ زکوٰۃ کے چھوڑ دینے میں آسانی پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب سال قریب ختم کے ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اپنا مال اپنے لڑکے یا بیوی پر ہبہ کر دو۔ پھر

سے اپنے اوپر ہبہ کرالو کیونکہ اب نیا سال شروع ہو جائے گا اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اس کی نسبت تمہارا کیا خیال قائم ہو سکتا ہے؟ مسائلِ حیل میں جرم کے لحاظ سے یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے ورنہ اس میں اسقاطِ شفعہ کے متعلق بہت سے مسائل ہیں اور پابندیٔ قسم سے آزاد ہونے کی مثالیں تو اور بھی زیادہ ہیں۔ خدا کی قسم ایک ایسا مذہب جو اس مطلقہ عورت کو وراثت دلواتا ہے جس کا شوہر حالتِ مرض میں اس غرض سے طلاق دیتا ہے کہ اس کو وراثت نہ ملے، حیلہ وفریب سے بالکل الگ ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسائل کی جو کثرت ہوئی اور طرح طرح کے جو مسائل وضع کیے گئے، اس نے کمزور مذہب کے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا کہ کلام ائمہ کی مدد سے حیلے تراشیں۔ لیکن ان کے دل میں یہ بات نہ تھی کہ اس غرض کے لیے ان کے مسائل استعمال کیے جائیں گے۔ غالباً ہم اپنے اصل مقصد یعنی تاریخ سے الگ ہوگئے، کیونکہ یہ ایک عجیب چیز تھی جو روایت کی گئی ہے، اس لیے ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ ابنِ قیم جوزی نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کو دیکھ سکتے ہو۔

(۱۰) احکام میں کتابوں کی تدوین۔

ہم نے جن ائمہ کا تذکرہ کیا ان سب کے لیے کتابیں مدوّن کی گئیں جن سے وہ احکام معلوم ہوتے ہیں جن کو انہوں نے مستنبط کیا۔ اکثر تو ان کتابوں کو ان کے تلامذہ نے مدوّن کیا ہے اور بعض کتابوں کو خود ان ائمہ نے مدوّن کیا اور اپنے تلامذہ کو املاء کرایا ہے۔ چنانچہ ہم ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو ان مذاہب کی بنیاد خیال کی جاتی ہیں۔

**امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں** امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سب سے پہلے ان کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسفؒ نے کتابیں تصنیف کیں۔ ابنِ ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ ان کی اصول وامالی کی کتابوں میں کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ آخر کتبِ فقہ تک ہیں۔

ان کے علاوہ ان کی حسبِ ذیل کتابیں ہیں:-

(۱) املاء، قاضی بشر بن ولید نے اس کی روایت کی ہے اور امام ابو یوسفؒ کی تفریعات چھتیس کتابوں پر مشتمل ہیں۔

Marfat.com

(۲) کتاب اختلاف الامصار۔

(۳) کتاب الرد علیٰ مالک بن انسؒ۔

(۴) کتاب الخراج۔ اس کو انہوں نے ہارون رشید کے نام بطور ایک خط کے لکھا ہے۔

(۵) کتاب الجوامع۔ اس کو انہوں نے یحییٰ بن خالد کے لیے تالیف کیا ہے جو چالیس کتابوں پر مشتمل ہے، اور اس میں لوگوں کا اختلاف اور معمول بہ رائے کا تذکرہ کیا ہے۔

لیکن ان کی کتابوں میں ہم کو صرف کتاب الخراج مل سکتی ہے جو مصر میں چھاپی گئی ہے، اس کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

"امیر المومنین نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ اس کے لیے ایک ایسی جامع کتاب لکھوں جس پر خراج، عشور، صدقات اور جزیہ وغیرہ کے متعلق جن پر غور کرنا اور عمل کرنا ضروری ہے، عمل کیا جائے۔ اور اس سے امیر المومنین کا مقصد یہ ہے کہ اس کی رعایا سے ظلم دور کیا جائے اور ان کے معاملے کی اصلاح ہو۔ خداوند تعالیٰ امیر المومنین کو توفیق دے، ٹھیک راستے پر چلائے، اس پر اس کی مدد کرے اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اس سے اس کو محفوظ رکھے۔ امیر المومنین نے مجھ سے یہ چاہا ہے کہ وہ جس بات پر عمل کرنا چاہتا ہے اور اس کے متعلق مجھ سے جس بات کا سوال کیا ہے اس کی تفسیر و تشریح کروں، چنانچہ میں نے اس کی تفسیر و تشریح کی۔

یہ کتاب نہایت عمدہ اور اس زمانہ کا ایک سرمایہ ہے۔

ان کی تصنیفات میں ہم کو کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ بھی ملی ہے جس میں انہوں نے اپنے ان دونوں استادوں کے بہت سے اختلافی مسائل بیان کیے ہیں۔ وہ خود کبھی امام ابوحنیفہؒ سے اتفاق کرتے ہیں اور کبھی ابن لیلیٰ کی رائے لیتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اس کتاب کو لیا ہے اور ان تینوں اماموں ابوحنیفہؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابویوسفؒ کی رائے کی روایت کرنے کے بعد ان کے متعلق اپنی ترجیحی رائے کو ذکر کرتے ہیں اور بسا اوقات ان کی رائے کی مخالفت میں خود اپنی ذاتی رائے اختیار کرتے ہیں۔

اس کتاب کے یہ چند مسائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس استنباط کا دارومدار رائے پر

Marfat.com

ہے اس کا کیا طریقہ ہے۔

صناع کا تاوان (۱) ایک آدمی نے درزی کو کپڑا دیا اور اس نے اس کی قبا سی دی۔ لیکن کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تجھ کو قمیص کا حکم دیا تھا اور درزی نے کہا کہ تم نے مجھ سے قباء کی فرمائش کی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے کے مالک کا قول لیا جائے گا اور درزی کپڑے کی قیمت دے۔ امام ابو یوسفؒ بھی اسی رائے کو لیتے ہیں لیکن ابن ابی لیلی کے نزدیک درزی کا قول قبول کیا جائے گا۔ اور اگر درزی کے پاس سے کپڑا ضائع ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر اور اسی طرح دھوبی اور رنگریز وغیرہ پر بجز اس صورت کے کہ انہوں نے خود ضائع کیا ہو، کوئی تاوان نہیں ہے۔ لیکن ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ انہوں نے بذات خود ضائع نہ کیا ہو لیکن جو چیز ان کے پاس ضائع ہوئی وہ اس کا تاوان دیں گے۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وہ تاوان دیں گے مگر کسی اتفاقی حادثہ کی صورت میں نہیں۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اجیروں سے تاوان دلواتا ہے وہ اس کو عاریت پر قیاس کرتا ہے جس کا تاوان لیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عاریت کا تاوان اس لیے لیا جاتا ہے کہ عاریت لینے والے کا فائدہ ہوتا ہے۔ اس لیے جب تک وہ اس کو محفوظ طریقہ پر واپس نہ کر دے اس کا تاوان دے گا اور وہ مثل سلف کے ہے۔ قاضی شریحؒ بھی دھوبی سے تاوان لینے کی طرف گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایسے دھوبی سے تاوان دلوایا جس کا گھر جل گیا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ مجھ سے تاوان دلواتے ہیں حالانکہ میرا گھر جل گیا ہے۔ بولے اگر کپڑے والے کا گھر جل جاتا تو کیا تو اس سے اجرت نہ لیتا؟ لیکن جو لوگ ان سے تاوان نہیں دلواتے وہ اس کو ودیعت پر قیاس کرتے ہیں۔ عطا سے یہ روایت ثابت ہے کہ انہوں نے کہا کہ کاریگر اور اجیر پر ضمانت نہیں ہے۔ البتہ اجیروں اور کاریگروں نے جس چیز کو خود ضائع کر دیا ہو اس کے متعلق کوئی سوال نہیں ہے۔ اور جس طرح ایک امانت دار آدمی اس امانت کی ضمانت دیتا ہے جس کو اس نے خود ضائع کر دیا ہو، اسی طرح یہ لوگ بھی ضمانت دیں گے اور ضائع کرنے کا جرم کسی سے معاف نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر انہوں نے زبردستی سے ضائع کیا ہو تو وہ تاوان دیں گے۔ ربیع کہتے ہیں کہ میرے خیال میں امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ کاریگر پر بجز اس صورت کے کہ اس نے خود ضائع کیا ہو، تاوان نہیں ہے لیکن کاریگروں

Marfat.com

کے خوف سے وہ اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

**مشتری کے پاس زمانۂ خیار میں فروخت شدہ چیز کا ضائع ہو جانا**

اگر کسی شخص نے ایک چیز اس شرط پر خریدی کہ بائع کو ایک دن تک واپس لینے کا اختیار ہوگا اور خریدار نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کے پاس ضائع ہو گئی تو امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ خریدار کو قیمت[1] کا تاوان برداشت کرنا پڑے گا، کیونکہ اس نے بیع کی شرط پر اس کو لیا ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ کی بھی رائے ہے۔ لیکن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ وہ اس صورت میں امین ہے۔ لیکن اگر خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہو اور وہ اس کے پاس ضائع ہو جائے تو دونوں کے قول میں جس ثمن[2] پر اس نے خریدا ہے، وہ اس پر بطور تاوان کے پڑے گی۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ اس کی قیمت کو تاوان میں دے گا۔ ہم ثمن کو بطور تاوان کے اس لیے نہیں دلواتے کہ اس میں بیع مکمل نہیں ہوئی ہے اور تاوان سے اس کو بری اس لیے نہیں کرتے کہ اس نے اس کو بیع پر لیا ہے جس کا عوض خریدار سے لے گا، اس لیے ہم فروخت شدہ چیز کا تاوان دلوائیں گے۔ وہ اس کا امین نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آدمی اس چیز کا امین ہوتا ہے جس کا وہ نہ مالک ہو اور نہ اس سے کوئی نفع عاجل و آجل اٹھائے۔ صرف اس کو اصل مالک کے فائدہ کے لیے نہ کہ اپنے فائدے کے لیے اپنے پاس روک رکھے، چاہے واپسی کا اختیار بائع کو ہو یا مشتری کو۔ اس میں دونوں برابر ہیں کیونکہ بیع کے مکمل ہونے سے پہلے وہ چیز تلف ہو گئی۔

**شفعہ**

ایک شخص نے ایک مکان خریدا اور اس میں ایک عمارت تعمیر کی۔ اس کے بعد شفیع نے بذریعہ شفعہ کے اس کا مطالبہ کیا۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ شفیع مکان لے لے گا اور عمارت بنانے والا کھنڈر لے گا۔ امام ابو یوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ابن ابی لیلیٰؒ مکان اور نو تعمیر عمارت دونوں شفیع کو دلواتے ہیں اور اس کو نو تعمیر عمارت کی قیمت اور مکان کا ثمن ادا کرنا ہوگا ورنہ اس کو شفعہ کا حق حاصل نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی مکان کا ایک حصہ خریدا، پھر اس کی تقسیم کی اور نئی عمارت بنائی، اب شفیع نے بذریعہ شفعہ اس کا مطالبہ کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو مکان کا ثمن اور نئی عمارت کی جو قیمت آج ہے

---

[1] قیمت مال کی اصل قیمت کو کہتے ہیں۔ [2] اور ثمن وہ ہے جو بائع اور مشتری میں طے ہو جائے۔

ادا کرو ورنہ شفعہ سے باز آؤ۔ اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ اس نے عمارت زبردستی نہیں بنائی ہے اس لیے اس پر اس کا انہدام فرض نہیں ہے۔

**ہمسایہ کا شفعہ** امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ شفعہ کا حق پہلے اس شریک کو حاصل ہے جس نے تقسیم نہیں کی ہے۔ اس کے بعد اس شریک کو جس نے تقسیم کر لی ہے اور دونوں کا راستہ ایک ہے۔ پھر متصل کے ہمسائے کو حقِ شفعہ حاصل ہے۔ اور جب بہت سے ہمسائے ہوں اور ان سب کا اتصال برابر درجہ کا ہو تو وہ شفعہ میں شریک ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ بھی امام ابوحنیفہؒ ہی کے قول کے قائل تھے لیکن جب امیرالمومنین ابوالعباس نے ان کو تحریری حکم بھیجا کہ شفعہ کا فیصلہ صرف اس شریک کے حق میں کریں جس نے تقسیم نہیں کی ہے، تو انہوں نے اس حکم کو قبول کر لیا اور صرف اس شریک کے حق میں فیصلہ کرنے لگے جس نے تقسیم نہیں کی تھی۔ یہی قول اہلِ حجاز کا ہے اور یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے[۱]۔

پوری کتاب اسی پسندیدہ روش پر لکھی گئی ہے جس سے وہ طریقے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں جن کو ان ائمہ نے استنباط و استدلال میں اختیار کیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے اور ان کے تلامذہ کے مذہب کے متعلق جس شخص کی کتابیں ہمارے لیے محفوظ رہیں وہ امام محمد ابن حسنؒ ہیں جن کو ان مذاہب کی روایت کے ساتھ دوسروں پر امتیاز حاصل ہے۔

ان کی کتابوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن کی ان سے روایت کی گئی اور وہ اس قدر مشہور ہوئیں کہ قلوب پر ان کو اطمینان حاصل ہو گیا اور یہ کتابیں ظاہر الروایۃ کے نام سے مشہور رہیں۔ اور دوسری وہ کتابیں ہیں جنہوں نے یہ درجہ نہیں حاصل کیا اور ہم ان دونوں قسم کی کتابوں پر بحث کرتے ہیں۔

**کتب ظاہر الروایۃ** کتب ظاہر الروایۃ میں پہلی کتاب جامع الصغیر ہے جن میں وہ مسائل جمع کیے گئے ہیں جن کو امام محمدؒ سے ان کے دو شاگردوں یعنی عیسیٰ بن ابان اور محمد بن سماعہ نے روایت کیا ہے۔ یہ مسائل کتب فقہ کی چالیس کتابوں میں ہیں جن میں پہلی کتاب الصلوٰۃ ہے۔ لیکن اس کی ہر کتاب میں

---

[۱] مصنف نے کئی صفحوں میں اسی قسم کے مسائل لکھے ہیں۔ لیکن ہم نے طوالت اور غیر دلچسپی کے خیال سے ان کو قلم انداز کر دیا ہے۔

Marfat.com

ابواب نہیں قائم کیے گئے تھے اس لیے قاضی ابوطاہر محمد بن محمد الدباس نے اس کی تبویب و ترتیب کی تاکہ طلبہ پر اس کا یاد کرنا اور پڑھنا آسان ہو جائے۔ امام محمد اس کتاب کے مسائل کی روایت امام ابو یوسفؒ سے اور امام ابوحنیفہؒ سے کرتے ہیں اور اس کتاب میں استدلال موجود نہیں ہے۔

دوسری کتاب جامع الکبیر ہے جو جامع صغیر ہی کے مثل ہے البتہ وہ اس سے بڑی ہے۔

تیسری کتاب مبسوط ہے جو اصل کے نام سے مشہور ہے۔ امام محمدؒ کی تصنیفات میں یہ سب سے بڑی کتاب ہے جس میں انہوں نے اس قسم کے ہزاروں مسائل جمع کیے ہیں جن کے جوابات امام ابوحنیفہؒ نے مستنبط کیے ہیں۔ ان میں بعض وہ مسائل بھی ہیں جن میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ اس کتاب میں ان کی عادت یہ ہے کہ اس کو وہ ان آثار سے شروع کرتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہوتے ہیں پھر اس کے مسائل بیان کرتے ہیں اور اکثر ان مسائل پر خاتمہ کرتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ نے اس باب کے مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ ان کے ایک شاگرد احمد بن حفص نے ان سے اس کتاب کی روایت کی ہے۔ کتاب احکام کی علت سے خالی ہے۔

چوتھی کتاب سیر الصغیر ہے جس میں کتاب الجہاد کے مسائل ہیں۔

پانچویں کتاب سیر الکبیر ہے اور فقہ میں ان کی آخری تصنیف ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں کے راوی ابوحفص احمد بن حفص نے ان سے اس کی روایت نہیں کی ہے کیونکہ ابوحفص کے عراق سے واپس آنے کے بعد انہوں نے اس کو تصنیف کیا ہے۔ اس لیے اس کے کسی مسئلہ میں انہوں نے امام ابو یوسفؒ کا نام نہیں لیا ہے، کیونکہ اس وقت تک ان دونوں کے درمیان سخت عداوت قائم ہو گئی تھی جس کے بعد انہوں نے اس کتاب کو لکھا ہے۔ جب وہ امام ابو یوسفؒ سے کسی حدیث کی روایت کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ثقہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی" اور جہاں کہیں یہ لفظ بولتے ہیں اس سے امام ابو یوسفؒ کی ذات مراد لیتے ہیں۔

امام محمدؒ سے ابو سلیمان جوزجانی اور اسمٰعیل بن توابہؒ نے اس کتاب کی روایت کی ہے۔

چوتھی صدی کے آغاز میں ابوالفضل محمد بن احمد المروزی المعروف بالحاکم الشہید نے کافی

Marfat.com

کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں امام محمدؒ کی مبسوط کتابوں کے مطالب بیان کیے ہیں اور ان کے مکرر مسائل کو حذف کر دیا ہے۔ یہ ایک عمدہ قلمی کتاب ہے جو مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

امام محمد بن حسنؒ کی کتابوں میں ہم کو ایک کتاب ملی ہے جس میں انہوں نے اہل مدینہ پر رد کیا ہے اور امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اس کی روایت کی ہے اور اس کے ہر مسئلہ پر یا تو اہل مدینہ کی تائید کے لیے یا امام ابوحنیفہؒ کی موافقت کے لیے اعتراضات کیے ہیں۔

اس کتاب میں صرف وہ مسائل مذکور ہیں جن میں امام ابوحنیفہؒ نے اہل مدینہ سے اختلاف کیا ہے اور ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے۔

## باب اس شخص کا جو ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے لیے اس غرض سے پکڑ رکھتا ہے کہ وہ اس کو قتل کر دے۔

اس شخص کے بارے میں جو ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے لیے پکڑ رکھتا ہے اور ہتھیار کے ضرب سے اس کو اسی جگہ مار ڈالتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ پکڑ رکھنے والے پر قصاص نہیں ہے، قصاص صرف قاتل پر ہے۔ البتہ پکڑ لینے والے کو سزا دی جائے گی اور وہ قید خانہ میں بھیج دیا جائے گا۔ لیکن اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس کو پکڑ لیا اور اس کا خیال ہے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے بدلے میں دونوں قتل کیے جائیں گے۔ لیکن امام محمد بن حسنؒ کہتے ہیں کہ پکڑ لینے والا کیونکر قتل کیا جا سکتا ہے حالانکہ اس نے قتل نہیں کیا ہے۔ اگر اس نے اس شخص کو پکڑ لیا اور اس کا خیال ہے کہ وہ اس کو قتل کرنا نہیں چاہتا، تو کیا تم لوگ پکڑ لینے والے کو قتل کر دو گے؟ اگر وہ لوگ کہیں کہ "نہیں" ہم اس کو صرف اس وقت قتل کریں گے جب وہ یہ گمان کرے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ ہمارے خیال میں تمہارے نزدیک پکڑ لینے والے پر قصاص اس کے گمان کی بنا پر واجب ہے اور گمان غلط بھی ہوتا ہے اور صحیح بھی۔ کیا تمہارے خیال میں ایک شخص نے ایک شخص کا پتہ دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا اور جس نے پتہ دیا ہے اس کا خیال ہے کہ اگر وہ اس پر قدرت پائے گا تو اس کو قتل کر دے گا۔ تو کیا تم جس طرح پکڑنے والے کو قتل کرتے ہو، پتہ دینے والے کو بھی قتل کرو گے؟ کیا تمہارے خیال میں اگر ایک آدمی

Marfat.com

نے ایک شخص کو ایک آدمی کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو کیا قاتل اور حکم دینے والا دونوں قتل کیے جائیں گے؟ کیا تمہارے خیال میں اگر ایک آدمی نے ایک عورت کو ایک شخص کے لیے روک رکھا یہاں تک کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا تو کیا ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی؟ یا صرف اس شخص پر حد جاری ہوگی جس نے زنا کیا ہے؟ اور اگر وہ دونوں محصن ہوں تو کیا دونوں سنگسار کیے جائیں گے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ پکڑ لینے والا قتل کیا جائے گا اس کو چاہیے کہ یہ کہے کہ ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی۔ کیا تمہارے خیال میں اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کو شراب پلائی تو کیا دونوں پر حدِ خمر جاری ہوگی یا صرف پینے والے پر؟ کیا تمہارے خیال میں اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ایک شخص پر تہمت لگائے، اور اس نے اس پر تہمت لگا دی تو کیا دونوں پر حد جاری ہوگی یا صرف تہمت لگانے والے پر؟ تمہارے قول کے مطابق چاہیے کہ دونوں پر حد جاری ہو۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک شخص کو قصداً قتل کر دیا اور دوسرے نے اس کو روک رکھا، فرمایا قاتل قتل کیا جائے گا اور دوسرا قید رکھا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ خدا نے لوگوں کو نفسِ فعل پر سزا دی ہے اور اسی کے لیے قصاص مقرر کیا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى۔ (البقرہ: ۲۲)

مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا۔ (بنی اسرائیل: ۳۳)

اور جو شخص مظلوم کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو (قاتل پر) اقتدار عطا فرمایا۔

اور جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں ان کے نزدیک یہ عام طور پر معلوم تھا کہ مقتول کے ولی کا اقتدار نفسِ قاتل پر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس شخص نے قتل کے ذریعہ سے کسی مسلمان کا خون گرایا، اس کا قصاص خود اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور خدا تعالیٰ

فرماتا ہے :

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور : ۲)

زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

اور فرمایا :

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً۔ (نور : ۱)

جو لوگ پاک باز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں پیش کرتے ان کو اسی کوڑے مارو۔

لیکن مجھے کوئی ایسا پیشوا نہیں ملتا جس نے کسی کو ایسے فعل پر یا ایسے قول پر حد ماری ہو جس کو زنا اس نے کیا ہے ، نہ کہا ہے ۔ اس لیے اگر کسی نے کسی کو کسی شخص کے لیے پکڑا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں قاتل قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو سزا دی جائے گی ۔ خدا کے فیصلے میں یہ جائز نہیں کہ جب میں نے قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کر دیا تو پکڑنے والے کو پکڑنے کے بدلے میں قتل کردوں ، حالانکہ پکڑنا اور قتل کرنا دو مختلف چیزیں ہیں اور جس شخص نے اس کو قتل کیا اس نے خداوند تعالیٰ کے حکم کو بدل دیا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے جب یہ فرما دیا کہ :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى۔ (البقرہ : ۱۷۸)

مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص فرض ہے ۔

تو قصاص یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ اسی کے مثل کام کیا جائے جو اس نے کیا ہے ۔ کیا یہاں قتل واقع ہے جس کے بدلے میں قتل کیا جائے ؟ یہاں صرف پکڑ رکھنا ہے اور پکڑ رکھنا ایک گناہ ہے جس میں قصاص نہیں ہے ۔ اس لیے اس میں سزا دی جائے گی ، خواہ اس نے اس لیے روک رکھا کہ وہ اس کو قتل کردے یا قتل نہ کرے ۔ اور پکڑ رکھنا قتل کے قائم مقام ہوتا جب کہ پکڑ لینے والا یہ نیت کرتا کہ محبوس قتل کر دیا جائے گا ۔ تو ایسی حالت میں یہ چاہیئے کہ گو وہ قتل نہ کیا جائے لیکن پکڑ لینے والا قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے نیت کے ساتھ ایک ایسا کام کیا جس کو وہ قتل کے قائم مقام

سمجھتا تھا۔ لیکن یہ امام مالک بن انسؒ اور امام محمد بن حسنؒ کے قول کے خلاف ہے اور امام محمد بن حسنؒ امام مالکؒ پر جو اعتراضات کرتے ہیں، وہ سب بلکہ ان سے زیادہ ان پر وارد ہوتے ہیں۔ لیکن امام محمد بھی دوسرے مواقع پر غفلت سے نہیں بچتے اس لیے ان پر بھی وہی اعتراضات ہوتے ہیں جو انہوں نے امام مالکؒ پر کیے ہیں اور وہ تمام دلائل جو انہوں نے امام مالکؒ کے خلاف قائم کیے ہیں ان کے خلاف قائم ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس کی مثال کیا ہے تو کہا جائے گا کہ امام محمدؒ کا قول ہے کہ اگر ایک جماعت نے ڈاکہ مارا اور قتل کیا اور ان کی مددگار ایک ایسی جماعت ہے جو آواز تو سنتی ہے لیکن جن لوگوں نے قتل کیا ہے ان کو نہیں دیکھتی تو قاتلوں کو تو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور مددگاروں کو اس لیے قتل کیا جائے گا کہ ان لوگوں نے ان کی قوت سے قتل کیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے پوچھا کہ آپ کو اس کے بارے میں کوئی روایت بھی ملی ہے۔ انہوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی تو میں نے ان سے کہا کہ کیا ایک ضعیف آدمی نے ایک طاقتور آدمی کو قتل کرنا چاہا اور دوسرے طاقتور آدمی سے کہا کہ اگر میں ضعیف نہ ہوتا تو فلاں کو قتل کر دیتا۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے لیے اس کی مشکیں باندھ دوں گا۔ چنانچہ اس نے اس کی مشکیں کسیں، اس کے سینے پر بیٹھا اور اس کا گلہ ابھارا تاکہ اس کا حلق نمایاں ہو جائے، پھر ضعیف کو چھری دے دی اور اس نے اس کو ذبح کر دیا تو کیا تم صرف ذبح کرنے والے کو قتل کرو گے، کیونکہ وہی قاتل ہے اور اس شخص کی مدد کی طرف جو قتل کا سبب تھا، ملتفت نہ ہو گے کیونکہ سبب فعل سے مختلف ہے، اور خدا صرف فعل پر مواخذہ کرتا ہے۔ کیا اس شخص نے اس کے قتل پر زیادہ مدد کی ہے یا ان مددگاروں نے ان لوگوں کے قتل پر جو راستے سے گذر رہے تھے۔ پھر ان مددگاروں کے متعلق تم کہتے ہو کہ اگر ایسی جگہ ہوں جہاں سے آواز نہ سن سکتے ہوں اور گو اس جماعت کو دیکھتے ہوں اور ان کو قوت پہنچاتے ہوں، تاہم ان کو صرف سزا دی جائے گی، پھر جہاں سے آواز سنتے ہوں ان پر کیوں حد جاری ہو گی؟ امام محمدؒ نے جواب دیا کہ امام مالکؒ بھی مجھ سے متفق ہیں اور اسی طرح وہ بھی کہتے ہیں کہ مددگار قتل کیے جائیں گے۔ میں نے کہا تو کیا ان سے تمہارے لیے غیر پر حجت قائم ہو جائے گی؟

Marfat.com

اگر تمہارا قول حجت نہیں ہے تو کیا ہمارے استاد امام مالکؒ کا اسی قسم کا قول، جس پر تم اعتراضات کرتے ہو، حجت ہو گا؟ انہوں نے کہا تو کیا تمہارا یہ قول نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں اور میں کسی عقلمند آدمی کو نہیں پاتا جس کا یہ قول ہو اور جو شخص اس کا قائل ہوا وہ کتاب اور قیاس معقول کے حکم سے نکل گیا۔

اور تم نے جس چیز سے استدلال کیا ہے اس کا اکثر حصہ اس کے لیے لازم ہو گا تو اگر تم نے کسی چیز میں استدلال کیا یا ان پر نکتہ چینی کی اور خود اس سے بچ گئے تو یہ ہو سکتا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قاتل قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو حبسِ دوام کی سزا دی جائے گی۔ لیکن امام محمد حبسِ دوام کی سزا نہیں دیتے، اس لیے انہوں نے جس چیز سے استدلال کیا ہے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

پوری کتاب اسی طریقہ پر فریقین کی قوتِ استدلال کا نمونہ ہے اور قانون کے طلبہ کے پڑھنے کے قابل ہے۔

امام محمدؒ کی ایک کتاب "کتاب الآثار" ہے جس کا ذکر ابنِ ندیم نے نہیں کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کا قلمی نسخہ مصر کے کتب خانے میں دیکھا ہے۔ انہوں نے اس میں وہ آثار جمع کیے ہیں جن میں احناف استدلال کرتے ہیں۔ ان کی اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو نوادر کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہ وہ کتابیں ہیں جو ان سے قابلِ اطمینان طریقہ سے مروی نہیں ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) امالی محمد فی الفقہ، اور وہ کیسانیات کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) کتاب الزیادات۔

(۳) کتاب زیادۃ الزیادات۔

(۴) کتاب النوادر ابنِ رستم کی روایت ہے۔

امام محمدؒ ان اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے مؤطا امام مالکؒ کی روایت امام مالکؒ سے کی ہے۔ وہ اس کی حدیثوں کے بعد موافق یا مخالف امام ابو حنیفہؒ کے معمولات کو بتلاتے ہیں اور اس سبب کو بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔

امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں ایک مصنف حسن بن زیاد لولویؒ ہیں جنہوں نے کتاب المجرد لابی حنیفہ روایۃ، کتاب ادب القاضی، کتاب الخصال، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض اور کتاب الوصایا تصنیف کی ہے۔ لیکن حسن بن زیادؒ کی روایتوں کا درجہ اعتبار امام محمد بن حسنؒ کی روایتوں کے بعد ہے کیونکہ امام محمدؒ پر پورا اعتبار کیا جاتا ہے۔

ائمہ حنفیہ میں ایک مصنف عیسیٰ بن ابانؒ شاگرد امام محمد بن حسنؒ ہیں جنہوں نے کتاب الحج، کتاب خبر الواحد، کتاب الجامع، کتاب اثبات القیاس اور کتاب اجتہاد الرائے لکھی ہے۔

انہی میں ہلال بن یحیٰی المعروف بہلال الرائے اور ابو عبداللہ محمد بن سماعہؒ ہیں۔ اور محمد بن سماعہؒ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے امام محمد بن حسنؒ سے ان کی کتابوں کی روایت کی ہے۔

انہی میں ایک بزرگ احمد بن عمر بن مہیر المشہور بالخصافؒ ہیں، جنہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ اور ان کی سب سے بہترین کتاب وہ ہے جو انہوں نے اوقات کے متعلق لکھی ہے۔ اور وہ مشہور و متداول ہے۔

اس دور کا خاتمہ ایک عظیم الشان امام اور عظیم الشان مصنف امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمۃ الازدی الطحاوی المصری پر ہوا جنہوں نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کیں:-

(۱) کتاب اختلاف الفقہاء۔ یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے جس کو وہ مکمل نہ کر سکے۔

(۲) کتاب شرح مشکل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تقریباً ہزار ورق میں ہے۔

(۳) کتاب شرح معانی الآثار، ہم کو اس کتاب سے واقفیت حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو علم سے لبریز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اس کو خوب یاد ہیں۔ اور اسی کے ساتھ فقہاء نے جو مذاہب اختیار کیے ہیں ان کے متعلق ان کے اقوال و مستندات سے اس کو پوری واقفیت حاصل ہے۔

ان کی اور کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر ابن ندیم نے فہرست میں کیا ہے۔

اس دور میں بھی کتابیں تصنیف کی گئیں لیکن ان میں سب سے مقدم امام محمدؒ کی کتابیں ہیں

Marfat.com

اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے مذہب کی بنیاد انہی کتابوں پر قائم ہے۔ آئندہ دور میں علمائے حنفیہ نے انہی کی شرح و توضیح کی ہے اور انہی پر اعتماد کیا ہے اور انہی سے فیضیاب ہوئے ہیں۔

**امام مالک بن انسؒ امام مدینہ کے مذہب کے متعلق کتابیں۔**

امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا لکھی اور ان کے بہت سے تلامذہ نے ان سے اس کی روایت کی۔ لیکن ان کی روایتوں میں اختلاف ہے، کسی میں کمی ہے اور کسی میں زیادتی ہے۔ البتہ مؤطا کی مشہور ترین روایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثیؒ کی روایت ہے اور ہم اسی نسخہ کو پڑھتے ہیں۔ مصر میں یہی چھاپا گیا ہے۔ ایک اور مؤطا ہے جس کی روایت امام محمد بن حسنؒ نے کی ہے اور وہ ہندوستان میں طبع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں امام مالکؒ کی عادت یہ ہے کہ موضوع کے مقدمہ میں ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں جو اس کے متعلق ہوتی ہیں، پھر اس کے متعلق ان صحابہؓ یا تابعینؒ کے آثار لاتے ہیں جن میں بہت کم مدینہ کے علاوہ اور کہیں کے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی اہلِ مدینہ کے عمل یا ان کے امرِ متفق علیہ کو بھی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی طرزِ تحریر کا نمونہ یہ ہے:۔

**مریض کا طلاق**

امام مالکؒ، ابنِ شہابؒ سے وہ طلحہ بن عبداللہ بن عوفؒ سے روایت کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے بھی روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب کہ وہ مریض تھے اپنی بیوی کو طلاق بتّہ دی تو اس کی انقضاء سے عدت کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کو ان کی وراثت دلوائی۔

امام مالکؒ عبداللہ بن الفضلؒ سے اور وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ ابنِ کمل نے اپنی بیوی کو حالتِ مرض میں طلاق دی تھی لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ نے انہیں ان کی وراثت دلوائی۔

امام مالکؒ نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؒ سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ان کو معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی نے ان سے طلاق کی درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ جب تمہیں حیض آئے اور تم اس کے بعد پاک ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دو، لیکن اس کو اس وقت حیض آیا جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیمار ہوئے اور جب وہ پاک ہوئی تو ان کو اطلاع دی۔ چنانچہ انہوں نے اس کو طلاق بتّہ

Marfat.com

یا ایک طلاق دی جس کے سوا اس پر کوئی طلاق باقی نہ رہ گئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس وقت بیمار تھے لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کی عدّت کے گذرنے کے بعد اس کو وراثت دلوائی۔

امام مالکؒ یحییٰ بن سعیدؒ سے اور وہ محمد بن یحییٰ بن حبانؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میرے داداجان کے پاس دو عورتیں تھیں، ایک ہاشمیہ اور ایک انصاریہ۔ چنانچہ انہوں نے انصاریہ کو جو دودھ پلا رہی تھی، طلاق دی اور اس پر ایک سال گذر گیا۔ اس کے بعد وہ مر گئے اور اس کو حیض نہ آیا، اس لیے اس نے کہا کہ میں ان کی وراثت پاؤں گی مجھے حیض نہیں آیا ہے۔ چنانچہ ان دونوں عورتوں نے حضرت عثمانؓ سے اس کی مخاصمت کی اور انہوں نے اس کے حق میں میراث کا فیصلہ کیا۔ اس پر ہاشمیہ نے حضرت عثمانؓ کو ملامت کی اور کہا کہ یہ تمہارے چچازاد بھائی کا کام ہے اور اس نے اس سے ہماری طرف اشارہ کیا، یعنی حضرت علی ابن ابی طالبؓ۔

امام مالکؒ نے ابنِ شہاب کو کہتے ہوئے سُنا کہ اگر حالتِ مرض میں کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تو وہ اس کی وارث ہوگی۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر حالتِ مرض میں قبل مجامعت کے طلاق دی تو اس کو نصف مہر ملے گا، وراثت ملے گی اور اس کو عدّت میں بیٹھنا نہ پڑے گا۔ اور اگر مجامعت کے بعد طلاق دی تو اس کو پورا مہر اور پوری وراثت ملے گی اور اس معاملہ میں ہمارے نزدیک باکرہ اور ثیّبہ دونوں برابر ہیں۔

مُوطا ان احادیث کا مجموعہ ہے جو امام مالکؒ کے نزدیک صحیح ثابت ہوتی ہیں اور ان کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔

لیکن انہوں نے جن مسائل کے جوابات دیئے ہیں ان کو ان سے ان کے تلامذہ نے مدوّن کیا ہے اور سب سے پہلے اس کو اسد بن فراتؒ نے لکھا۔ لیکن جو سوالات انہوں نے امام محمد بن حسنؒ فقیہِ عراق سے اخذ کیے ان کو، جیسا کہ شیخ علیش نے متنِ خلیل کی شرح میں بیان کیا ہے، نہیں لکھا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن القاسمؒ نے ان سے یہ سوالات کیے تو انہوں

Marfat.com

نے امام مالکؒ کی رائے پر ان کو جواب دیا۔ پھر اس تحریر کو قیروان میں لائے تو ان سے ان کو سحنونؒ نے لکھا اور اس تحریر کا نام اسدیہ تھا۔ پھر ۱۸۸ھ میں سحنونؒ اس کو ابن قاسمؒ کے پاس لائے، ان کے سامنے پیش کیا اور اس میں چند مسائل کی اصلاح کی اور ۱۹۱ھ میں لے کر قیروان واپس آئے۔ اس کو تالیف کی شکل میں اسد بن الفرات نے پہلے اس طرح جمع کیا تھا اور تصانیف کی ترتیب پر اس کے ابواب اس طرح قائم کیے تھے کہ مسائل غیر مرتب تھے اور تراجم نہیں قائم کیے گئے تھے۔ اس لیے سحنونؒ نے اس کے اکثر حصّے کو مرتب کیا اور اس کے بعض مسائل پر ان آثار سے استدلال کیا ہے جن کی انہوں نے مؤطا ابن وہب وغیرہ سے روایت کی تھی۔ لیکن اس کے کچھ حصّے ایسے باقی رہ گئے کہ سحنونؒ اس میں اس کام کو نہ کر سکے (قاضی عیاض) ان کی تالیف کا نمونہ یہ ہے:-

اہل اصلاح اور اہل بدع کے پیچھے نماز۔

(کہا) اور کہا امام مالکؒ نے کہ لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ عالم ہو، بشرطیکہ اس کی حالت بہتر ہو۔ انہوں نے کہا کہ سن کا بھی حق ہے تو میں نے ان سے کہا کہ وہ شخص جو ان میں سب سے زیادہ قاری ہو؟ بولے "کبھی وہ شخص ایسا قاری ہوتا ہے کہ جو نہیں" (نہیں سے ان کی یہ مراد ہے کہ اس کی حالت بہتر نہیں ہوتی) اور امام مالکؒ نے فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ سواری پر آگے بیٹھنے کا سب سے زیادہ مستحق سواری کا مالک ہے اور امامت کا سب سے زیادہ مستحق صاحب خانہ ہے، جب کہ لوگ اس کے مکان میں نماز پڑھیں۔ البتہ جب وہ اس کے متعلق اس کی اجازت حاصل کرلیں تو دوسرا شخص بھی نماز پڑھا سکتا ہے۔ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ وہ اسی کو پسند کرتے ہیں۔ میں نے ابن قاسم سے کہا کہ اگر ایک اچھا قرآن پڑھنے والے نے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی جو قرآن اچھا نہیں پڑھتا تو اس کے بارے میں امام مالکؒ کا قول کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ جب امام نے ایک جماعت کو نماز پڑھائی اور قرأت چھوڑ دی تو امام اور مقتدی دونوں کی نمازیں باطل ہوگئیں اور گو وقت چلا گیا ہو وہ لوگ نماز کا اعادہ کریں گے۔ انہوں نے کہا تو جو شخص قرآن اچھا نہیں پڑھتا اس کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہے، کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ ایسے شخص کی اقتداء کرے جو قرآن اچھا

Marfat.com

نہیں پڑھتا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ امام قدری کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہیں یقین ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ میں نے کہا کہ جمعہ بھی نہیں۔ بولے اگر تمہیں یقین ہو تو جمعہ بھی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اگر تم اس سے ڈرتے ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھو اور ظہر کی صورت میں اس کا اعادہ کرو۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اہلِ اہواء بھی اہلِ قدر کے مثل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ جب ان سے اس شخص کے نماز دہرانے کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اہلِ بدعت کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ توقف کیا کرتے تھے اور اس کا جواب نہیں دیتے تھے۔ ابنِ قاسم کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس بارے میں اسی وقت نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے انہوں نے کہا کہ مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جو ابنِ مسعودؓ کی قرأت کے ساتھ قرأت کرتا ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ نکل جائے، اس کو چھوڑ دے اور اس کی اقتدا نہ کرے۔ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اہلِ بدعت کے ساتھ شادی بیاہ نہ کیا جائے، ان کو سلام نہ کیا جائے، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، ان کے جنازے کی شرکت نہ کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھی جو ابنِ مسعودؓ کی قرأت کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے، میں نے کہا تو امام مالکؒ کے قول کے مطابق جب اس نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تو کیا اس کا اعادہ اس پر فرض ہے؟ ابن القاسمؒ نے کہا جب انہوں نے ہمارے لیے یہ کہا کہ وہ نکل جائے تو میری رائے میں وہ وقت میں بھی اور اس کے بعد بھی اس کا اعادہ کرے۔

مدوّنہ کے مسائل کی تعداد چھتیس ہزار تک پہنچتی ہے اور مقلدینِ امام مالکؒ کے نزدیک یہی مدوّنہ اساسِ علم ہے۔ مقلدینِ مالکؒ میں جن لوگوں نے کتابیں لکھیں ان میں ایک عبداللہ بن عبدالحکم المصری ہیں جنہوں نے مختصر الکبیر تالیف کی اور اس کے ذریعہ سے اشہبؒ کی کتابوں کا اختصار کیا اور مختصر الاوسط اور مختصر الصغیر لکھی جس میں صغیر کو تو مؤطا تک محدود رکھا لیکن اوسط کی دو قسمیں ہیں جس کی روایت قراطیسی نے کی ہے اس میں آثار اضافہ ہے، برخلاف اس کے جس کی

روایت ان کے بیٹے محمد اور سعید بن حسان نے کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مختصر کبیر کے مسائل کی تعداد اٹھارہ ہزار، اوسط کی چار ہزار اور صغیر کی بارہ ہزار ہے۔

ایک اصبغ بن الفرج ہیں جنہوں نے کتاب الاصول اور ابن القاسم سے اپنے سماع کی بائیس کتابیں تصنیف کیں۔

اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے کتاب احکام القرآن، کتاب الوثائق والشروط، کتاب آداب القضاۃ اور کتاب الدعوی والبینات تالیف کی۔

اور محمد بن احمد العینی القرطبیؒ نے مستخرجہ تالیف کی جس میں زیادہ تر روایات مردودہ اور مسائل شاذہ ہیں۔ ان کے پاس مسائل غریبہ آتے تھے اور جب وہ ان کو پسند آتے تھے تو کہتے تھے کہ ان کو مستخرجہ میں داخل کرلو۔ ابن وضاح کہتے ہیں کہ مستخرجہ میں غلطیاں بہت ہیں اور محمد بن عبدالحکم کا قول ہے کہ میں نے اس کے اکثر حصے کو جھوٹ پایا، اور ایسے مسائل پائے جن کی کوئی اصل نہیں۔ ابو محمد بن حزم الظاہری نے مستخرجہ کا ذکر کیا تو کہا کہ افریقہ میں اہلِ علم کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور اس کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہے۔ یحیٰی بن عمر الکنانی نے ایک کتاب میں اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام منتخبہ رکھا ہے۔

اور محمد بن سحنون نے اپنی مشہور کتاب جامع لکھی ہے۔ اس میں علم و فقہ کی تمام شاخیں جمع کیں۔ اس میں جو کتابیں ہیں ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے۔

اور محمد بن ابراہیم عبدوسؒ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "المجموعہ علیٰ مذہب مالک واصحابہ" رکھا۔ لیکن اس کے پورے کرنے سے پہلے وہ انتقال کر گئے۔

اس دور میں مالکیہ کے سب سے بڑے مصنف دو ہیں۔ ایک مشرق میں، ان کا نام قاضی اسمٰعیل بن اسحاق ہے جنہوں نے فقہ میں اپنی کتاب مبسوط تالیف کی اور ایک کتاب امام محمد بن حسنؒ، امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے رد میں لکھی۔

دوسرے بزرگ مصر میں جن کا نام محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری المعروف بابن المواز

ہے۔ مالکیوں نے فقہ میں جو کتابیں تالیف کی ہیں ان سب میں ان کی کتاب سب سے بڑی، سب سے زیادہ صحیح المسائل اور سب سے زیادہ مبسوط ہے اور قابسی نے اس کو تمام امہاتِ کتب پر مقدم کیا ہے۔

**امام شافعیؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں**

صرف امام شافعیؒ ہی ایک ایسے امام ہیں جن کی نسبت یہ معلوم ہے کہ انہوں نے بذاتِ خود کتابیں تصنیف کیں جو ان کے مذہب کے پیروؤں کے لیے سنگِ بنیاد ہو گئیں۔ انہی نے عراق و مصر میں اپنے شاگردوں کو املا کرایا۔ ان کی عراق کی کتابیں ان کا مذہب قدیم اور مصر کی کتابیں ان کا اصلاح شدہ مذہب جدید ہیں۔ چنانچہ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) رسالہ فی ادلۃ الاحکام۔ یہ ان کا ایک اصولی رسالہ ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

(۲) کتاب الام۔ یہ وہ یکتا کتاب ہے جس کے مثل ان کے زمانے میں کوئی کتاب اس اسلوبِ بدیع، دقتِ تعبیر اور قوتِ مناظرہ میں تصنیف نہیں کی گئی۔ امام محمدؒ کی کتابوں کی طرح وہ اس کتاب میں صرف مسائل کی تفصیل نہیں کرتے بلکہ مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل بھی بیان کرتے ہیں۔ اکثر اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے خلاف دلیل قائم کرتے ہیں۔ اس کا نام کتاب قدیم بھی تھا۔ ان کی تحریر کا نمونہ یہ ہے:-

**نماز کے متعلق کلام**

انہوں نے اس کی ابتدا میں تین حدیثیں مع ان کی سند کے روایت کی ہیں۔ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ملک حبش میں آنے سے پہلے ایسی حالت میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے تھے، ہم لوگ آپؐ کو سلام کرتے تھے اور آپؐ اسی حالت میں ہم کو سلام کا جواب دیتے تھے۔ لیکن جب ہم لوگ ملکِ حبش سے پلٹے تو میں آپؐ کی خدمت میں سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ آپؐ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا اور سلام کیا لیکن آپؐ نے جواب نہیں دیا۔ اس لیے میرے دل میں دور و نزدیک کے بہت سے خیال پیدا ہو گئے اور میں بیٹھ گیا۔ جب آپؐ نماز پڑھ چکے تو میں آپؐ کے پاس

Marfat.com

آیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا جو تغیّر چاہتا ہے کرتا ہے اور اب اس نے یہ تغیر کیا ہے کہ نماز میں بات چیت نہ کرو۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم صرف دو رکعت نماز پڑھ کے پلٹے تو آپؐ سے ذوالیدینؓ نے کہا کہ آیا نماز کم کردی گئی یا آپؐ بھول گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا "ہاں"۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہوئے بقیہ دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد سلام کیا، پھر تکبیر کہی، پھر پہلے سجدہ کے مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اُٹھایا، پھر تکبیر کہی، پھر پہلے سجدہ کے مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سَر اُٹھایا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت میں مذکور ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔

(۳) حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عصر کی تین رکعتوں کے بعد سلام کیا۔ پھر اُٹھے اور حجرہ میں داخل ہوگئے۔ اب خرباقؓ جن کے ہاتھ چوڑے تھے اُٹھے اور پکارے کہ "یا رسول اللہ کیا نماز کم کردی گئی؟" آپ اپنی چادر گھسٹتے ہوئے غصہ میں نکلے اور لوگوں سے پوچھا تو لوگوں نے واقعہ کی خبر کی۔ تب آپؐ نے جو رکعت چھوڑ دی تھی اس کو پڑھا، پھر سلام کیا، پھر دو سجدے کیے، پھر سلام کیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان تمام حدیثوں کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص کو یہ یاد ہو کہ وہ نماز میں ہے، اس پر فرض ہے کہ اس میں بات چیت نہ کرے۔ اور اگر ایسا کیا تو اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ اس کو نئے سرے سے دوسری نماز حضرت ابنِ مسعودؓ کی حدیث کی بناء پر پڑھنی چاہیئے۔ میں نے جن اہلِ علم سے ملاقات کی ان میں کسی کو اس کا مخالف نہیں پایا۔ لیکن جس شخص نے نماز میں بات چیت کی اور اس کا یہ خیال تھا کہ اس نے نماز پوری کرلی، یا یہ کہ وہ یہ بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے اور اس میں بات چیت کرلی، تو وہ اسی نماز پر ذوالیدینؓ کی حدیث کے رُو سے قائم رہے، وہ سجدۂ سہو کرے۔ کیونکہ جس شخص نے اس حالت میں بات چیت کی اس کا خیال تھا کہ وہ نماز کے علاوہ دوسری حالت میں ہے اور نماز کے علاوہ دوسری حالت میں بات چیت کرنا مباح ہے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ کی

Marfat.com

حدیث حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث کے مخالف نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث بات چیت کرنے کے متعلق اجمالی ہے اور حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے بالقصد بات چیت کرنے والے، اور اس شخص کی بات چیت میں جو یہ بھول گیا کہ وہ حالتِ نماز میں ہے یا اس شخص کی بات چیت میں جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے نماز پوری کرلی، جو فرق تھا اس کو بیان کر دیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے نماز میں کلام کرنے کے متعلق ہماری مخالفت کی ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے خلاف اس قدر دلائل جمع کیے ہیں کہ اس کے سوا بجز مسئلہ یمین مع الشاہد اور دو مسئلوں کے اور کسی مسئلہ میں اس قدر دلائل جمع نہیں کیے۔ چنانچہ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "ذوالیدینؓ کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور آپ سے کوئی حدیث اس سے اور حدیث العجماء جبار سے زیادہ مشہور وارد نہیں ہوئی ہے، اور یہ حدیث حدیث العجماء جبار سے زیادہ ثابت ہے، لیکن حدیث ذوالیدینؓ کی منسوخ ہے۔ میں نے ان سے کہا تو کس چیز نے اس کو منسوخ کیا؟ بولے ابن مسعودؓ کی حدیث نے۔" تو میں نے کہا کہ "جب دو حدیثیں مختلف ہوتی ہیں تو ان میں آخری حدیث کو ناسخ مانا جاتا ہے۔" انہوں نے کہا کہ "ہاں" تو میں نے کہا کہ کیا تم کو ابنِ مسعودؓ کی اس حدیث میں یہ یاد نہیں ہے کہ ابنِ مسعودؓ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا ہے کہ میں نے آپؐ کو صحنِ کعبہ میں پایا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ نے پہلے ملکِ حبش کو ہجرت کی، پھر مکہ کو لوٹے، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی، پھر غزوۂ بدر میں شریک ہوئے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ تو میں نے کہا کہ جب حضرت ابن مسعودؓ آپؐ کے پاس قبل ہجرت کے آئے، پھر حضرت عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے پیچھے ایک شہتیر کے پاس آئے تو کیا تم کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد نماز پڑھی؟ انہوں نے کہا ہاں تو میں نے کہا کہ حضرت عمران بن حصین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حضرت ذوالیدینؓ کی حدیث کی ناسخ نہیں ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت ابوہریرہ کی صحبت کا زمانہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت عمران کی حدیث سے جس کے متعلق تم کو کوئی اشکال نہیں ہے۔ ہم نے ابتدا کی ہے اور وہ کافی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ خیبر میں آپؐ کی صحبت سے مشرف ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں تین یا چار سال تک (ربیع کو شک ہے) آپ کا فیضِ صحبت اٹھایا۔ اور آپ نے مدینہ میں، اس قیام کے علاوہ جو حضرت ابنِ مسعودؓ کے آنے کے بعد کا مکہ میں رہا۔ کئی سال تک قیام کیا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بھی آپ کی صحبت میں رہے تو کیا یہ جائز ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اپنے بعد کی حدیث کی ناسخ ہو؟ انہوں نے کہا "نہیں"۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ اگر ابن مسعودؓ کی حدیث ابوہریرہؓ اور عمران بن حصینؓ کے مخالف ہو، جیسا کہ تم کہتے ہو اور ایسی حالت میں بالقصد بات چیت کرنا جب کہ تم جانتے ہو کہ تم نماز میں ہو، بعینہٖ ویسا ہو کہ تم نے ایسی حالت میں کلام کیا کہ تمہارا خیال ہے کہ تم نے نماز پوری کر لی یا نماز کو بھول گئے، تو ابنِ مسعودؓ کی حدیث منسوخ ہو گی اور نماز میں بات چیت کرنا مباح ہو گا۔ لیکن نہ وہ ناسخ ہے اور نہ منسوخ بلکہ اس کی وجہ وہ ہے جو میں نے بیان کی کہ یہ یاد کر کے کہ متکلم نماز میں ہے، نماز میں بات چیت کرنا جائز نہیں۔ اور اگر ایسی حالت میں بات چیت کی جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور جب نسیان و سہو لاحق ہو جائے اور ایک شخص نے جس کا خیال ہے کہ چونکہ اس نے نماز پوری ادا کر لی ہے یا بھول گیا ہے اس لیے کلام مباح ہے، بات چیت کی تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ تم روایت کرتے ہو کہ ذوالیدینؓ بدر میں شہید ہوئے۔ میں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو لیکن کیا عمران بن حصینؓ کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مدینہ میں پڑھی تھی؟ اور مدینہ میں نماز ابنِ مسعودؓ کی مکہ والی حدیث کے بعد ہے۔ انہوں نے کہا "ہاں" میں نے کہا کہ جیسا تم چاہتے ہو تم نے جو کچھ بیان کیا اس میں تمہارے لیے حجت نہیں ہے کیونکہ غزوۂ بدر آپؐ کے مدینہ میں آنے کے چھ ماہ بعد ہوا۔ انہوں نے کہا تو کیا ذوالیدینؓ وہی ہیں جن کی نسبت تم نے روایت کی کہ وہ بدر میں شہید ہوئے؟ میں نے کہا "نہیں"۔ عمران ان کا نام خرباق بتلاتے ہیں اور ان کو کوتاہ دست یا دراز دست کہتے ہیں، حالانکہ بدر میں ذوالشمالینؓ شہید ہوئے ہیں۔ اور اگر دونوں ذوالیدینؓ بھی

ہوں تو ایک کا نام دوسرے کے نام کے مطابق ہوا ہوگا جیسا کہ ناموں میں ہوا کرتا ہے۔ اب اس مذہب کے جاننے والوں میں بعض نے کہا کہ ہمارے لیے ایک دوسری دلیل ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا؟ انہوں نے کہا معاویہ رضؓ بن حکم کا بیان ہے کہ انہوں نے نماز میں بات چیت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں انسان کی کوئی بات جائز نہیں۔ میں نے کہا یہ دلیل تمہارے لیے مضر ہے مفید نہیں وہ بعینہٖ ابن مسعودؓ کی طرح روایت کرتے ہیں، اور اس کی وجہ وہی ہے جو میں نے بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم کہو کہ یہ اس کے خلاف ہے۔ میں نے کہا تو یہ تمہارے لیے مفید نہیں اور ہم اس پر تم سے کلام کرتے ہیں۔ اگر معاویہؓ کا معاملہ ذوالیدینؓ کے معاملے سے پہلے تھا تو وہ منسوخ ہے اور تمہارے قول میں تم پر یہ لازم آتا ہے کہ نماز میں کلام اسی طرح صحیح ہے جیسا کہ نماز کے علاوہ اور حالتوں میں صحیح ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ یا اس کے بعد ہو، جیسا کہ تم نے بیان کیا، تو اس نے ایسی حالت میں کلام کیا کہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کلام نماز میں حرام نہیں ہے۔ اور اس نے یہ بیان نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اعادۂ نماز کا حکم دیا، تو وہ ذوالیدینؓ کی حدیث کے مثل ہے یا اس سے زیادہ، کیونکہ اس نے اپنی حدیث میں قصداً کلام کیا۔ البتہ اس نے یہ بیان کیا کہ اس نے ایسی حالت میں کلام کیا کہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کلام نماز میں حرام نہیں ہے۔ انہوں نے کہا جیسا کہ تم نے بیان کیا یہ بات ان کی حدیث میں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر جیسا تم نے بیان کیا ویسا ہی ہے تو وہ تمہارے لیے مضر ہے اور اگر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ویسا ہی ہے تو وہ تمہارے لیے مفید نہیں۔ انہوں نے کہا کہ تو تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ابن مسعودؓ کی حدیث کے مثل ہے اور ذوالیدینؓ کی حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ انہوں نے کہا تو تم نے جب حدیث ذوالیدینؓ سے تفریع کی تو تم نے مخالفت کی۔ میں نے کہا تو ہم نے اصل میں ان کی مخالفت کی؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ فرع میں۔ میں نے کہا تو تم نے ان کی نص میں ان کی مخالفت کی، اور جو شخص نص میں مخالفت کرے وہ تمہارے نزدیک اس شخص سے بُرا ہے جس نے ضعفِ نظر سے تفریع میں غلطی کی۔ انہوں نے کہا ہاں، لیکن ہر ایک معذور نہیں ہے۔ میں نے کہا لیکن تم نے اس کی

اصل و فرع دونوں کی مخالفت کی اور ہم نے اس کی اصل و فرع دونوں میں سے ایک حرف کی بھی مخالفت نہیں کی، تو اس کے اختلاف کی ذمہ داری تم پر ہے، اور جو کچھ تم نے کہا کہ ہم نے اس کی مخالفت کی، تو ہم نے ان کی مخالفت نہیں کی، انہوں نے کہا تو میں تم سے سوال کرتا ہوں تاکہ یہ جان سکوں کہ تم نے ان کی مخالفت کی یا نہیں؟ میں نے کہا سوال کرو۔ انہوں نے کہا تم اس امام کے بارے میں کیا کہتے ہو جو دو رکعت پڑھ کر واپس چلا، پھر اس سے بعض مقتدیوں نے کہا کہ تم دو ہی رکعت پڑھ کر واپس چلے، تو اس نے اور مقتدیوں سے پوچھا اور انہوں نے اس کی تصدیق کی۔" میں نے کہا جس مقتدی نے اس کو اس کی خبر دی اور جن لوگوں نے یہ گواہی دی کہ وہ سچ کہتا ہے اور ان کو یہ یاد ہے کہ اس نے اپنی نماز پوری نہیں کی ان کی نماز فاسد ہے۔" انہوں نے کہا کہ تم روایت کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی اور تم کہتے ہو کہ جو لوگ موجود تھے انہوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پوری کی، گو تم حدیث میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔" میں نے کہا "ہاں" تو انہوں نے کہا کہ تم نے اس کی مخالفت کی۔ میں نے کہا "نہیں" ہمارے امام کی حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہے۔ انہوں نے کہا نماز اور امامت میں ان کی حالت کیونکر جدا ہے۔ میں نے کہا کہ خداوند تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے فرائض یکے بعد دیگرے نازل کرتا تھا اور جو چیز آپؐ پر فرض نہیں کی تھی اس کو فرض کرتا تھا اور بعض فرائض میں تخفیف کر دیتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ "بیشک"۔ میں نے کہا ہم کو، تم کو اور کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف یہ سمجھ کر نماز سے واپس گئے کہ آپؐ نے نماز پوری کر لی، انہوں نے کہا "بیشک"۔ میں نے کہا کہ جب آپؐ نے ایسا کیا تو ذوالیدینؓ یہ نہ جان سکے کہ نماز خداوند تعالیٰ کے کسی نئے حکم سے کم کر دی گئی یا آپؐ بھول گئے؟ انہوں نے کہا بیشک۔ میں نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں سے پوچھا تو ذوالیدینؓ کی شہادت کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے کہا بیشک۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب آپؐ نے ذوالیدینؓ کے سوا اور سے پوچھا تو یہ احتمال ہے کہ آپؐ نے ایسے شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کا کلام نہ سُنا ہو، اس لیے وہ بھی ذوالیدینؓ کے مثل ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ نے ایسے شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کے کلام کو تو سُنا

Marfat.com

ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سُنا ہو، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اعادہ کیا ہو تو وہ ذوالیدینؓ کے معنی میں ہو گا یعنی اس نے آپؐ کو اپنے قول سے کوئی بات نہیں بتائی اور اس کو یہ معلوم نہ ہوا کہ نماز کم کر دی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نسیان ہوا، تو آپؐ نے اس کا جواب دیا جس کے معنی ذوالیدینؓ کے معنی تھے یعنی ان لوگوں پر ان کا جواب فرض تھا۔ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ جب ان لوگوں نے آپؐ کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے ان کے قول کو قبول کر لیا اور نہ آپؐ نے کلام کیا نہ ان لوگوں نے یہاں تک کہ سب نے اپنی نماز پڑھی۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تو خدا کے فرائض ختم ہو چکے۔ اس لیے اس میں کسی قسم کی زیادتی اور کمی نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا "ہاں" تو میں نے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہی فرق ہے۔ تو جو لوگ ان کے پاس تھے انہوں نے کہا کہ ایک کھُلا ہوا فرق ہے اور اس کی وضاحت کی وجہ سے کوئی عالم اس کی تردید نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ آدمی خود نماز کے متعلق جو کلام کرے وہ اس کی نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ ہمارے خلاف اس قول سے استدلال ہو سکتا ہے جو ہم کہیں نہ کہ ہمارا غیر کہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تمہارے متعدد تلامذہ سے گفتگو کی تو کسی نے اس سے استدلال نہیں کیا۔ اور انہوں نے کہا کہ عمل اسی پر ہے تو میں نے کہا کہ میں نے تو تم کو بتا دیا کہ عمل کے کوئی معنی نہیں، اور ہمارے غیر کے قول سے تم ہمارے خلاف استدلال نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا بیشک۔ تو میں نے کہا تو جس چیز میں تمہارے لیے حجت نہیں اس کو چھوڑ دو۔ اور میں نے ان سے کہا کہ تم نے ذوالیدینؓ کی حدیث کی مخالفت میں غلطی کی، حالانکہ وہ ثابت ہے۔ اور تم نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ تم نے یہ خیال قائم کیا کہ ہم اور وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں، نماز میں کلام، جماع اور گانا حلال سمجھتے ہیں حالانکہ نہ ہم نے نہ ان لوگوں نے اس کو ہرگز حلال نہیں کیا، حالانکہ خود تمہارا خیال ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر نماز پوری کرنے سے پہلے سلام پھیر دے اور اس کو یہ یاد ہے کہ اس نے نماز پوری نہیں کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ تمہارے خیال میں غیر محل میں سلام کلام ہے۔ اور اگر اس نے یہ خیال کر کے سلام پھیر دیا کہ اس نے نماز مکمل کر لی تو وہ اسی نماز کو پورا کر لے۔ تو اگر تمہارے خلاف اس کے سوا اور کوئی دلیل بھی نہ ہو تو یہی کافی ہے۔ اور ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ تم حدیث کی مخالفت کو عیب

Marfat.com

سمجھتے ہو اور خود بہ کثرت اس کی مخالفت کرتے ہو۔

پوری کتاب اسی طرز پر اس دور کے طریقہ تشریح و نقد کی واضح صورت قلب کے سامنے پیش کر دیتی ہے اور اس تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں ہم کو کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو اس کتاب سے زیادہ ہم کو کثرتِ مطالعہ کی طرف مائل کرے اور اس سے زیادہ ہمارے اسلاف کے ساتھ ہم کو فریفتگی پر آمادہ کرے۔

اس کتاب کے ساتھ اور چند کتابیں ملحق ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب ان مسائل کے متعلق ہے جن میں امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ نے اختلاف کیا ہے اور اس کی اصل امام ابو یوسفؒ کی ہے۔ جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

ایک کتاب "خلاف علی اور ابن مسعودؓ" ہے۔ اس کتاب میں امام شافعیؒ نے ان مسائل کو جمع کیا ہے جن میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ نے اہل عراق کے دو صحابی امام یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا ہے۔ ام میں اس کا نام "خطا اختلاف علیؓ و ابنِ مسعودؓ" ہے اور ابن ندیم نے اس کو فہرست میں "ماخالف فیہ العراقیون علیاً و عبداللہ" کے عنوان سے درج کیا اور یہی صحیح ہے۔

ایک کتاب "اختلاف مالکؒ والشافعیؒ" ہے اور اس کا تعلق عمل بالسنۃ سے ہے۔ اس میں اصحاب مالک سے اس بارے میں مناظرہ ہے کہ انہوں نے تائیدِ حدیث کے لیے ائمہ کے عمل کی شرط لگائی ہے اور امام شافعیؒ کے اس خیال کی تائید کی ہے کہ جب ثقہ نے ثقہ سے روایت کی، یہاں تک کہ اس کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا، تو وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ البتہ اس حدیث کو چھوڑ سکتے ہیں جس کے خلاف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہو۔ لیکن جب خود آپؐ کی حدیث کے مخالف آپ سے کوئی حدیث مروی نہ ہو اور آپ کے علاوہ کسی اور سے کوئی ایسی حدیث مروی ہو جو اس کے موافق ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی

Marfat.com

قوت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بذاتِ خود مستغنی ہے۔ اور اگر یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہے تو ہم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث لینے کی مستحق ہے۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جس شخص سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف روایت کی گئی ہے وہ آپ ہی کی سنت ہے تو میں انشاء اللہ اس کا اتباع کروں گا۔ اس کے بعد اس اصل کی مخالفت پر انہوں نے امام مالکؒ پر جو اعتراض کیا ہے اس کی تفصیل کی ہے اور ان سے اس بارے میں مناظرہ کیا ہے۔

ایک کتاب جماع العلم ہے اور اس میں حدیث اور عمل بالحدیث کی حمایت کی ہے۔ ایک کتاب ابطال الاستحسان ہے اور اس میں فقہائے عراق کے قول بالاستحسان کی تردید کی ہے۔

ایک کتاب "کتاب الرد علی محمد بن الحسنؒ" ہے اور اس کی اصل وہ کتاب ہے جس میں امام محمدؒ نے اہل مدینہ کی تردید کی ہے اور امام شافعیؒ نے اس کے جوابات دیئے ہیں۔ اور وہ اعتراضات بھی ہیں جو امام شافعیؒ نے ان مناظرات میں، جو امام محمدؒ اور ان کے درمیان ہوئے ہیں، کیے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں ان کی یہ غلطی ہے کہ وہ ہمیشہ کہتے ہیں کہ "اہلِ مدینہ نے کہا"؛ حالانکہ وہ تمام اہلِ مدینہ کا قول نہیں ہوتا، بلکہ امام مالکؒ کا قول ہوتا ہے اور بہت سے اہلِ مدینہ اس میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

ایک کتاب "سیر الاوزاعی" ہے۔ اس کی اصل وہ کتاب ہے جس میں امام ابی یوسفؒ نے امام اوزاعیؒ کی تردید کی ہے اور امام شافعیؒ نے امام اوزاعیؒ کی طرف سے اس کا جواب دیا ہے۔ ہم اس کتاب کا ذکر کر چکے ہیں۔

امام شافعیؒ کی کتابوں میں سب سے بڑی ان کی وہ کتاب ہے جس کا نام "اختلاف الحدیث" ہے۔ امام شافعیؒ نے اس کو احادیث کی تائید میں بالعموم اور خبر واحد کی تائید میں بالخصوص لکھا ہے۔ اس میں اختلافِ حدیث پر بحث کی ہے۔ جن لوگوں نے حدیث کو عموماً رد کر دیا ہے یا عمل بالحدیث کے لیے راوی کے ثقہ ہونے کے علاوہ اور شرطیں لگائی ہیں ان کا رد یہی کتاب ہے۔ انہوں نے پہلے اس اختلاف پر بحث کی ہے جس کا سبب ہر مروی فعل کا مباح ہوتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ نے ایک ایک بار وضو کیا۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو دو بار وضو کیا اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ تین تین بار وضو کیا۔ اور احادیث میں اس قسم کی حدیثیں بہ کثرت مروی ہیں۔ پھر ان احادیث کا جو ایک دوسرے کی ناسخ اور مفسر ہیں، تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو سنت کے معاملہ میں فقہاء کے لیے مفید ہیں۔ یہ کتاب ان بیش بہا مناظرات پر بھی مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے مخالفین بالخصوص امام محمدؒ کے ساتھ کیے ہیں۔

فقہ میں حرملہ بن یحییٰ کی بھی ایک کتاب ہے جس کو انہوں نے امام شافعیؒ سے املا کیا ہے۔

بویطی نے بھی کتاب المختصر الکبیر، کتاب المختصر الصغیر اور کتاب الفرائض لکھی ہے۔

دو مختصر مزنی نے بھی لکھے ہیں۔ ایک مختصر کبیر جو متروک ہے اور ایک مختصر صغیر جس پر اصحاب شافعیؒ اعتماد کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسی کو پڑھتے پڑھاتے تھے اور اس کی شرح کرتے تھے اور وہ مختلف روایتوں سے مروی ہے۔

ان کی تصنیفات میں دو جامع یعنی جامع کبیر اور جامع صغیر اور دوسری کتابیں بھی ہیں۔

امام شافعیؒ کے تلامذہ کے اتباع میں جن لوگوں نے کتابیں لکھیں ان میں ایک ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد المروزی شاگرد مزنی ہیں، جنہوں نے مختصر مزنی کی دو شرحیں کیں۔ اور کتاب الفصول فی معرفۃ الاصول، کتاب الشروط والوثائق، کتاب الوصایا وحساب الدور اور کتاب الخصوص والعموم بھی ان کی تصنیفات میں ہیں۔

ابن سریج نے بھی امام محمدؒ اور عیسیٰ بن ابان کے رد میں کتابیں لکھی ہیں اور کتاب التقریب بین المزنی والشافعی اور فقہ میں مختصر بھی ان کی تصنیفات میں ہیں۔

ابوبکر محمد بن عبداللہ الصیرفی المتوفی ۳۳۰ھ کی تصنیفات میں کتاب البیان فی دلائل الاعلام علی اصول الاحکام، شرح رسالہ شافعی اور کتاب الفرائض ہیں۔

اس دور میں جن شافعیوں نے کتابیں لکھیں وہ بہت ہیں لیکن ان کی کتابوں سے ہم واقف نہ ہو سکے۔ دوسرے مذاہب کے متعلق جو کتابیں لکھی گئیں، چونکہ ہم نے ان کو نہیں دیکھا ہے، اس لیے ہم نے ان کے ائمہ و رجال کے تذکروں کے ساتھ ان کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔

Marfat.com

# پانچواں دَور

## چوتھی صدی کی ابتدا سے زوالِ سلطنتِ عباسیہ تک

یہ خاص خاص مذاہب کی پابندی، ان کی تائید اور مناظرہ وجدل کی اشاعت کا دَور ہے۔

سیاسی حالت اس دَور میں ممالکِ اسلامیہ کے سیاسی تعلقات بالکل منقطع ہوگئے۔ چنانچہ جب تم مغرب سے شروع کروگے تو تم کو اندلس میں بنو امیہ ملیں گے جن کا سردار عبدالرحمٰن نام ہوگا جس نے سلطنتِ عباسیہ کے ضعف کو محسوس کرکے امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا۔ شمال افریقہ میں تم کو اسماعیلی شیعہ ملیں گے جنھوں نے عبیداللہ المہدی الفاطمی کے نام سے ایک سلطنت قائم کی جس نے امیرالمومنین کا لقب حاصل کیا اور اپنا دارالسلطنت شہر مہدیہ کو، جس کی بنیاد اس نے تونس کے قریب ڈالی، بنایا۔ تم کو مصر میں محمد الاخشید ملے گا جو بنو عباس کے لیے دعوت دیتا تھا۔ اسی طرح تم کو موصل اور حلب میں بنو حمدان بنو عباس کے لیے دعوت دیتے ہوئے ملیں گے۔ اور یمن میں تم کو شیعہ زیدیہ ملیں گے جن کے پاؤں وہاں مضبوطی کے ساتھ جم گئے تھے۔ بغداد میں تم کو دیلم کی سلطنت ملے گی جو سلطنت بنو بویہ کے نام سے مشہور ہے جس نے عملاً تمام اختیارات خود حاصل کر لیے تھے اور بنو عباس کا صرف نام ہی باقی رہ گیا تھا۔ مشرق میں تم کو سلطنتِ سامانیہ ملے گی جو ایک عظیم الشان سلطنت تھی۔ اور ماوراءالنہر میں بخارا میں اس کا دارالسلطنت تھا۔ اسی طرح عالمِ اسلامی کے تمام جوڑ بند ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تھے جس کا کوئی سیاسی شیرازہ قائم نہ تھا اور ان متغلبین میں سے ہر فریق ایک دوسرے سے عداوت رکھتا تھا اور اس کی گھات میں لگا رہتا تھا۔ سب سے زیادہ یہ داؤ پیچ بنو عباس کے درمیان، جو بغداد میں مغلوب ہوگئے تھے، اور فاطمیوں کے درمیان، جن کا مرکز مصر و شام کے قبضہ سے قوی ہوگیا تھا، کیے جاتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ نہایت مستعدی کے ساتھ اپنی دعوت کی اشاعت کے لیے ممالکِ اسلامیہ میں اپنے دعاۃ بھیجتے تھے۔ بنو عباس فاطمیین کے نسب پر عیب لگا۔

اور شجرۂ فاطمۃ الزہراء سے ان کو الگ کرنے کے لیے مجالس منعقد کرتے تھے اور اس پر محضر نامے لکھواتے تھے جس پر اشراف علماء طوعاً و کرہاً دستخط ثبت کرتے تھے۔ بنو بویہ جو صاحب اقتدار تھے، اگرچہ بذات خود شیعہ تھے لیکن انہوں نے بنو عباس کو قائم رکھا تھا تاکہ خود ان کا اثر و اقتدار محفوظ رہے۔ اگر وہ لوگ خلافت کو علویین کی طرف منتقل کر دیتے تو ان کا اقتدار زائل ہو جاتا کیونکہ وہ عقیدۃً علویین کی اطاعت پر مجبور ہو جاتے اور سیاست کا حکم عقیدہ کے حکم پر اسی طرح غالب آجاتا ہے۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد آلِ سلجوق نے مشرق کی طرف سے حرکت کی اور یہ حرکت اس بات کا اعلان تھا کہ اب حکومت ترکی عنصر کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ چنانچہ سلجوقیوں کے سامنے جس قدر متغلبین آئے انہوں نے ان کو پامال کر دیا، تمام مشرق پر اقتدار حاصل کر لیا اور بغداد سے سلطنت بنی بویہ کو مٹا کر خود ان کے قائم مقام بن گئے۔ لیکن انہوں نے بھی آلِ عباس کو قائم رکھا کیونکہ ان کو تشیع سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد بغداد کے مغرب میں ان کے اقتدار نے وسعت حاصل کی اور وہ جزیرہ اور وسط ایشیا پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے شام کے بادشاہ فاطمیین سے جنگ کی اور مصر اور ان کی پشت پر جو بلادِ مغرب تھے ان کے سوا تمام ممالک اسلامیہ میں ان کا بول بالا ہو گیا۔ لیکن جب خود ان میں اختلاف پیدا ہوا تو انہوں نے باہم ایک دوسرے سے جنگ کی اور یہی ضعف اور مصریوں کے ساتھ ملک شام میں نزاع، صلیبی ہوا کی جنبش کا سبب ہوا اور انہوں نے پانچویں صدی کے اواخر میں اُٹھ کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ اور جیسا کہ ان لڑائیوں کی تاریخ میں مشہور ہے، صرف اسی حد تک نہیں رُکے رہے۔ غرض سلجوقیوں کا شیرازہ بکھر گیا اور ان کے بعد دوسری ترکی سلطنت قائم ہوئی جو سلطنتِ اتابکیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خاندان سلاجقہ کی طرف منسوب ہے، کیونکہ ان کے رؤساء سلجوقیوں کے سپہ سالار اور ان کے لڑکوں کے مربّی ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اتابک کے نام سے مشہور تھے۔ سلطنتِ اتابکیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور ان کی نسل میں ایک شخص یعنی محمود نورالدین کے ہاتھوں سلطنتِ فاطمیۂ مصر کا خاتمہ ہوا اور مصر میں دوبارہ دعوت عباسیہ نے رجعت کی۔ اس کے بعد صلاح الدین یوسف بن ایوب کی سلطنت کی ابتدا ہوئی جو محمود نورالدین کا ایک سپہ سالار تھا۔ لیکن اقصائے مشرق میں چھٹی صدی کے اواخر میں خوارزم شاہ کی سلطنت قائم ہوئی اور

Marfat.com

اس نے اس قدر عظمت حاصل کی کہ بغداد کے قریب تک پہنچ گئی۔

یہ عظیم الشان دیوار ٹوٹی تو مغلوں نے سیلابِ بے پناہ کی طرح حرکت کی جن کا سپہ سالار اتحادِ تاتار کا بانی چنگیز خان تھا اور ساتویں صدی کی ابتدا میں ان تمام لوگوں کو جو ان کا مقابلہ کرتے تھے یا ان کے سدِ راہ ہوتے تھے، اپنے سامنے سے دھکیل دیا۔ چنگیز خان چونکہ نہایت وسیع امیدیں رکھتا تھا اور اس کو محسوس ہوتا تھا کہ تمام دنیا لازمی طور اس کی اولاد و احفاد کی مطیع ہو جائے گی، اس لیے اس نے اپنی چاروں اولاد کے درمیان دنیا کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ اس نے دریائے تک مغربی حصہ اپنے لڑکے شجطائے کو اور چین تک مشرقی حصہ اپنے بیٹے تولی کو اور شمالی حصہ اپنے بیٹے جوجی کو دیا اور اپنی اصلی سلطنت اپنے بیٹے اوجطائے کو دی۔

اس طریقہ پر اس نے اپنے لڑکوں کے لیے یہ اندازہ کیا کہ وہ اقصائے مشرق میں سواحلِ چین تک اور اقصائے مغرب میں سواحلِ بحرِ روم تک دنیا کے مالک ہو جائیں گے۔

اس پر بہت زمانہ نہیں گذرا کہ چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان عالمِ اسلامی کے دارالسلطنت بغداد میں اس کی فوج کا سپہ سالار ہوا اور آلِ عباس کے آخری خلیفہ کو جس کا نام اکثر اسلامی منبروں پر لیا جاتا تھا، قتل کیا اور بہت سی تباہی اور بربادی کے بعد بغداد ایک ایسی حکومت کا دارالسلطنت ہو گیا جس کا کوئی آسمانی مذہب نہ تھا۔ اس کے چند وضعی قوانین تھے جن کو اس کے دادا چنگیز خان نے بنایا تھا۔ اور وہ ان کے یہاں کاسبہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ تاریخ اسلام کی قدیم اور درمیانی تاریخ کے درمیان حدِ فاصل خیال کی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں مصر سے سلطنتِ ایوبیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ان کی جگہ ان کے ترکی نسل کے غلاموں نے لے لی تھی جن کی کثرت صالح نجم الدین ایوب نے کر دی تھی۔ چنانچہ ان کے چوتھے شخص ملک ظاہر بیبرس البندقداری نے عباسیوں کی اولاد میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر، جو اس کے زمانے میں مصر آیا تھا، بیعت کی اور اس کو اسلامی خلیفہ تسلیم کیا، اور اس خلیفہ نے اس کو مصر اور ملحقاتِ مصر کا بادشاہ بنا دیا۔ اس دن سے قاہرہ بغداد کا قائم مقام ہو گیا جس میں برائے نام ایک عباسی خلیفہ اور ایک بادشاہ رہنے لگا جو اصلی حکومت کرتا تھا۔ عہدِ بنو بویہ اور آلِ سلجوق میں یہی

حالت بغداد کی تھی۔

اس دَور میں سیاستِ اسلامیہ کا جو حال تھا یہ اس کا مختصر سا خاکہ ہے۔ لیکن علمی حالت نے ان انقلابات میں ان سیاسی حالات کی پیروی نہیں کی بلکہ برابر ترقی کرتی رہی، بالخصوص سلجوقیوں کے عہد میں مشرق میں اور سلطنتِ فاطمیہ کے عہد میں مصر میں بڑے بڑے علماء اور صاحب فکر پیدا ہوئے۔ اور فقہ اسلامی کے متعلق ان کے جو کارنامے ہیں، ہم ان کے آئندہ امتیازات کے سلسلے میں بیان کریں گے۔ البتہ اس کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ فقہ میں استقلال کی جو روح تھی وہ اسی سیاسی ضعف کی تقلید میں ضعیف ہوگئی یعنی وہ بلند روح جو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، داؤد بن علیؒ اور محمد بن جریر طبریؒ اور ان کے ہمسروں میں کام کر رہی تھی، اس کا صرف ضعیف سا اثر باقی رہ گیا۔ اس روح کی جگہ جس نے امام ابوحنیفہؒ کو ان کے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ "وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں" اور امام مالکؒ کو یہ کہنا سکھایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں جس کا قول ردّ و قبول کے قابل نہ ہو، اور ان دونوں اماموں کے سوا اوروں کو بھی اس قسم کے قول سکھائے تھے، ایک ایسی روح نے لے لی جس کو ہم روحِ تقلید کہتے ہیں۔

(۱) روحِ تقلید۔

تقلید سے ہماری مراد یہ ہے کہ ایک معیّن امام سے احکام سیکھے جائیں اور اس کے اقوال کا اس طرح اعتبار کیا جائے گویا وہ شارع کے نصوص ہیں جن کی پیروی مقلّد پر لازم ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام گذشتہ دَوروں میں مجتہد اور مقلّد موجود تھے۔ مجتہد وہ فقہاء تھے جو کتاب اور سنت کو پڑھتے تھے اور ان کو ظواہر نصوص یا معقول نصوص سے استنباطِ احکام کی قدرت حاصل تھی۔ اور مقلد عام لوگ تھے جنہوں نے کتاب و سنّت کو اس طور پر نہیں پڑھا تھا جو ان کو استنباط کا اہل بنا سکے۔ اس لیے جب ان لوگوں کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو اپنے شہر کے فقہاء میں سے کسی فقیہ کی طرف اس کے متعلق رجوع کرتے تھے اور وہ ان کو فتویٰ دیتا تھا۔ لیکن اس دَور میں عام طور پر روحِ تقلید سرایت کر گئی اور علماء و عوام سب اس میں شریک

ہو گئے۔ چنانچہ پہلے یہ حالت تھی کہ فقہ کا طالب پہلے قرآن مجید کے درس اور حدیث کی روایت میں مشغول ہوتا تھا جو کہ استنباط کی بنیاد تھے۔ لیکن اب وہ ایک معیّن امام کی کتابیں پڑھتا تھا اور اس طریقہ کا مطالعہ کرتا تھا جس کے ذریعہ سے امام نے اپنے مدوّنہ احکام مستنبط کیے تھے۔ اور جب وہ اس کام کو پورا کر لیتا تھا تو علمائے فقہا سے ہو جاتا تھا۔ ان میں بعض بلند ہمّت لوگ اپنے امام کے احکام کے متعلق کتاب بھی تالیف کرتے تھے جو یا تو کسی گذشتہ کتاب کا اختصار یا اس کی شرح یا ان مسائل کا مجموعہ ہوتی تھی جو مختلف کتابوں میں منتشر طور پر پائے جاتے تھے۔ لیکن ان میں سے خود کوئی شخص اپنے لیے یہ جائز نہیں رکھتا تھا کہ کسی مسئلہ میں ایسی بات کہے جو اس قول کے مخالف ہو جس کا فتویٰ اس کے امام نے دیا ہے۔ گویا حق صرف اس کے امام کے دل و زبان پر اُترا تھا۔ یہاں تک کہ اس دَور میں فقہائے حنفیہ کے پیشوا اور مسلّم امام ابوالحسن عبید اللہ الکرخیؒ نے یہ کہہ دیا کہ "ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں، وہ یا تو ماوّل ہے یا منسوخ ہے، اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ ماوّل یا منسوخ ہے۔" اور اس طور پر ان لوگوں نے اپنے سامنے اختیار کے دروازے بند کر لیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دَور کے فقہا میں بڑے بڑے ائمہ موجود تھے اور تمہارے سامنے ان میں سے بعض کا ذکر آئے گا۔ اور ہم یہ نہیں خیال کر سکتے کہ اصولِ تشریع کے علم اور طرقِ استنباط میں وہ اپنے اسلاف سے کم تھے۔ لیکن ان میں وہ آزادی نہ تھی جس سے ان کے اسلاف بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کو استنباط میں یہ آزادی حاصل تھی کہ اگر آج ایک رائے ظاہر کرتے تھے اور کل جب کوئی دلیل ایسی پیدا ہو جاتی تھی جو اس میں تغیر چاہتی تھی تو کوئی چیز ان کو تغیر سے مانع نہیں ہوتی تھی۔ اور ائمہ اور اسی طرح ان کے اسلافِ صحابہ و تابعین کا بھی یہی حال تھا۔ مثلاً ایک سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ کرتے تھے کہ اخیافی بھائی اور ماں اور شوہر کی موجودگی میں حقیقی بھائی وراثت سے محروم ہیں اور آئندہ سال تمام بھائیوں کو ثلث مال میں شریک کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ اس فیصلے کے مطابق تھا جو ہم نے کیا تھا اور یہ اس فیصلہ کے مطابق ہے جو ہم کرتے ہیں۔ لیکن اس دَور کے علماء میں سے ہر ایک نے ایک معیّن مذہب کا التزام کر لیا جس سے وہ آگے

نہیں بڑھ سکتا تھا اور اجمالاً وتفصیلاً وہ اپنی پوری طاقت اس مذہب کی تائید میں صرف کرتا تھا۔ حالانکہ یہ لوگ اجتہاد میں کسی امام کو معصوم نہیں سمجھتے تھے اور ائمہ اپنی نسبت غلطی کے جواز کا اعتراف کرتے تھے اور یہ جائز سمجھتے تھے کہ کوئی حدیث ایسی موجود ہو جس سے ان کو واقفیت حاصل نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ ان میں متعدد ائمہ سے یہ جملہ منقول ہے کہ "جب کوئی صحیح حدیث موجود ہو تو وہی میرا مذہب ہے اور اور میرے قول کو دیوار پر پٹک مارو۔" لیکن بایں ہمہ کرخیؒ کہتے ہیں کہ جو حدیث ہمارے اصحاب کے طریقے کے مخالف ہو وہ یا تو ماؤل ہے یا منسوخ ہے۔ ابو محمد عبداللہ بن یوسف الجوینی والد امام الحرمین کا جو حال ابن سبکیؒ نے لکھا ہے ہم نے اس میں دیکھا ہے کہ انہوں نے محیط نامی ایک کتاب لکھنا شروع کی جس میں انہوں نے یہ عزم کر لیا کہ کسی مذہب کی پابندی نہ کریں گے اور احادیث کے جائے ورود سے آگے نہ بڑھیں گے اور مذاہب میں سے کسی کی حمایت و جانب داری نہ کریں گے۔ چنانچہ حافظ ابوبکر بیہقی کو اس کے تین جزء مل گئے اور انہوں نے ان پر چند اوہام حدیثیہ کا اعتراض کیا اور ان سے بیان کیا کہ حدیث پر عمل کرنے والے امام شافعیؒ ہیں اور جن حدیثوں کو شیخ ابو محمد نے پیش کیا ہے، ان کو انہوں نے اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ ان میں ایسے علل موجود تھے جن کو وہی شخص جان سکتا ہے جو محدثین کے فن سے اچھی طرح واقف ہو۔ چنانچہ جب یہ رسالہ شیخ ابو محمد کو ملا تو انہوں نے کہا کہ یہ علم کی برکت ہے اور بیہقی کے لیے دعا کی اور تصنیف کے پورا کرنے سے ہاتھ روک لیا۔ اس کے بعد ابن سبکی نے بیہقی کا پورا رسالہ نقل کر دیا ہے۔ لیکن اگر امام شافعیؒ اس قسم کے اعتراض کی طرف متوجہ ہوتے تو خود اجتہاد نہ کرتے کیونکہ وہ تصحیحِ حدیث میں ان رجالِ حدیث پر اعتماد کرتے تھے جو صرف حدیث کے ہو گئے تھے اور صحیح اور سقیم حدیث کے درمیان تمیز کرتے تھے اور بیہقی نے جو کچھ بیان کیا وہ جوینی کی ترک تصنیف کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا بشرطیکہ ان کو استنباط کی قدرت حاصل ہو اور ان کے نفس کو استقلال پر اطمینان حاصل ہو۔ اس تقلیدی روح کے سرایت کرنے کے لیے اسباب کی ضرورت ہے اور ہم کو جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ہم ان کی تفصیل کرتے ہیں۔

اسبابِ تقلید۔

(پہلا سبب) برگزیدہ شاگرد ہیں۔ جمہور کے قالب میں کسی عالم کی روح کی سرایت کرنے کا اس سے زیادہ کوئی مؤثر سبب نہیں ہو سکتا کہ اس کے طاقتور شاگرد ہوں جو اس عالم کے طریقے سے متاثر ہوں اور عوام کے نزدیک ان کی قدر و منزلت ہو۔ کیونکہ امام کے طریقے سے متاثر ہونے کی بنا پر وہ اس کے ساتھ اپنی شیفتگی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی تدوین اور حمایت کرتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک ان کو جو قدر و منزلت حاصل ہے، وہ انہیں ان سے علم حاصل کرنے اور ان کے فتویٰ پر عمل کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ کیونکہ وہ اس پر مجبور ہیں کہ ان کے لیے ایسے ائمہ موجود ہوں جن پر وہ اعتماد کریں اور اپنی شریعت کے احکام ان سے سیکھیں۔ اور یہ ائمہ مشہور جن کے مذاہب قائم ہیں، ان کو ایسے تلامذہ میسر آئے جو نہایت بلند رتبہ، واضح الحجّت اور اپنی قوم اور اپنے بادشاہوں کے نزدیک نہایت بلند پایہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے امام سے جو احکام سیکھے تھے ان کو مدوّن کیا اور ان سے ان کے بہت سے تلامذہ نے حاصل کیا اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنے مفتیوں پر اعتماد کر کے احکام کی پیروی کی تھی، ان کی اشاعت کی۔ ان ائمہ کے شاگردوں پر بادشاہوں کو جو اعتماد حاصل تھا اس کی بنا پر وہ قاضی اسی شخص کو بناتے تھے جن کا یہ لوگ مشورہ دیتے تھے۔ اور یہ مشورہ صرف اسی شخص کے متعلق دیتے تھے جن پر وہ اعتماد کرتے تھے۔ اور تم سب سے زیادہ اسی شخص پر اعتماد کر سکتے ہو جو تم سے متاثر ہو اور اس کی رائے تمہاری رائے کے موافق ہو۔ اس لیے جن مذاہب کو اس قسم کے شاگرد نصیب ہوئے وہ اس کی بنیاد کے مضبوط کرنے کا ایک بڑا سبب ہو گئے۔ اور جب عوام کے دلوں میں ان ائمہ کا اعتماد راسخ ہو گیا تو اس کے بعد یہ مشکل تھا کہ کسی نئے مذہب کا داعی کھڑا ہو اور لوگوں کو اس کے اتباع کی دعوت دے، کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ اس کو خارج از جماعت سمجھتے تھے۔ اور جب حسد کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا تو اس کے حریف اس کے ساتھ جو چال چلتے تھے وہ ناقابلِ فراموشی ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسا سبب ہے جس کی آگ کسی زمانے میں بھی نہیں بجھی۔ یہاں تک کہ ہم کو کوئی ایسا فقیہ، جس نے اجتہاد کا درجہ حاصل کر لیا ہو، نظر نہیں آتا جو اس لباس میں ظاہر نہ ہو بلکہ انتہائی درجہ

وہ صرف ایک مذہب کا مجتہد ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس جو مسائل آئیں اور ان کے متعلق اس کے امام کی نص موجود نہ ہو تو وہ ان کے متعلق فتویٰ دے دے، یا کسی مسئلہ کے متعلق اپنے امام کی دو رایوں میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دے دے، اور اس قسم کے ائمہ اس دور میں بکثرت موجود تھے۔

(دوسرا سبب) قضاءت ہے۔ گذشتہ لوگوں میں سے خلفاء ان لوگوں کو قاضی منتخب کرتے تھے جن میں ان کو یہ نظر آتا تھا کہ کتاب و سنت کا علم اور ان دونوں سے استنباطِ احکام کی قدرت رکھتے ہیں اور ان سے یہ معاہدہ لینے کے بعد کہ جس چیز کے متعلق نص موجود ہو اس میں صرف نصوص پر عمل کریں یا اس رائے سے کام لیں جو اقرب الی النصوص ہو، ان کی رائے پر ہی فیصلہ کو سپرد کر دیتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا کہ:

"قضاءت ایک فریضہ محکمہ یا سنتِ متبعہ ہے۔ پس جو چیز کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے، جب اس کے متعلق تمہارے دل میں خلجان پیدا ہو تو سمجھ سے کام لو۔ اشباہ و امثال کو پہچانو اور اس وقت قیاس سے کام لو، اور ان میں اس چیز کا قصد کرو جو اقرب الی اللہ اور اشبہ بالحق ہو۔

اور جب کسی واقعہ میں قاضیوں کو صحیح بات نہیں معلوم ہوتی تھی تو ان کے ساتھ ان کے شہر میں جو مفتی موجود ہوتے تھے ان سے مشورہ لیتے تھے اور بسا اوقات اپنے خلفاء سے خط و کتابت کرتے تھے اور بعض مسائل میں ان کی رائے پر عمل کرتے تھے۔ ان قاضیوں پر عوام کو بڑا اعتماد تھا۔ لیکن امتدادِ زمانہ سے اجتماعی حالات بدل گئے اور ان میں ایسے قاضی پیدا ہو گئے جو اس اعتماد کو قائم نہ رکھ سکے یا ان کے شہر میں ایسے علماء پیدا ہو گئے جنہوں نے فتوے پوچھنے والوں پر ان کے قاضی کی غلطی ظاہر کر کے اس اعتماد کو ضعیف کر دیا جیسا کہ ابن ابی لیلیٰ قاضی کوفہ کو ان کے شہر کے فقہاء کی طرف سے اس قسم کا واقعہ پیش آیا، اور جب قاضی کے ساتھ عوام کے اعتماد میں کمی آ گئی تو قاضیوں کے دل میں یہ میلان پیدا ہوا کہ وہ احکام معروفہ کے ساتھ اپنے فیصلہ کو مقید کر دیں کہ ان کے لیے شذوذ آسان نہ ہوتا کہ ایک

بار ایک مفتی کی رائے کے ساتھ جو اس کی غرض کے موافق ہو فیصلہ کرے اور دوسری بار ایسے مفتی کی رائے کے ساتھ فیصلہ کرے جو اس کے مخالف ہو۔ اس کے ساتھ ہی مجتہدین کے پیروؤں نے وہ احکام مدون کیے جو انہوں نے اپنے امام سے سیکھے تھے اور ان شاگردوں کی مستعدی نے جس قدر پھیلانا چاہا وہ تمام اسلامی شہروں میں پھیل گئے۔ اس لیے لوگوں کے دلوں میں یہ میلان پیدا ہوا کہ ان کا قاضی ایک مشہور مذہب کا آدمی ہو، اپنے فیصلہ میں اس کی پیروی کرے، اس سے تجاوز نہ کرے، وہ مذہب ایسا ہو جس کی تدوین کی گئی ہو اور مشہور ہو۔ اس طریقہ سے ان مذاہب کا خاتمہ ہو گیا جن کے پیروؤں نے ان کی تدوین و تہذیب میں سرگرمی نہیں ظاہر کی تاکہ ان کا اخذ کرنا آسان ہو۔ اور جب کسی مذہب کی تقلید کسی بادشاہ یا سلطان نے کی اور اس مذہب کے پیروؤں کے لیے عہدۂ قضاءت کو محدود کر دیا، تو یہ اس مذہب کی اشاعت اور ان علماء کے اضافہ کا ایک عظیم الشان سبب بن گیا جو اس مذہب کے قیام و اشاعت کا سبب تھے۔ جیسا کہ بلادِ مشرق میں محمد بن سبکتگین اور نظام الملک نے اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب نے شافعی مذہب کی تائید کی اور حنفی مذہب کی تائید ترکی عنصر نے کی جو حنفی کے سوا اور کوئی مذہب اختیار نہیں کرتے تھے۔ اور جب کوئی سردار یا با اقتدار شخص کوئی مدرسہ قائم کرتا تھا اور اس میں زیادہ تر یا محدود طور پر کسی خاص مذہب یا مذاہب معینہ کی تدریس لازم کر دیتا تھا تو یہ اس کا ایک نیا حامی ہو جاتا تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے رسالہ "انصاف فی بیان اسباب الاختلاف" میں بلقینی کے شاگرد ابو زرعہ کا قول بیان کرتے ہیں کہ "میں نے ایک بار اپنے شیخ امام بلقینی سے کہا کہ شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کے درجہ کو کیوں نہیں پہنچے حالانکہ ان کو یہ درجہ حاصل تھا اور وہ کیوں تقلید کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (میں نے ان کے شیخ بلقینی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ میں اس پر جو نتیجہ نکالنے والا تھا اس کی بنا پر مجھے ان سے شرم آتی تھی لیکن وہ خاموش رہے تو میں نے کہا کہ میرے نزدیک اس کی وجہ صرف وہ وظائف ہیں جو مذاہبِ اربعہ کے فقہاء کو ملتے تھے۔ اور جو شخص ان مذاہب کے دائرے سے نکل کر اجتہاد کرتا تھا اس کو وہ وظیفہ نہیں ملتا تھا اور عہدۂ قضاء سے محروم رہتا تھا، لوگ اس سے فتویٰ نہیں پوچھتے تھے اور اس کی طرف بدعت کا انتساب کیا جاتا تھا۔ اس پر وہ مسکرائے اور مجھ سے اتفاق

Marfat.com

کیا، الخ، لیکن باوجودیکہ بلقینی نے ابوزرعہ کے خیال سے اتفاق کیا تھا، انصاف کے مصنف نے ان سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اس کو مستبعد سمجھا کہ ابوزرعہ نے جن چیزوں کو بیان کیا ان میں کسی چیز نے ان بزرگوں کو اجتہاد کے چھوڑنے پر آمادہ کیا ہوگا۔ اور شرح مہذب میں سیوطی سے ایک عبارت نقل کی ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مجتہد جو کسی خاص امام کی طرف منسوب ہو اور وہ اجتہاد مطلق کرے تو یہ اس امام کے انتساب کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ابواسحٰق شیرازیؒ، ابن الصباغؒ، امام الحرمینؒ اور امام غزالیؒ اسی قسم کے مجتہد تھے۔ اور کسی خاص امام کی طرف منسوب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ طریقۂ اجتہاد، استقراء، دلائل اور ان کی ترتیب میں وہ اس کے طریقہ پر چلے اور اس کے اجتہاد کے ساتھ موافقت کرے اور اگر کبھی اس کی مخالفت کرے تو اس کو اس کی پرواہ نہ ہو اور اس کے طریقہ سے صرف چند مسائل میں نکلے۔ اور یہ بات اس کے مذہب شافعیؒ کی پابندی میں خلل انداز نہیں ہوتی۔ لیکن شاہ ولی اللہ نے یہ جو کچھ نقل کیا، وہ ابوزرعہ کے بیان کی صحت کے منافی نہیں ہے گو ہم اس کو عام طور پر تسلیم نہیں کرتے یعنی یہ نہیں کہتے کہ اس نے تمام فقہاء کو تقلید پر آمادہ کیا۔

(تیسرا سبب) جیسا کہ ہم نے بیان کیا مذاہب کی تدوین ہے۔ اس بناء پر جس کو قابل ائمۂ مدوّن میسر ہوئے وہ کامیاب ہو گیا اور جمہور نے اس کو قبول کر لیا۔ کیا تم امام شافعیؒ کے اس قول کو نہیں دیکھتے کہ "لیثؒ مالکؒ سے زیادہ فقیہ تھے لیکن ان کے اصحاب نے ان کو قائم نہیں رکھا" اور اس عدم قیام کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے ان کی رایوں کی تدوین اور عوام میں ان کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی جیسا کہ انہوں نے امام مالکؒ کی رایوں کی تدوین کی۔ چونکہ امام لیثؒ کو ایسے تلامذہ میسر نہیں ہوئے جو ان کی رایوں کو مدوّن کرتے اس لیے فقہ میں ان کی بلند پایگی نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور گو مستند راوی ہونے کی حیثیت سے ان کی شان و عظمت کا تذکرہ محدثین کی زبان پر باقی رہ گیا لیکن مفتی اور مجتہد ہونے کی حیثیت سے ان کے نام کا چراغ بجھ کر رہ گیا۔ اور لیثؒ کی طرح صحابہ اور تابعین میں بہت سے ائمہ ہیں جن کے آراء و استنباطات بعد کے لوگوں کے لیے مشعلِ ہدایت تھے اور اس سے پہلے ہم ان کے ناموں کا تذکرہ کر چکے ہیں۔

Marfat.com

لیکن اس دَور میں علماء کا انتساب اپنے ائمہ کی طرف تقلیدِ محض کی حد تک پہنچا ہوا نہ تھا بلکہ ان کے بعض کارنامے ایسے تھے جو ان کو نہایت بلند رتبہ اور بلند پایہ بناتے تھے۔

اس دَور کے علماء کے کارنامے۔:

(اوّلاً) تو وہ ان احکام کے علل و اسباب ظاہر کرتے تھے جن کو ان کے ائمہ نے مستنبط کیا تھا اور انہی لوگوں کو علمائے تخریج کہا جاتا ہے۔ اور تخریج مناط کے معنی یہ ہیں کہ حکم کی علت سے بحث کی جائے۔ اور زیادہ تر علمائے حنفیہ نے یہ شغلہ اختیار کیا تھا، کیونکہ بہت سے احکام جن کو انہوں نے اپنے ائمہ سے روایت کیا تھا، غیر معلل تھے، اس لیے انہوں نے ان اصول کے بیان کے متعلق اجتہاد کیا جن کو ان کے ائمہ نے اپنے استنباطات میں اختیار کیا تھا۔ ان علل کی تخریج میں علماء باہم اختلاف کرتے ہیں اور علت کے اس بیان کی وجہ سے وہ ان مسائل کے متعلق بھی فتویٰ دیتے ہیں جن کے متعلق ان کے امام کی کوئی تصریح نہیں ہے بشرطیکہ اس چیز کی علت معلوم ہو جائے جس کے متعلق ان کے امام کی تصریح موجود ہے۔ اسی موقع پر انہوں نے اصولِ فقہ کی ایجاد اس اجتہاد کی بناء پر کی ہے کہ ان کے ائمہ کے یہی اصول ہیں جن پر انہوں نے اپنے استنباطات کی بنیاد رکھی ہے۔ میں نے استقراء کے رو سے اپنی کتاب اصول فقہ میں اس کی تصریح کی تھی۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی کے مقدم الذکر رسالے میں مجھ کو ایسی عبارت ملی جو اس کی تائید کرتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اکثر لوگوں کو پایا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ (امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے اختلاف کا بھی اس پر اضافہ کیا جا سکتا ہے) کے اختلاف کی بنیاد انہی اصول پر ہے جو کتاب بزدوی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اکثر یہ اصول ان کے قول سے نکالے گئے ہیں اور میرے نزدیک تو یہ ہے کہ جو مسئلہ خاص ظاہر ہوتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہیں ہوتی، اور یہ کہ زیادت نسخ ہے، اور یہ کہ عام خاص کی طرح قطعی ہے اور کثرت رواۃ سے ترجیح نہیں ہوتی، اور غیر فقیہ راوی کی حدیث پر عمل واجب نہیں کہ اس سے رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا اور مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا بالکل اعتبار نہیں ہے اور امر کا موجب

صرف وجوب ہے اور اس قسم کے اور مسائل جو ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہیں، اور یہ کہ ان کی روایت امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین سے ثابت نہیں ہے، اور ان کی مخالفت اور ان اعتراضات کے جوابات میں جو متقدمین کے استنباطات سے ان پر وارد ہوتے ہیں، تکلف کرنا، جیسا کہ بزدوی وغیرہ کرتے ہیں، ان کے مخالف اصول کی محافظت اور ان کے جوابات سے زیادہ مستحق نہیں ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ان قواعد میں سے ہر قاعدہ اور ان اعتراضات کی جو حنفیہ پر ان کے متعلق وارد ہوئے ہیں اور ان کے جوابات کی جو بہ تکلف انہوں نے دیئے ہیں، مثال دی ہے۔

شافعیہ نے اس میدان کی طرف بہت کم توجہ کی ہے کیونکہ ان کے امام کے جو اصول تھے انہوں نے خود ان کو مدوّن کر دیا تھا اور اپنے تلامذہ کو ان کا املا کرا دیا تھا۔ یہی حال مالکیہ اور حنابلہ کا بھی تھا کیونکہ یہ لوگ مناظرہ کے میدانوں سے جس کا ذکر عنقریب آئے گا، بالکل الگ تھے۔

(ثانیاً) مذہب کے متعلق مختلف رایوں میں ترجیح دیتے تھے جس کی دو قسمیں تھیں:

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح۔

(۲) درایت کے لحاظ سے ترجیح۔

روایت کے لحاظ سے ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ مذاہب سے بعض مسائل کی نقل میں اختلاف واقع ہوا ہے کیونکہ ان سے ان کے مذہب کی نقل ایک سے زیادہ آدمیوں نے کی ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے اقوال جو امام محمدؒ نے نقل کیے ہیں ان میں بعض کو انہوں نے خود امام ابو حنیفہؒ سے اخذ کیا ہے اور بعض کی روایت امام ابو یوسفؒ کے ذریعہ سے کی ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے امام محمدؒ کے علاوہ اور تلامذہ مثلاً حسن بن زیادؒ اور عیسیٰ بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اور امام محمدؒ سے ان کی کتابوں کی روایت بھی ایک سے زیادہ لوگوں نے کی ہے۔ یہ لوگ نقل میں اختلاف رکھتے ہیں اور یہ اختلاف اس لیے پیدا ہو گیا ہے کہ یا تو نقل کرنے والوں نے ان ائمہ سے نقل کرنے میں غلطی کی ہے یا یہ کہ خود امام کو اس رائے میں تردد تھا اور وہ آج جو بات کہتا تھا اس کو کل بدل دیتا تھا۔ اس لیے ہر ایک شخص

دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا۔ اسی طرح ہم کو نظر آتا ہے کہ امام شافعیؒ سے ربیع بن سلیمان، مزنی، حرملہ اور بویطی وغیرہ نقل کرتے ہیں، اور مذکورہ بالا دونوں اسباب کی بناء پر نقل میں اختلاف کرتے ہیں۔ اسی طریقہ پر امام مالکؒ سے ابن القاسم، ابن وہب، ابن الماجشون اور اسد ابن الفرات وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ اب ان مذاہب کے قائم ہو جانے کے بعد علماء کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت مرجح ہے۔ چنانچہ زیادتیٔ اعتماد کی بناء پر جس شخص کی روایت پر ان کو اطمینان حاصل ہوا اس کو انہوں نے ترجیح دے دی جیسا کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کی روایتوں کو دوسرے تلامذہ پر ترجیح دی اور خود امام محمدؒ کی روایتوں میں ان کی ان کتابوں کو ترجیح دی جن کی روایت ان سے ثقات مثلاً ابو حفص الکبیر اور جوزجانی نے کی ہے اور ان کا نام انہوں نے ظاہر الروایۃ رکھا۔ اسی طرح شافعیہ نے ربیع بن سلیمان کی روایتوں کو ترجیح دی یہاں تک کہ جب ربیع اور مزنی کی روایتوں میں تعارض واقع ہوتا ہے تو وہ ربیع کی روایتوں کو مقدم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ فقہ میں وہ مزنی کی بلند پائیگی کے معترف ہیں اور ان کو ربیع پر ترجیح دیتے ہیں اور جب حرملہ کی روایتیں ان دونوں سے متعارض ہوتی ہیں تو وہ حرملہ کی روایتوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ سے ابن القاسم نے جو روایتیں کی ہیں، ان کو مالکیہ نے ان کے اور راویوں پر ترجیح دی ہے۔ خود ابن القاسم سے جو روایتیں کی گئی ہیں وہ مختلف ہیں، اس لیے وہ رواۃ کی زیادتیٔ اعتماد کی بناء پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے قسم کی ترجیح ان مختلف روایتوں میں واقع ہوتی ہے جو خود ائمہ سے ثابت ہوتی ہیں یا امام اور اس کے تلامذہ کے اقوال کے درمیان یہ ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اس قسم کی ترجیح وہ فقہاء دیتے ہیں جو اپنے ائمہ کے اصول اور طرقِ استنباط سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے ہیں جو ان اصول کے موافق یا فقہ کے دلائلِ اصلیہ یعنی کتاب، سنت اور قیاس سے قریب تر ہوتے ہیں۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ ان مرجحین کے درمیان ترجیح میں اختلاف واقع ہو۔ لیکن اہلِ ترجیح فی المذہب میں صرف اس عالم کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کے درجۂ اطلاق و تصرف کا اعتراف کیا جاتا ہے۔

ثالثاً، ہر فریق نے اجمالاً اور تفصیلاً اپنے مذہب کی تائید کی۔ چنانچہ اجمالی طور پر اس طرح

Marfat.com

کہ اس کے مذہب کا امام جس قدر وسیع علم، ورع صادق اور حسنِ استنباط کا ملکہ رکھتا تھا اور کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کا جس قدر اتباعِ تام کرتا تھا، اس کی اشاعت کی اور ہر فریق نے اس کے متعلق بہت کچھ لکھا۔ چنانچہ تم کو علمائے مذہب میں ایسے بہت کم علماء ملیں گے جنھوں نے اپنے امام کی یہ تعریف نہ کی ہو کہ وہ امام الائمہ ہے اور کوئی امام اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ان لوگوں نے اس کے ایسے اوصاف بیان کیے جو اس کو میدان فقہ و استنباط کا شہسوار ثابت کرتے تھے۔ ان میں بعض لوگوں نے غلو کیا اور ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے۔ لیکن اس قسم کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔
تفصیلی تائید کا طریقہ یہ تھا کہ ہر اختلافی مسئلہ میں اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لیے کتبِ خلاف کی تالیف کی جس میں اختلافی مسائل بیان کرتے تھے اور ہر حالت میں اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے تھے جس کی طرف وہ منسوب تھے۔ لیکن اکثر اوقات یہ ترجیح تکلّفِ واضح سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ دوسری حیثیت سے ان لوگوں نے زبانی مناظرات کیے اور چونکہ اس دَور میں ان مناظرات کو بہت زیادہ اہمیّت حاصل تھی اس لیے ہم ان مناظرات کے متعلق تمہارے سامنے ایک مستقل فصل قائم کرتے ہیں۔

**مناظرات وجدل کی اشاعت** | گذشتہ دَور میں بھی مناظرات کا وجود پایا جاتا تھا۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے اکثر ان مناظرات کا ذکر کیا ہے جو ان کے اور محمد بن حسنؒ فقیہ عراق کے درمیان ہوئے۔ لیکن وہ عام طور پر علماء کے درمیان شائع نہ تھے اور جہاں تک بظاہر معلوم ہوتا ہے ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حکم صحیح کا استنباط کیا جائے۔ اور جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا تھا تو اپنی برائیوں کے بدلنے سے ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ لوگ اپنی رائے میں آزاد تھے اور کسی مذہب اور رائے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس دَور کے مناظرات کی ابتدائی اشاعت، ان کے محرک اور ان کے نتیجہ کے متعلق حالات بالکل بدل گئے۔

ان مناظروں کی مقدار کا حال یہ تھا کہ مناظرہ کی مجلسوں کا بہت زیادہ رواج ہوا، یہاں تک کہ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جو اس قسم کی مجلسوں سے خالی ہو جود۔ بڑے عالموں کے درمیان مناظرہ کی

Marfat.com

غرض سے منعقد کی گئی ہوں، بالخصوص عراق و خراسان میں۔

مناظرہ کی یہ مجلسیں وزراء و کبراء کے سامنے منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہت سے اہل علم شریک ہوتے تھے اور مجالس عزا میں بھی ان کا انعقاد ہوتا تھا۔ (طبقات الشافعیہ تذکرہ شیخ ابو اسحاق شیرازی میں دیکھو) چنانچہ ابو الولید الباجی کہتے ہیں کہ بغداد میں رسم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسے شخص کی وفات کا صدمہ ہوتا تھا جس کو وہ معزز سمجھتا تھا تو وہ چند دن گھر کی مسجد میں بیٹھتا تھا اور اس کے ساتھ ان دنوں میں اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی بیٹھتے تھے۔ جب چند دن گذر جاتے تھے تو اس کو صبر و تسلّی دیتے تھے اور اس کے معمول کے کاروبار کی طرف اس کو واپس لاتے تھے، لیکن یہ دن جن میں وہ اپنے پڑوسیوں اور بھائی بندوں کے ساتھ اپنی مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھتا تھا، اکثر اوقات تلاوتِ قرآن یا مسائل کے متعلق فقہاء کے مناظرے کے ساتھ کاٹے جاتے تھے۔ قواعدِ مناظرہ کے متعلق کتابیں تالیف کی گئیں اور ان کا نام "علم ادب البحث" رکھا گیا۔ پہلے مناظرہ کی مجلسیں علمِ کلام کے متعلق قائم کی جاتی تھیں اور اس نے ان لوگوں میں اس قدر تعصبات، فاحشہ اور کھلی ہوئی خصومتیں پیدا کر دیں کہ ان کی وجہ سے خونریزی اور شہروں کی بربادی کی نوبت پہنچ گئی۔ اس لیے بعض عمراء فقہی مناظرے کی طرف مائل ہوئے۔ بالخصوص ان کا میلان اس طرف زیادہ ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں جو اولیٰ ہو اس کا اظہار کیا جائے۔ اب لوگوں نے علمِ کلام اور دوسرے علوم کو چھوڑ دیا اور خصوصیت کے ساتھ ان مسائل پر جھک پڑے جو امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہ کے درمیان مختلف فیہ تھے اور امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کے ساتھ اختلاف کرنے میں تساہل سے کام لیا۔

ان لوگوں کا نفس اگرچہ ان کو یہ دھوکا دیتا تھا کہ ان مناظرات سے ان کا مقصد دقائقِ شریعت کا استنباط، عللِ مذاہب کا اثبات اور اصول فتاویٰ کی تمہید ہے لیکن ان کے لیے اس کا اصل محرک امراء کی خوشنودی تھی۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس معاملے میں وہی حجت ہیں کیونکہ وہ ان کے رؤساء میں تھے اور نہایت تیز زبان اور دقیق النظر

تھے۔ اس کے بعد ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھا تو انہوں نے ان دلفریب مناظر اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کی۔ درحالت نفسیہ کے عیوب کے اظہار کے لیے ہم کو اس سے زیادہ بہتر شخص نہیں مل سکتا جو خو[د] اس میں مبتلا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے نفس کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ طلب حق کے لیے باہمی تعاون دین ہے۔ کیونکہ اس کے لیے آٹھ شرطیں ہیں:

(۱) چونکہ یہ فروض کفایہ سے ہے اس لیے اس میں اس شخص کو مشغول نہیں ہونا چاہیئے جو فروضِ اعیان سے فارغ نہ ہوا ہو۔ اور جس شخص پر فرض عین باقی ہے اور وہ فرض کفایہ میں مشغول ہوا اور اس نے یہ خیال کیا کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ کذّاب ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خود نماز کو چھوڑ کر کپڑوں کے حاصل کرنے اور ان کے بننے میں مشغول ہو جائے اور یہ کہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس شخص کی ستر پوشی کروں جو برہنہ نماز پڑھتا ہے اور کپڑا نہیں پاتا۔ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے اور اس کا واقع ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ فقیہ کا خیال یہ ہے کہ جن نوادرِ مسائل سے علم الخلاف میں بحث کی جاتی ہے ان کا وقوع ممکن ہے۔ لیکن جو لوگ مناظرہ میں مشغول رہتے ہیں وہ ان امور کو چھوڑ دیتے ہیں جو بالاتفاق فرض عین ہیں۔ جس شخص کو فی الحال ودلیعت واپس کرنا ہو اور وہ نماز کو چھوڑ کر جو خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے، اس کے واپس کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو، وہ اس کے ساتھ گنہگار ہوا۔ اس لیے کسی شخص کے فرمانبردار بندہ ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ اس کا فعل طاعات کی جنس سے ہے جب تک کہ اس میں وقت، شرط اور ترتیب کا لحاظ نہ رکھے۔

(۲) مناظرہ سے زیادہ کسی فرض کفایہ کو اہم نہ سمجھے۔ لیکن اگر اس نے کسی فرض کفایہ کو اس سے زیادہ اہم سمجھا اور اس کے علاوہ دوسرے فرض کو انجام دیا تو اس فعل پر گنہگار ہوا اور اس کی مثال اس شخص کی مثال ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت دیکھی جو قریب بہ ہلاکت تھی اور لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا اور وہ پانی پلا کر ان کو زندہ رکھ سکتا تھا لیکن وہ فنِ حجامت کے سکھانے میں مشغول ہوا اور یہ خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ میں سے ہے، اور اگر شہر اس فن سے خالی ہو جائے گا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ لیکن جب اس سے کہا گیا کہ شہر میں حجاموں کی ایک جماعت موجود ہے اور وہ کافی

Marfat.com

ہے تو اس نے کہا کہ یہ اس کے فرض کفایہ ہونے سے اس کو نہیں نکالتا۔ تو جو شخص ایسا کرتا ہے اور مسلمان پیاسوں کی جماعت کے واقعۂ حال کو چھوڑ دیتا ہے اس کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جو مناظرہ میں مشغول رہتا ہے۔ حالانکہ شہر میں اور بھی بہت سے فروضِ کفایہ چھوٹے ہوئے ہیں اور ان کو کوئی انجام نہیں دیتا۔ ان سب سے قریب ترطب ہے۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی۔

(۲) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیئے جو اپنی رائے سے فتوے دے نہ کہ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ حق امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں ہے تو اس مسئلہ کو چھوڑ دے جو امام شافعیؒ کی رائے کے موافق ہے اور جو رائے اس کو حق معلوم ہوتی ہے اس کے مطابق فتوے دے۔ لیکن جس شخص کو اجتہاد کا درجہ حاصل نہیں ہے، اور ہر اہلِ زمانہ کا حال یہی ہے۔ تو اس کو مناظرہ سے کیا فائدہ؟ درآنحالیکہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ دوسرے مذہب کے موافق فتویٰ نہیں دے سکتا۔

(۳) صرف اس مسئلہ کے متعلق مناظرہ کرے جو واقع ہو اور زیادہ تر قریب الوقوع ہو۔ لیکن یہ لوگ ان مسائل کے انتخاب میں، جن کی ضرورت عام طور پر پیش آتی ہے، اہتمام نہیں کرتے بلکہ صرف ان طبولیات کی جستجو کرتے ہیں جو سُنے جاتے ہیں اور اس میں جو کچھ بھی ہو، مناظرہ کی بہت زیادہ گنجائش ہوتی ہے اور جو مسائل کثیر الوقوع ہیں اُن کو بسا اوقات چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خبر یہ مسئلہ ہے یا زوایا سے ہے، طبولیات سے نہیں۔

محفلوں اور اکابر و سلاطین کے سامنے سے زیادہ مناظرہ کو خلوت میں پسندیدہ ہونا چاہیئے، کیونکہ خلوت میں سمجھ میں انتشار نہیں پیدا ہوتا اور ذہن و فکر کی صفائی اور ادراکِ حق سے اس کو زیادہ موزونیت ہوتی ہے۔ مجمع کے سامنے ایسے اسباب پیش آتے ہیں جو محرکاتِ ریاء کو تحریک دیتے ہیں اور ہر شخص کے لیے چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر، اپنی مدد کرنا واجب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ مجامع و محافل کے حریص خدا کے لیے نہیں ہوتے

Marfat.com

بلکہ ان میں کوئی اپنے حریف کے ساتھ مدتوں خلوت میں رہتا ہے اور اس سے کلام نہیں کرتا اور بسا اوقات اس کے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اور وہ اس کا جواب نہیں دیتا لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر ممکن تدبیر اس کی کرتا ہے کہ اس کو خاص طور پر گفتگو کرنے کا موقع ملے۔

(۶) حق کی جستجو میں اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جو گم گشتہ چیز کی تلاش کرتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ وہ گم گشتہ چیز اس کے ہاتھ لگے گی یا اس کے معاون کو ملے گی۔ وہ اپنے رفیق کو معاون سمجھے حریف نہ سمجھے اور جب وہ اس کی غلطی بتادے اور اس کے لیے حق کو ظاہر کردے تو وہ اس کا شکر گذار ہو۔ لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرہ کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ جب ان میں کسی کے حریف کی زبان سے حق ظاہر ہوتا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کو شرمندگی لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے انکار میں اپنی انتہائی قدرت سے کام لیتا ہے۔ اور جو شخص اس کو چپ کر دیتا ہے عمر بھر اس کی برائی کرتا ہے۔

(۷) جس شخص سے مناظرہ کرے اس کو دلیل سے دوسری دلیل کی طرف اور ایک مثال سے دوسری مثال کی طرف انتقال کرنے کی ممانعت نہ کرے۔ اور اپنے کلام سے مناظرہ مبتدعہ کے تمام مفید و مفر دقائق کو نکال ڈالے۔ مثلاً اس کا یہ قول کہ "اس کا ذکر میرے لیے ضروری نہیں" اور "یہ میرے پہلے کلام کے مناقض ہے اس لیے مجھ سے قبول نہیں کیا جائے گا۔" کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے مناقض ہے اور حق کا قبول کرنا واجب ہے۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ تمام محفلوں کا خاتمہ مدافعات و مجادلات پر ہوتا ہے۔

(۸) ایسے شخص سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی توقع ہو اور وہ علم میں مشغول ہو۔ لیکن اکثر یہ لوگ فحول و اکابر کے مناظرے سے اس ڈر سے احتراز کرتے ہیں کہ حق ان ہی کی زبان سے ظاہر ہو گا اور ان سے کم درجہ کے لوگوں کی طرف مائل ہوتے ہیں تاکہ ان میں اپنے باطل کو رواج دے سکیں۔ الخ (ملخصاً)

اس کے بعد امام غزالیؒ نے اس کے ساتھ ایک اور فصل شامل کی ہے جس میں مناظرہ کی

آفتیں بیان کی ہیں اور ان میں حسب ذیل آفتوں کو بیان کیا ہے :

(۱) حسد۔

(۲) لوگوں پر تفوّق حاصل کرنا یہاں تک کہ یہ لوگ بعض مجالس میں بلندی، پستی اور صدر کے مسند سے قرب و بعد اور تنگ راستوں میں پہلے داخل ہونے کی خواہش پر جھگڑتے ہیں۔ اور ان میں بعض غبی اور مکّار لوگ یہ حیلہ تراشتے ہیں کہ وہ علم کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں اور مسلمان کو اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ لوگ تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی تعبیر مذہب کی عزت سے کرتے ہیں تاکہ ایک نام میں تحریف کریں اور لوگوں کو اس کے ذریعہ سے گمراہ کردیں۔

(۳) حقد یعنی سخت اور مخفی دشمنی جس سے تقریباً کوئی مناظر خالی نہیں ہوتا۔

(۴) غیبت، کیونکہ ہر مناظر اپنے حریف کے کلام کی نقل اور اس کی مذمّت ضرور کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنا تحفظ اس قدر کرتا ہے کہ اس کی نقل و حکایت میں صداقت سے کام لے اور اس سے نقل کرنے میں جھوٹ نہ بولے۔ لیکن لازمی طور پر اس سے ایسی چیزیں نقل کرتا ہے جس سے اس کے کلام کا قصور، اس کا عجز اور اس کے فضل کا نقصان ثابت ہو اور اسی کا نام غیبت ہے۔

(۵) تجسّس اور لوگوں کی برائیوں کا ٹوہ لگانا۔ کوئی مناظر اپنے ہم سروں کی لغزشوں کی تلاش اور اپنے حریفوں کی برائیوں کے ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب اس کو اپنے شہر میں کسی مناظر کے آنے کی خبر ہوتی ہے تو وہ ایسے شخص کی جستجو کرتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی خبر دے اور وہ سوال کر کے اس سے نتائج نکالتا ہے جن کو بوقت ضرورت اس کی رسوائی اور شرمساری کے لیے اپنے لیے ایک سرمایہ خیال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے بچپن کے حالات اور اس کے بدن کے عیوب تک کا انکشاف کرتا ہے تاکہ اس کی کسی لغزش یا اس کے کسی عیب مثلاً گنج ... نف ہو جائے۔ پھر جب اس کا ادنیٰ سا غلبہ بھی محسوس کرتا ہے تو اگر وہ رکھ رکھاؤ کا آدمی ہوتا ہے تو تعریضاً اس کا اظہار کرتا ہے اور اس کی یہ تعریض مستحسن خیال کی جاتی ہے، اور

Marfat.com

گالی گلوچ کے لطائف میں شمار کی جاتی ہے لیکن اگر وہ سفیہ اور مسخرا ہوتا ہے تو علانیہ اس کا اظہار کرتا ہے، جیسا کہ اکابر مناظرین سے منقول ہے۔

(۶) لوگوں کے رنج سے خوشی اور ان کی خوشی سے رنج۔ کیونکہ جو شخص اظہارِ فضل کے ذریعہ سے تفاخر حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو اپنے مقابل حریفوں کے رنج پر لازمی طور پر مسرت ہوتی ہے۔ ان کے درمیان سَوتوں کی طرح بُغض ہوتا ہے، جس طرح ایک سَوت دوسری سَوت کو جب دُور سے دیکھتی ہے تو اس کا جسم کانپنے لگتا ہے اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے، اسی طرح جب ایک مناظر دوسرے مناظر کو دیکھتا ہے تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے اور اس سے اس کو اضطراب لاحق ہو جاتا ہے اور ایسی ناگواری کا اظہار کرتا ہے گویا وہ شیطان یا کسی درندہ جانور کو دیکھتا ہے۔

(۷) نفاق جس پر یہ لوگ مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ حریفوں، ان کے دوستوں اور ان کے ساتھیوں سے ملتے ہیں اور مجبوراً زبان سے دوستی، شوق، اور ان کے مرتبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن مخاطِب اور مخاطَب اور ہر وہ شخص جو اُن سے یہ سنتا ہے، جانتا ہے کہ یہ جھوٹ، زُور، نفاق اور فجور ہے کیونکہ یہ لوگ زبان سے دوست اور دل سے باہم دشمن ہیں۔

(۸) حق سے رُوگردانی، اس کی کراہت اور اس کے متعلق جھگڑنا، یہاں تک کہ مناظر کے لیے سب سے زیادہ مبغوض چیز یہ ہے کہ اس کے فریق کی زبان سے حق کا اظہار ہو اور جب وہ اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ اپنی انتہائی کوشش سے اس کے انکار کے لیے مستعد ہو جاتا ہے اور اس کے رَد کرنے کے لیے انتہائی مکر، فریب اور حیلہ سے کام لیتا ہے تا آنکہ حق کے متعلق جھگڑنا اس کی طبعی عادت بن جاتا ہے۔ اس لیے جب کوئی کلام سنتا ہے تو اس کی طبیعت میں اس پر اعتراض کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس حد تک کہ ادلّہ قرآن اور الفاظِ شرع کے متعلق بھی اس کے دل پر اس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ ایک کو دوسرے سے مخلوط کر دیتا ہے۔

(۹) ریاء، لوگوں کا لحاظ اور ان کے دل اور ان کے چہروں کے مائل کرنے کی کوشش۔ ریاء ایک ایسا سخت مرض ہے جو اکبر الکبائر کا محرک ہوتا ہے اور مناظر کا مقصد صرف یہ ہوتا

ہے کہ لوگوں میں نمایاں ہو اور لوگ اس کی تعریف کریں۔

مناظرہ کے یہ عظیم الشان نتائج ہیں جو فقہاء کو اس سطح سے گرا دیتے ہیں جس پر متمکن ہونا چاہیئے کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ ہیں اس لیے ان میں کامل ترین اخلاقی اوصاف ہونے چاہئیں۔ لیکن ان مناظرات نے جو خالصۃً لوجہ اللہ نہ تھے ان میں بہت سے فقہاء کو اس حالت تک پہنچا دیا ہے جس کی شرح ایک ایسے شخص نے کی ہے جو اسی حالت میں مبتلا تھا۔ خدا اس کو معاف کرے۔

ابن سبکی نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ ابوحیان توحیدی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوحامد غزالی کو طاہر عبادانی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "جو کچھ تم مجھ سے مجلس مناظرہ میں سنتے ہو اس کو بہت نہ لکھو کیونکہ اس میں جو گفتگو ہوتی ہے اس سے حریف کو چکمہ اور مغالطہ دینا اور اس کی تردید کرنا اور اس پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے ہم خالصۃً لوجہ اللہ تعالیٰ گفتگو نہیں کرتے۔ اگر ہمارا یہ مقصد ہوتا تو طویل گفتگو سے زیادہ ہم خاموشی کی طرف سرعت کے ساتھ قدم بڑھاتے۔ اگرچہ زیادہ تر اس گفتگو میں خدا کا غضب لے کر لوٹتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہم خدا کی رحمت کی وسعت کے بھی متوقع ہوتے ہیں۔

**مذہب اسماعیلی** اس دور کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مصر اور اس کے ملحق شہروں میں مذہب اسماعیلی کا ظہور ہوا جو شیعوں کے مذاہب میں سے ان لوگوں کا مذہب ہے جنہوں نے اسماعیل بن جعفر صادقؒ کے ساتھ موالات کی اور ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر المعروف بالکاظم کو چھوڑ دیا۔ اس لیے عالم اسلامی میں ان کے تین مذہب یعنی زیدیہ، امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ قائم ہو گئے۔ یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے باہم مخالف ہیں لیکن ان سب میں عترت کا شیرازہ سب کو ایک سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہے۔ جب معز لدین اللہ قاہرہ میں آیا، جس کی بنیاد اس کے آنے سے پہلے پڑ گئی تھی لیکن وہ اس کے نام سے منسوب ہوا، تو اس کے ساتھ اس کا سب سے بڑا عالم اور اسماعیلیہ فرقہ کا فقیہ موجود تھا۔ وہ مصر کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں اس لقب کا رواج ہوا، اور نہ اس کے پہلے دارالخلافۃ الکبریٰ، بغداد میں وہ صرف قاضی اکبر تک

محدود تھا۔ یہ قاضی لوگوں کے درمیان وراثت اور دوسرے مسائل میں مذہب اسماعیلیہ کے موافق فیصلہ کرتا تھا اور عترت کی وراثت کا طریقہ بہت سے مسائل میں جمہور کے طریقۂ وراثت سے مختلف تھا جن میں سب سے اہم یہ مسئلہ ہے کہ ان کے یہاں عصبیہ اور عول نہیں ہے۔ بلکہ وہ لوگ اقربیت کو عصبیت کے قائم مقام بتاتے ہیں اور جو شخص میت سے جس قدر زیادہ قریب ہوتا ہے اسی ترتیب سے وراثت دلواتے ہیں چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اس لیے ان کے نزدیک پہلا درجہ ماں باپ اور لڑکوں کا اور دوسرا درجہ دادا بھائی اور بہنوں کا ہے، علیٰ ہذالقیاس۔ اور دُور کا رشتہ دار قریبی عزیز دار کے ساتھ وراثت نہیں پاتا مثلاً اگر میّت ایک لڑکی چھوڑ جائے اور اس کے ساتھ باپ یا ماں میں سے کوئی نہ ہو تو وہ پورے مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ آدھے کی فرض کے ساتھ اور آدھے کی رَد کے ساتھ۔ اس طریقہ پر فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے باپ کی میراث میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔ اور ماں کے ساتھ بھائی یا بہن میں سے کوئی وراثت نہیں پاتا اور عترت کے اس قول کی بناء پر کہ میراث کا اصول قربت ہے، وہ لوگ حقیقی چچا کے لڑکے علاقاتی (عم الاب) چچا پر مقدم کرتے ہیں، حالانکہ چچا چچا کے لڑکے سے زیادہ قریبی ہے اور اس پر طائفہ محققہ کے اجماع سے استدلال کرتے ہیں۔ اس اصول کے موافق ان کے اور بہت سے مسائل ہیں جو جمہور کے مخالف ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول لیا ہے کہ فرائض کو اہل فرائض کے حوالے کرو۔ اس کے بعد جو بچ جائے وہ اس مرد کو دو جو قریب ترین رشتہ دار ہو اور بعض اصحاب فرض پر کمی کے داخل کرنے سے عول سے بچ گئے۔

اس مذہب پر قضاءت مصری کی ترتیب کے ساتھ ان کے علماء جامع ازہر میں جس کو انہی نے قائم کیا تھا، اس کا درس دیتے تھے اور اس غرض سے اس مذہب میں کتابیں تالیف کی گئی تھیں اور وہ علماء وطلبہ کو ماہوار وظائف دیتے تھے اور اس کو دعوت کا ایک ذریعہ بنالیا تھا۔ داعی دعاۃ اور اس کے اعوان کا کارنامہ اس پر مستزاد تھا، کیونکہ وہ مذہب اسماعیلی کے اختیار

Marfat.com

کرنے کی طرف نہایت سرگرمی کے ساتھ عوام کو مائل کر رہے تھے۔ لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے نتیجۂ مطلوبہ حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب عوام کے دلوں میں بہت اچھی طرح راسخ ہو گئے تھے۔ اس لیے ان دونوں مذاہب کے باطل یا ضعیف کرنے کے لیے کوئی قطعی کام جاری نہ کیا جا سکا اور مصر کی قدیم جامع مسجد میں ان دونوں مذاہب کے عالموں کے حلقہ ہائے درس برابر قائم رہے۔

اخیر میں مستنصر کا وزیر ابو احمد بن الافضل اس پر مجبور ہوا کہ اس معاملے میں نرمی سے کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن میں ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے مذہب کے مطابق وراثت دلوائے۔ ایک قاضی اسماعیلی ہو، ایک امامی ہو، ایک مالکی ہو اور ایک شافعی ہو اور ۵۲۵ھ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں متعدد قاضی مقرر کیے گئے۔ جب اس سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو ۵۴۷ھ میں ابوالمعالی مجلی بن جمیع الشافعی صاحب الذخائر قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ اور جب صلاح الدین عاضد کا وزیر ہوا تو دولتِ اسماعیلیہ کے مظاہرہ کو مٹا دیا۔ اس کے قاضی جلال الدین بن ہبتہ اللہ بن کامل صوری کو موقوف کیا اور ۵۶۶ھ میں صدر الدین عبدالملک بن درباس الکردی الشافعی کو قاہرہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ صلاح الدین نے مصر میں مذہب اسماعیلی کے ساتھ جنگ کی اور اس کا نام و نشان تک باقی نہیں چھوڑا۔ ہمارے اور اسماعیلیوں کے درمیان تمام تعلقات منقطع کر دیئے یہاں تک کہ فقہ یا اس کے علاوہ اور علوم میں ہم ان کی کسی کتاب سے واقف نہیں ہو سکتے۔ شافعیہ میں قضاءت کا عہدہ برابر قائم رہا لیکن جب ظاہر بیبرس آیا تو اس نے تعدّد قضاۃ کی بدعت کا دوبارہ اعادہ کیا لیکن ان کو جمہور کے مذاہب شافعی، مالکی، حنفی اور حنبلی میں سے مقرر کیا۔

ہم یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مصر میں اسماعیلی مذہب کی اشاعت میں کس قدر کامیابی ہوئی اور خواص امت میں سے کس قدر لوگوں نے اس کو اختیار کیا۔ البتہ ہم یہ جانتے ہیں کہ عوام پر اس کا اثر کم ہوا کیونکہ مظاہر اسماعیلیہ اور ان کے عقائد سے نفرت کرنے کی خبریں ان سے مروی ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قضاء نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو کفر و الحاد کی علامت قرار دیا اس لیے

Marfat.com

عوام نے اس سے نفرت ظاہر کی اور دعوت کے طریقۂ اخفاء نے اس نفرت کو اور بڑھا دیا اور اس سے ان کے اس اعتقاد کو اور تائید ہوئی کہ وہ اس دین سے خارج ہے جس کو انہوں نے اپنے ائمہ اور علماء سے وراثۃً پایا ہے۔

**تعصبات مذہبی کی اشاعت** گذشتہ دور میں جس بے تعصبی کی روح نے غلبہ پایا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اختلافِ مذاہب کا یہ اثر نہ ہو کہ مختلف مذاہب کے لوگ باہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں۔ چنانچہ ایک شہر میں دو یا اس سے زائد مجتہد ہوتے تھے اور ہر ایک اپنے رفیق کے لیے اجتہاد کو جائز رکھتا تھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔ زیادہ تر جو چیز دیکھنے میں آتی تھی وہ یہ تھی کہ ایک کسی مسئلہ میں دوسرے کی غلطی نکالتا تھا اور اس پر جو نکتہ چینی کرتا تھا اس کے پاس لکھ کر بھیج دیتا تھا یا اس کے متعلق اس سے زبانی گفتگو کر لیتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہر ایک دوسرے کا احترام بلکہ اس کی محبت اور تعریف کرتا تھا۔ چنانچہ امام لیث بن سعدؒ نے امام مالک بن انسؒ کو جو خط لکھا تھا اس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اور امام شافعیؒ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے مسائل پر تنقید کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے دست نگر ہیں۔ وہ امام محمدؒ کی اکثر تعریف کرتے تھے حالانکہ مناظرے میں وہ ان کے سب سے بڑے حریف تھے اور امام احمد بن حنبلؒ سے، جو فقہ میں ان کے شاگرد تھے، کہتے تھے کہ جب تمہارے نزدیک حدیث صحیح ہو تو مجھے اس کی اطلاع دو اور جب حدیث کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے کہ امام مالکؒ روشن ستارہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فقہاء و ائمہ اطہار کے اوپر بے تعصبی اور محبت کی روح کا غلبہ تھا اور وہ اس معاملہ میں اپنے اسلاف صحابہؓ اور تابعینؒ کے مقلد تھے۔ لیکن اس دور نے جس میں تقلیدی روح سرایت کر گئی فقہاء کو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اپنے ائمہ کے مسائل کی مدافعت پر آمادہ کیا اور امراء نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے سامنے مناظرہ کے میدان میں گرم جولان ہوں۔ جس نے اس نتیجہ تک پہنچایا جس کو امام غزالیؒ نے ناپسند کیا ہے۔ ہر فریق جن مسائل کی مدافعت اور ان کے متعلق مناظرہ کرتا تھا، اس کے متعلق تعصب کرنے لگا اور دوسرے کو جیسا کہ وہ خصم کے لفظ سے تعبیر کرتا تھا، اپنا دشمن سمجھنے لگا۔ عوام نے بھی

اس معاملہ میں ان کی تقلید کی اور تقریباً اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر ایک اپنے مخالف مذہب کی تقلید کو اس قاعدے کے بموجب کہ "تقلید میں مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے، امام کے مذہب کا نہیں"، حرام قرار دے۔ لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ قاعدہ کب ایجاد ہوا۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ شافعیہ کی اکثر نمازیں ایک حنفی کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں کیونکہ ایک شافعی اپنے جسم سے خون نکلنے کی وجہ سے وضو نہیں کرتا، اس لیے کہ اس سے اس کے امام کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح ایک حنفی ایک اجنبی عورت کے چھونے سے وضو نہیں کرتا کیونکہ اس سے اس کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور وہ سورہ فاتحہ کی قراءت کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں کہتا، حالانکہ وہ امام شافعیؒ کے نزدیک سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے جس کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس سے اور اس قسم کے اور مسائل سے جب ایک مقتدی اپنے مخالف مذہب رکھنے والے کی اقتدا کرتا ہے تو اس کے دل میں شک پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ ایسا کیونکر کہتے ہیں حالانکہ اجتہاد و اختلاف میں ائمہ نے بے تعصبی برتی ہے اور یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایک مجتہد کا اجتہاد جس نتیجہ تک پہنچائے اس کے لیے اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کے دوسرے نتیجہ کی طرف متجاوز ہونا جائز نہیں۔ اس نظریہ کا اقتضاء یہ ہے کہ میں ہر مجتہد کی نماز کو صحیح سمجھتا ہوں اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقتدا میں امام کے مذہب کا اعتبار ہے مقتدی کے مذہب کا اعتبار نہیں۔ لیکن مذہبی تعصبات نے جماعتوں کے درمیان سختی کے ساتھ حدِ فاصل قائم کر دی اور بعض فقہاء نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ آپس میں ایک دوسرے پر یہ اتہام لگایا کہ بعض مسائل میں ان کے ائمہ نے صریح کتاب و سنّت کی مخالفت کی ہے۔ اور اس پر یہ قاعدہ بنایا کہ اگر قاضی ان کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائے گا۔ لیکن یہ مسائل محلِ اجتہاد نہیں ہیں۔ بہر حال ہم اس موضوع کو طوالت دینا نہیں چاہتے اور ہم نے اس کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے کہ وہ آثارِ تقلید میں سے ایک قدرتی اثر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم یہ دعویٰ کیوں کرتے ہو کہ یہ تقلید کا اثر ہے حالانکہ ابنِ حزم اندلسی نے جو پانچویں صدی میں تھے، تقلید کو بالکل چھوڑ دیا تھا اور اجتہادِ مطلق کے مدعی تھے، باوجود اس کے ان سے زیادہ تیز زبان اور اپنے مخالفین کے متعلق ان سے زیادہ سخت گو ہم نے کسی فقیہ کو نہیں دیکھا۔ چنانچہ فقہ

Marfat.com

میں ان کی کتاب الاحکام لاصول الاحکام اور محلّی کو پیش نظر رکھ کر تم اس کا اندازہ کر سکتے ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ باوجود دعویٰ اجتہاد کے تقلید کی حقیقت سے باہر نہیں تھے کیونکہ وہ داؤد بن علی کے مذہب کے داعی تھے اور ان کے مذہب کی تائید کرتے تھے۔ ان کے شہر کے علماء نے جو ان کی عداوت و مخاصمت کی اس نے ان کو اور تنگ دل بنا دیا۔ اس بناء پر انہوں نے اپنے قلم کو مطلق العنان کر دیا اور ان پر سخت حملے کیے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس طریقے سے ان پر غلبہ حاصل کر رہے ہیں، حالانکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو اور اپنی رایوں کو تباہ و برباد کر دیا، یہاں تک کہ ان کی حیات و ممات دونوں میں ان کا کوئی اثر قائم نہ ہو سکا، حالانکہ ان کی وسعتِ اطلاع اور قوتِ فکر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

**اس دَور کے فقہاء** اس دَور کے فقہاء اپنے ائمہ کے مذاہب کے مکمل کرنے والے خیال کیے جاتے ہیں کیونکہ ان ائمہ سے جو مختلف روایتیں مروی تھیں انہوں نے ان کے درمیان ترجیح دی، ان کے وجوہ و علل ظاہر کیے اور جن مسائل کے متعلق ان ائمہ کی تصریحات موجود نہ تھیں ان علل پر قیاس کر کے ان کا فتویٰ دیا۔ اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان مشاہیر کا تذکرہ کریں جنہوں نے کتابیں لکھیں اور جو کچھ لکھا وہ دَورِ اخیر میں ان کے بعد والوں کے لیے بنیاد ہو گیا۔ اس سلسلے کی ابتدا ہم فقہائے حنفیہ سے کرتے ہیں اور ہم نے ان میں سے بیس فقیہ منتخب کیے ہیں جن کے نام حسبِ ذیل ہیں :-

**کبار فقہائے حنفیہ** (۱) ابوالحسن عبیداللہ بن الحسن الکرخیؒ جو عراق میں حنفیہ کے سردار اور ان کے اکابر کے استاد تھے۔ مختصر اور امام محمد بن حسن کی جامع صغیر اور جامع کبیر کی شرح لکھی۔ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ وہ اس دَور کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ لوگوں نے ان کا شمار مجتہدین فی المسائل میں کیا ہے۔

(۲) ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاصؒ کرخی کے شاگرد تھے اور ان کے بعد سردار ہوئے۔ مختصر کرخی، مختصر طحاوی، جامع امام محمد کی شرح کی۔ ان کی ایک کتاب اصولِ فقہ میں ہے اور ایک کتاب ادب القضاۃ ہے۔ انہوں نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابوجعفر محمد بن عبداللہ البلخی الہندوانیؒ۔ وہ چھوٹے ابوحنیفہ کہے جاتے تھے اور بلخ کے

Marfat.com

ائمہ میں سے تھے۔ ۳۴۳ھ میں بخارا میں وفات پائی۔

(۴) ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی المشہور بامام الہدیٰ۔ ہندوانی کے شاگرد تھے۔ نوازل، العیون والفتاویٰ اور خزانۃ الفقہ تصنیف کی اور جامع صغیر کی شرح لکھی۔ ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو عبداللہ یوسف بن محمد الجرجانی۔ کرخیؒ کے شاگرد تھے۔ چھ جلدوں میں خزانۃ الاکمل تالیف کی اور زیادات، جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرح لکھی۔ خزانۃ الاکمل تمام اصحاب کی تصنیفات کی جامع ہے۔ کافیِ حاکم سے ابتدا کی ہے۔ پھر جامع صغیر، جامع کبیر، پھر زیادات، پھر مجرد، منتقی، مختصر کرخی، شرح طحاوی اور عیون المسائل کو بترتیب جمع کیا ہے۔ انہوں نے ۳۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابو الحسن احمد بن محمد القدوری البغدادیؒ۔ وہ مختصر مشہور کے مصنف ہیں۔ مختصر کرخی کی شرح لکھی ہے اور کتاب التجرید تصنیف کی ہے جو غیر مدلل طور پر ان مسائل پر مشتمل ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ وہ مناظرے میں حسن العبارۃ تھے اور شیخ ابو حامد اسفرائنی الشافعی سے مناظرہ کرتے تھے۔ انہوں نے ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) ابو زید عبیداللہ بن عمر الدبوسی السمرقندیؒ۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علمِ خلاف کو ایجاد کیا۔ ان کی سب سے بڑی تصنیف اسرار ہے اور نظم فی الفتاویٰ اور کتاب تقویم الادلّہ بھی ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ مناظرہ اور دلائل کے استخراج میں وہ ضرب المثل تھے اور سمرقند اور بخارا میں انہوں نے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مناظرات کیے ہیں۔ انہوں نے ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو عبداللہ الحسین بن علی الصیمریؒ۔ وہ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے اور حسن العبارۃ اور جید النظر تھے۔ ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابو بکر خواہر زادہ محمد بن الحسین البخاریؒ۔ وہ عظمائے ماوراء النہر میں تھے۔ مختصر، تجنیس اور مبسوط تصنیف کی اور ۴۳۳ھ میں وفات پائی۔ خواہر زادہ کے معنی ہیں "عالم کا بھانجا" کیونکہ وہ قاضی ابو ثابت محمد بن بخاری کے بھانجے تھے۔

(۱۰) شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد الحلوانی البخاریؒ مصنفِ مبسوط۔ وہ اپنے وقت میں اہلِ بخارا کے

Marfat.com

امام تھے۔ ۴۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسیؒ۔ وہ حلوانی کے شاگرد تھے اور مجتہدین فی المسائل میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ امام، علامہ، حجت، متکلم، مناظر، اصولی اور مجتہد تھے۔ انہوں نے آذرجند کے قید خانے میں پندرہ جلدوں میں مبسوط کا املاء کرایا کیونکہ انہوں نے خاقان کو ایک نصیحت کی تھی اور اس جرم میں ایک کنوئیں میں قید کردیئے گئے تھے۔ وہ اس کنوئیں میں بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے املاء کراتے تھے اور ان کے تلامذہ کنوئیں کے اوپر بیٹھتے تھے۔ اصولِ فقہ میں ایک کتاب شرح سیر کبیر اور شرح مختصر طحاوی ان کی تصنیفات سے ہیں اور ان کی مبسوط حاکم شہید کی کافی کی شرح ہے جو مصر میں چھپ گئی ہے۔ انہوں نے پانچویں صدی کے اخیر میں وفات پائی۔

(۱۲) ابو عبداللہ محمد بن علی الدامغانیؒ۔ عراق میں حنفیہ کی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوگیا۔ وہ صیمری اور قدوری کے شاگرد ہیں۔ بغداد میں قاضی مقرر ہوئے۔ ۴۰۰ھ میں دامغان میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔ ابوالطیب الشافعی ان کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بہت سے تلامذہ میں وہ امام شافعیؒ کے مذہب کے زیادہ عالم ہیں۔ وہ شیخ ابو اسحاق شیرازی الشافعیؒ سے مناظرہ کرتے تھے۔

(۱۳) علی بن محمد البزدویؒ۔ گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی اور جامع کبیر اور جامع صغیر کی شرح کی۔ وہ اصول کی ایک کتاب کے جو اصول بزدوی کے نام سے مشہور ہے، مؤلف ہیں اور فقہ میں غناء الفقہاء ان کی تصنیف ہے۔ وہ حدود ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) شمس الائمہ بکر بن محمد الزرنجریؒ۔ وہ بڑے امام اور حفظ مذہب میں ضرب المثل تھے۔ ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم سیکھا اور ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل الصفارؒ۔ وہ قاضی خاں کے استاد تھے۔ ان کے تمام آباء و اجداد اکابر فقہاء میں تھے۔ انہوں نے ۵۳۴ھ میں بخارا میں وفات پائی۔

(۱۶) طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی النصاب۔ وہ ماوراءالنہر میں حنفیہ کے شیخ اور اکابر مجتہدین فی المسائل میں تھے۔ ان کی مؤلفات میں خزانۃ الواقعات ہے۔

Marfat.com

انہوں نے ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق والوالجیؒ فتاوی والوالجیہ انہی کا ہے۔ انہوں نے ۵۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۱۸) ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الملقب بملک العلماء۔ وہ کتاب البدائع کے مؤلف ہیں جو ایک خوش ترتیب کتاب ہے۔ انہوں نے اپنے شیخ علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی کی کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھی ہے۔ انہوں نے ۵۸۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی المعروف بقاضی خان بہت بڑے امام تھے۔ مشہور متداول فتاوے، واقعات، امالی اور محاضر کو تالیف کیا اور زیادات، جامع صغیر اور خصاف کے ادب القضاۃ وغیرہ کی شرح لکھی۔ ۵۹۲ھ میں وفات پائی۔ وہ طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیے جاتے ہیں۔ تصحیح قدوری میں قاسم بن قطلوبغا کا قول ہے کہ "قاضی خان کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔

(۲۰) علی بن ابی بکر عبدالجلیل الفرغانی المرغینانیؒ صاحب الہدایہ۔ وہ امام، فقیہ اور حافظ تھے اور کتاب المنتقی، نشر المذہب، تجنیس، مناسک الحج، مختارات النوازل اور کتاب الفرائض ان کی تصنیفات سے ہیں۔ انہوں نے ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔

کبار فقہائے مالکیہ

(۱) محمد بن یحیٰ بن لبابۃ الاندلسیؒ اپنے معاصرین میں مذہب کے سب سے زیادہ حافظ، عقد شروط کے عالم اور ان کے علل کے ماہر تھے۔ فتویٰ و فقہ میں ان کے اختیارات، مذہب کے دائرے سے باہر ہیں۔ فقہ میں ان کی متعدد تصنیفات ہیں مثلاً منتخبہ اور کتاب الوثائق۔ ابن حازم فارسی کہتے ہیں کہ "ان کی کتاب منتخبہ کے مثل ہمارے اصحاب کی کوئی تصنیف نہیں۔" ان کا مقصد مسائل مدونہ کی شرح ہے۔ انہوں نے ۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۲) بکر بن العلاء القشیری۔ وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے پھر مصر میں چلے آئے۔ قاضی اسماعیل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً کتاب الاحکام

اسماعیل بن اسحاق کی کتاب کا اختصار ہے اور اس پر اضافہ ہے، کتاب الرد المزنی، کتاب اصول الفقہ اور کتاب القیاس وغیرہ۔ انہوں نے ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو اسحاق محمد بن القاسم بن شعبان الحسنی۔ اپنے وقت میں مصر کے فقہائے مالکیہ کے سردار اور ان میں امام مالکؒ کے مذہب کے سب سے زیادہ حافظ تھے۔ لیکن ان کی کتابوں میں امام مالکؒ کے غرائب قول اور ان لوگوں کے اقوال شاذہ ہیں جو امام مالکؒ کے تلامذہ میں مشہور نہیں ہیں اور ان کے ثقات اصحاب نے ان کی روایت نہیں کی ہے۔ انہوں نے امام مالکؒ کے مذہب کا استقرار کیا اور فقہ میں کتاب الزاہی الشعبانی تالیف کی۔ انہوں نے ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔

(۴) محمد بن حارث بن اسد الخشنیؒ۔ انہوں نے قیروان میں فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر اندلس میں آئے اور وہاں کے علماء سے سنا اور قرطبہ میں توطن اختیار کرلیا۔ وہ فقہ کے حافظ، اس میں متقدم، فتویٰ کے عالم، مسائل میں عمدہ قیاس کرنے والے تھے۔ امام مالکؒ کے مذہب میں اختلاف و اتفاق کے متعلق ایک کتاب اور ایک کتاب امام مالکؒ کی اس رائے کے متعلق لکھی جس میں ان کے تلامذہ نے ان سے اختلاف کیا ہے، اور کتاب الفتیا وغیرہ لکھی۔ انہوں نے ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوبکر محمد بن عبداللہ المعیطی الاندلسیؒ۔ وہ فقہ کے حافظ اور امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے۔ انہی نے امیر المومنین حکم کے لیے ابو عمر الاشبیلی کے ساتھ کتاب الاستیعاب کی تکمیل کی جس کی وجہ یہ تھی کہ قاضی اسماعیل کے بعض تلامذہ نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تھا اور اس کی تبویب کی تھی۔ اور اس کو خاصۃ امام مالکؒ کے اس قول کا، جس میں ان کے کسی شاگرد کا قول ان سے اختلافِ روایت میں شریک نہیں تھا، مجموعہ بنایا تھا۔ مؤلف نے اس کی پانچ جلدیں لکھ لی تھیں لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا۔ لیکن جب حکم کو یہ کتاب ملی تو اس کو دیکھ کر اس نے بہت پسند کیا اور اس کی تکمیل کرانی چاہی۔ چنانچہ اس کے لیے معیطی اور ابو عمر کو بلایا اور ان دونوں نے سو جلدوں میں اس کی تکمیل کی۔ معیطی نے ۳۶۷ھ میں وفات پائی۔

(۶) یوسف بن عمر بن عبدالبرؒ۔ وہ علمائے اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت

Marfat.com

بڑے محدث تھے۔ کتاب الاستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من معانی آثار تصنیف کی۔ جس میں مؤطا کے طرز و الواب کے موافق اس کی شرح کی۔ فقہ میں کتاب الکافی وغیرہ لکھی جو ان کی مہارت پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے ۳۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۷) ابو محمد عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمٰن النفری القیروانی۔ وہ اپنے وقت میں مالکیہ کے امام، ان کے پیشوا، امام مالکؒ کے مذہب کے جامع اور ان کے اقوال کے شارح تھے۔ لوگ اطرافِ ملک سے ان کے پاس سفر کر کے آتے تھے۔ ان کے تلامذہ نہایت برگزیدہ ہوئے اور ان سے بہت سے لوگوں نے علم سیکھا۔ انہی نے مذہب کی تلخیص کی۔ وہ مالک الصغیر یعنی چھوٹے مالک کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے نوادر، الزیادات علی المدوّنہ، مختصر المدوّنہ، تہذیب العتبیہ اور کتاب الرسالہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور کتابیں ہیں۔ انہوں نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو سعید خلف بن ابی القاسم الازدیؒ المعروف بالبراذعی۔ وہ ابو محمد بن ابی زید اور قابسی کے اکابر تلامذہ اور حفاظِ مذہب میں ہیں اور اس میں ان کی تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب التہذیب فی اختصار المدوّنہ ہے۔ اس میں انہوں نے اختصار ابو محمد کے طریقہ کی پیروی کی ہے لیکن اس کو مدوّنہ کے طرز پر ہلایا ہے اور ابو محمد نے جو اضافہ کیا تھا اس کو حذف کر دیا ہے۔ مغرب اور اندلس میں اسی کتاب پر لوگوں کا اعتماد تھا۔ ان کی تصنیفات میں کتاب التمہید لمسائل المدوّنہ بھی ہے جو اختصار ابی محمد اور ان کی زیادات کے طرز پر ہے۔ کتاب اختصار الواضحہ بھی ان کی تصنیف ہے۔

(۹) ابو بکر محمد بن عبداللہ الابہریؒ۔ امام مالکؒ کے مذہب کی شرح، ان کے موافق استدلال کرنے اور ان کے مخالف کی تردید میں ان کی تصنیفات ہیں۔ وہ اپنے وقت میں اپنے تلامذہ کے امام، ثقہ، ثبت اور مشہور تھے۔ بغداد میں فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابن عبدالحکم کی مختصر کبیر اور صغیر کی شرح لکھی۔ وہ اپنے وقت میں عراق میں امام مالکؒ کی رائے کے محافظ تھے۔ ساٹھ سال تک جامع منصور میں درس و فتویٰ دیتے رہے۔ عراق میں قاضی اسماعیل کے بعد تلامذۂ مالکؒ میں کوئی شخص ابہری سا برگزیدہ نہیں ہوا۔ اسی طرح اطرافِ ملک میں ان دونوں کے طبقے میں سحنون کے سوا مذہب میں ان دونوں کا کوئی ہم سر نہ تھا بلکہ ان کے تلامذہ

Marfat.com

اور تمام لوگوں سے زیادہ تھے۔ ان کے پیرو اور لوگوں سے زیادہ افضل تھے اور ان کے طلبہ اور لوگوں سے زیادہ برگزیدہ تھے۔ مذکورہ کتابوں کے علاوہ ابہری کی تصنیفات میں الرد علی المزنی، کتاب الاصول اور کتاب اجماع اہل مدینہ وغیرہ ہیں۔ ان کی موت کے بعد عراق میں امام مالکؒ کا مذہب ضعیف ہوگیا۔ انہوں نے ۳۹۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

(۱۰) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہؒ المعروف بابن ابی زمنین البیری۔ وہ کبار فقہاء اور محدثین میں تھے۔ مغرب فی المدونہ تصنیف کی اور اس کے اشکال اور اس کے نکات میں جو ثقہ تھا اس کی شرح کی۔ اس کے ساتھ اس کے الفاظ کا قصد کیا اور اس کی روایت کو ضبط کیا۔ مدونہ کے مختصرات میں اس کا مثل نہیں ہے۔ کتاب المنتخب فی الاحکام اور کتاب المہذب وغیرہ لکھی۔ ۳۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوالحسن علی محمد بن خلف المعافریؒ المعروف بابن القابسی۔ وہ وسیع الروایہ، علم حدیث، اس کے علل اور رجال کے عالم، فقیہ اور اصولی تھے۔ مفید کتابیں تصنیف کیں مثلاً کتاب المہد فی الفقہ، احکام الدیانہ اور کتاب الملخص المؤطا۔ ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) قاضی عبدالوہاب بن نصرؒ البغدادی المالکی۔ بہت اچھے مناظر اور جید العبارۃ تھے۔ ابہری کے کبار تلامذہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد بغداد سے ناراض ہو کر مصر میں آئے اور مصر نے ان کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں مثلاً کتاب النصر لمذہب امام دار الہجرۃ، والمعونۃ لمذہب عالم المدینۃ، کتاب الادلہ فی مسائل الخلاف اور رسالہ ابن ابی زید اور مدونہ وغیرہ کی شرح کی۔ انہوں نے ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الحضرمیؒ المعروف باللبیدی۔ وہ مشاہیر علمائے افریقہ سے تھے۔ ابن ابی زید اور ابوالحسن القابسی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ ایک بہت بڑی کتاب مذہب میں جو بڑی بڑی دو سو جلدوں سے زیادہ مدونہ کے مسائل اور اس کے بسط میں تھی اور زیادت الامہات اور نوادر الروایات اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار میں لکھی جس کا نام ملخص رکھا۔ انہوں نے ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس الصقلیؒ۔ وہ فقیہ امام اور فرائض دان تھے۔ ہمیشہ جہاد میں مصروف

رہتے تھے اور شجاعت کے ساتھ متصف تھے۔ ایک کتاب فرائض میں تالیف کی اور کتاب جو مدونہ کی جامع تھی اس میں اس کے علاوہ اور امہات کا اضافہ کیا۔ انہوں نے ۴۵۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی۔ اندلس میں علم حاصل کیا، پھر مشرق کا سفر کیا اور وہاں بہت سا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد اپنے ملک میں واپس آئے۔ وہ ابن حزم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے ہیں۔ ان کے متعلق ابنِ حزم کا قول تھا کہ قاضی عبدالوہاب کے بعد اصحابِ مذہب مالکی میں ابوالولید الباجی کا مثل کوئی نہ تھا۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں مثلاً کتاب الاستیفاء شرح الموطا اور موطا ہی کی شرح میں کتاب المنتقی جو استیفا کا اختصار تھی اور کتاب السراج فی علم الحجاج، کتاب مسائل الخلاف، کتاب المہذب فی اختصار المدونہ، کتاب شرح المدونہ، کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول وغیرہ۔ انہوں نے ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالحسن علی بن محمد الربعیؒ المعروف باللخمی قیروانی۔ وہ صفاقس میں آئے۔ فقیہ اور فاضل تھے۔ انہوں نے مدونہ پر ایک بڑی تعلیق لکھی ہے جو مفید اور عمدہ ہے لیکن انہوں نے اس میں اختیار و تخریج کی ہے اس لیے ان کے اختیارات مذہب سے نکل گئے ہیں۔ انہوں نے ۴۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد رشد القرطبیؒ۔ اندلس اور مغرب میں اپنے وقت کے فقہاء کے سردار تھے اور صحتِ نظر، جودتِ تالیف اور دقتِ فقہ میں ان کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی۔ کتاب البیان والتحصیل لما فی المستخرجہ من التوجیہ والتعلیل، کتاب المقدمات لاوائل کتب المدونہ لکھی اور یحییٰ بن اسحاق کی تالیف میں سے ان کی مبسوط کتابوں اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کا، جس کی یحییٰ نے تہذیب کی ہے، اختصار کیا۔ انہوں نے ۵۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی المازری الصقلیؒ۔ اہلِ افریقیہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے۔ شیوخِ افریقیہ میں وہ سب سے آخری شخص تھے جو تحقیقِ فقہ میں مشغول تھے اور اجتہاد اور دقتِ نظر رکھتے تھے۔ فقہ اور اصول میں کتابیں لکھیں اور مسلم اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب التلقین کی شرح کی۔ مالکیوں میں اس کے مثل کسی کی کتاب نہیں۔ امام الحرمین کی برہان کی شرح لکھی اور محصول من برہان الاصول

اس کا نام رکھا۔ انہوں نے ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المعافری الاشبیلیؒ۔ اپنے شہر میں ادب حاصل کیا۔ پھر بلادِ مشرق کا طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے، جن میں ایک امام غزالی بھی تھے، ملاقات کی اور بہت سا فائدہ حاصل کیا۔ مسائل خلاف و اصول و کلام میں مہارت پیدا کی۔ پھر بہت سا علم حاصل کر کے اندلس میں واپس آئے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصنیفات میں سے کتاب احکام القرآن، کتاب المسالک فی شرح الموطا امام مالک اور کتاب المحصول فی اصول الفقہ ہیں۔ انہوں نے ۵۵۳ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی السبتیؒ۔ اپنے وقت میں حدیث و تفسیر کے امام، فقیہ، اصول و احکام کے واقف، شروط کے عاقد اور امام مالکؒ کے مذہب کے حافظ تھے۔ ابن رشد ان کے شیوخ میں ہیں۔ انہوں نے مفید کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں اکمال العلم فی شرح صحیح مسلم۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مشارق الانوار فی تفسیر غریب الموطاء والبخاری ومسلم اور کتاب ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالکؒ وغیرہ ہیں۔ انہوں نے ۵۴۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) اسماعیل بن مکی العوفیؒ۔ وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد سے ہیں۔ بسرحد اسکندریہ میں ان کا خاندان بہت بڑا اور علم میں مشہور رہے۔ وہ شرح التہذیب المعروف بالعونیہ کے مؤلف ہیں جو چھتیس جلدوں میں ہے۔ دیباج کا مؤلف اس کی ایک جلد سے واقف ہوا جو اس سے نقل کی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی بڑی پچاس جلدوں کا ایک ٹکڑا ہے، حرف سجود و تلاوت کی بحث میں شمار کیا گیا تو اس کے ساڑھے پانچ کراریس ستائیس سطروں کی مسطر میں نکلیں (۲۹۷۰ سطریں) انہوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشدؒ الشہیر بالحفید۔ ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی۔ اندلس میں علم، کمال و فضل کے لحاظ سے کوئی ان کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ ان کی بہترین تصنیفات میں کتاب ہدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد فقہ میں ہے جس میں انہوں نے اختلاف کے اسباب و علل بیان کیے ہیں اور نہایت مفید باتیں لکھی ہیں۔ اس لیے ان کے وقت میں اس کتاب سے زیادہ مفید اور اس سے زیادہ

Marfat.com

خوش ترتیب کوئی کتاب معلوم نہیں ہوتی۔ انہوں نے اصول میں مستصفیٰ کا خلاصہ کیا۔ ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو محمد عبداللہ بن نجم بن شاس الجذامی السعدیؒ۔ انہوں نے امام غزالیؒ کی وجیز کی ترتیب پر امام مالکؒ کے مذہب میں ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے الجواہر الثمینہ فی مذہب عالم المدینہ رکھا۔ اس کی خوبی اور کثرتِ فوائد کی بنا پر مصر میں تمام مالکی اس کی طرف سخت مائل تھے۔ انہوں نے ۶۱۰ھ میں وفات پائی۔

**کبار فقہائے شافعیہ** اس دور میں جو اکابر شافعیہ امام شافعیؒ کے مذہب میں تالیف اس کی اشاعت اور اس کی کتابوں کی اصلاح کے ساتھ ممتاز ہوئے اور ان میں اکثر عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے رہنے والے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) ابو اسحاق ابراہیم بن احمد المروزیؒ۔ اپنے زمانہ میں فتویٰ و تدریس کے امام تھے۔ ابن سریج سے فقہ سیکھی اور اس میں ماہر ہوئے اور ابن سریج کے بعد عراق میں ان کو ریاست ملی۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور مزنی کی شرح لکھی۔ بغداد میں ایک زمانے تک درس و فتویٰ دیتے رہے اور ان کے تلامذہ میں بہت سے لوگ برگزیدہ ہوئے۔ اس کے بعد اخیر عمر میں انہوں نے مصر کا سفر کیا اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی اور امام شافعیؒ کے قبر کے قریب مدفون ہوئے۔

(۲) ابو احمد محمد بن سعید بن ابی القاضی الخوارزمیؒ۔ وہ علمی خاندان سے ہیں۔ ابو بکر الصیرفی، ابو اسحاق اور ان دونوں کے طبقے سے فقہ کی تعلیم پائی۔ فقہ شافعیہ میں وہ کتاب الحاوی والعمدۃ القدیمین کے مصنف ہیں۔ ماوردی اور فارانی نے یہ دونوں کتابیں ان سے پڑھی ہیں۔ اصول میں ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہدایہ ہے۔ انہوں نے کچھ اوپر ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابو بکر احمد بن اسحاق الفبعی النیشاپوریؒ۔ فقہ میں انتہائی درجہ کو پہنچے اور کتاب الاحکام تصنیف کی۔ انہوں نے ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو علی الحسین بن الحسینؒ المعروف بابن ابی ہریرہ۔ وہ شیوخ و ائمہ شافعیہ میں سے ایک ہیں۔ ابن سریج سے فقہ سیکھی اور مختصر کی شرح لکھی۔ انہوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) قاضی ابو السائب عتبہ بن عبید اللہ بن موسیٰؒ۔ وہ علمائے ائمہ میں سے ایک ہیں، اور شافعیہ میں

Marfat.com

پہلے شخص ہیں جو بغداد میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ انہوں نے ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۶) قاضی ابو حامد احمد بن بشر المروزیؒ۔ وہ ابو اسحاق کے تلامذہ میں ہیں۔ انہوں نے کتاب الجامع تصنیف کی جو اصول و فروع پر حاوی ہے اور اس میں نصوص و وجوہ مذکور ہیں جو اصحاب شافعی کے نزدیک بہترین کتاب ہے۔ انہوں نے مختصر مزنی کی شرح لکھی اور ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن اسماعیل المعروف بالقفال الکبیر الشاشیؒ۔ وہ ماوراء النہر کے فقہائے شافعیہ میں بہت بڑے فقیہ ہیں۔ اصول فقہ میں ان کی ایک کتاب ہے۔ انہوں نے رسالہ کی شرح لکھی ہے۔ ماوراء النہر میں انہی کے ذریعہ سے فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی۔ انہوں نے ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو سہل محمد بن سلیمان الصعلوکی۔ انہوں نے ابو اسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد نیشاپور واپس آکر قیام کیا اور درس و فتویٰ دیتے رہے۔ انہوں نے ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ الدارکیؒ۔ نیشاپور میں درس دیا اور ابو اسحاق مروزی فقہ کی تعلیم حاصل کی اور عامۂ شیوخ بغداد نے ان سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابو القاسم عبد الواحد بن الحسین الصمیریؒ۔ وہ مذہب کے حافظ اور بہترین مصنف تھے۔ ان کے حلقۂ درس سے ایک جماعت نکلی جس میں ایک ماوردی تھے۔ ان کی تصنیفات میں الافصاح فی المذہب ہے اور کتاب الکفایہ، کتاب فی القیاس والعلل اور ایک چھوٹی سی کتاب ادب المفتی والمستفتی ہے اور ایک کتاب فی الشروط ہے۔ انہوں نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابو علی الحسین بن شعیب السنجیؒ۔ وہ خراسان کے عالم ہیں اور پہلے شخص ہیں جس نے عراق و خراسان کے دونوں طریقوں کو جمع کیا۔ وہ اور قاضی حسین قفال کے برگزیدہ تلامذہ میں ہیں۔ انہوں نے شرح مختصر لکھی، اور امام الحرمین اسی کو المذہب الکبیر کہتے ہیں۔ انہوں نے تلخیص ابن القاص اور فروع ابن الحداد کی شرح بھی کی ہے۔ انہوں نے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) ابو حامد احمد بن محمد الاسفرائنیؒ۔ وہ طریقۂ عراق کے شیخ، مذہب کے امام اور حافظ تھے۔ دارکی سے فقہ کی تعلیم پائی یہاں تک کہ ایک امام ہو گئے اور بغداد میں دین و دنیا کی ریاست ان کو ملی۔

Marfat.com

شرح مزنی کے متعلق ان سے یادداشتیں لکھی گئیں۔ ان کے زمانہ میں اصحاب ابی حنیفہ کے امام ابوعبداللہ الصیمری ان کے معاصر تھے۔ ان کے متعلق قدوری کا قول تھا کہ وہ امام شافعیؒ سے زیادہ فقیہ اور مناظر تھے۔ انہوں نے ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالحسن احمد بن محمد ضبیؒ المعروف بابن المحاملی۔ وہ شیخ ابی حامد کے کبار تلامذہ میں ہیں۔ مجموع، مقنع اور لباب وغیرہ تصنیف کی اور شیخ ابوحامد سے ان کی ایک یادداشت ہے جو ان کی طرف منسوب ہے۔ انہوں نے ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) عبداللہ بن احمدؒ المعروف بالقفال الصغیر۔ وہ کبار فقہائے خراسان میں ہیں۔ مذہب شافعی کے متعلق ان کا مہذب طریقہ، جس کو ان کے تلامذہ نے ان سے سیکھا، نہایت مضبوط، نہایت واضح التہذیب اور نہایت کثیر التحقیق ہے۔ اور وہ خراسان میں ویسے ہی ہیں جیسے ابوحامد اسفرائنی عراق میں تھے۔ انہوں نے ۴۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائنیؒ۔ وہ ائمہ شافعیہ میں بہت بڑے امام ہیں۔ اصولِ فقہ میں ایک یادداشت تصنیف کی۔ انہوں نے ۴۱۸ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالطیب طاہر بن عبداللہ الطبریؒ۔ وہ بہت بڑے امام ہیں۔ بغداد میں ان تک ریاست علمیہ پہنچی اور اہلِ عراق نے ان سے علم حاصل کیا۔ مزنی کی شرح لکھی اور خلافِ مذہب اور جدل میں بہت سی کتابیں لکھیں جن کا مثل کسی کی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا۔ قاضی صیمری کے بعد ربع الکرخی کے قاضی مقرر ہوئے۔ ابوالحسن الطالقانی اور قدوری کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں۔ انہوں نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ۔ وہ فقہ میں حادی اور اقناع کے اور احکام السلطانیہ وغیرہ کے مصنف ہیں۔ بصرہ میں صیمری سے فقہ کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد شیخ ابوحامد الاسفرائنی کی طرف سفر کیا اور دونوں شہروں میں درس دیا۔ انہوں نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابوعاصم محمد بن احمد الہروی العبادیؒ۔ وہ زیادات، مبسوط، ہادی اور ادب القضاۃ کے

Marfat.com

مصنف اور مشکل عبارت اور پیچیدہ کلام لکھنے میں مشہور رہیں۔ انہوں نے اس میں اپنے استاد ابو اسحاق کے طرز کی تقلید کی ہے۔ انہوں نے ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد الفورانی المروزیؒ۔ وہ ابانہ اور عمدہ وغیرہ کتابوں کے مصنف اور ابو بکر قفال کے کبار تلامذہ میں ہیں اور اہل مرو کے شیخ ہیں۔ انہوں نے ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) ابو عبد اللہ القاضی الحسین المروزیؒ۔ انہوں نے قفال سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ امام الحرمین کے استاد ہیں۔ انہوں نے ۴۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) ابو اسحاق ابراہیم بن علی الفیروز آبادی الشیرازیؒ۔ وہ فقہ میں تنبیہ و مہذب کے اور خلاف میں نکت کے اور لمع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ میں تبصرہ کے اور جدل میں ملخص اور معونہ کے مصنف ہیں۔ فصاحت و مناظرہ میں ضرب المثل تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ فقہ کے اصول و تفریع میں وہ ابن سریج کے قائم مقام اور طلبہ کی کثرت میں ان کے مشابہ تھے۔ ابو عبد اللہ الدامغانی الحنفی کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں۔ انہوں نے ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) ابو النصر عبد السید بن محمد المعروف بابن الصباغ۔ وہ شامل، کامل، عدۃ العالم والطریق السالم اور کفایۃ السائل والفتاویٰ کے مصنف ہیں۔ بغداد میں ان کو شافعیہ کی ریاست ملی۔ وہ ابو اسحاق شیرازی کے مشابہ تھے اور وہ پہلے شخص ہیں جس نے نظامیہ بغداد میں درس دیا۔ انہوں نے ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو سعد عبد الرحمٰن بن مامون المتولیؒ صاحب التتمہ جس کو انہوں نے اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ پر تصنیف کیا اور اس میں حدود تک پہنچے۔ فرائض میں ان کی ایک مختصر کتاب ہے اور ایک کتاب خلاف میں ہے۔ انہوں نے شیخ ابو اسحاق کے بعد نظامیہ میں درس دیا۔ ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۴) ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینیؒ المعروف بامام الحرمین۔ اپنے والد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور فقہ، اصول اور کلام میں نیشاپور بلکہ کل مشرق کے امام ہو گئے۔ مکہ میں چار سال تک مجاورت کی اور وہیں سے امام الحرمین کا لقب حاصل کیا۔ جب وہ نیشاپور واپس آگئے تو نظام الملک نے ان

Marfat.com

کے لیے مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ ان کی تصنیفات میں فقہ میں ایک کتاب نہایہ ہے کہ مذہب میں اس کے مثل، جیسا کہ سبکی کا بیان ہے، کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ اور اصولِ فقہ میں ایک کتاب برہان اور ترجیح مذہب شافعی میں ایک کتاب مغیث الخلق ہے۔ ان کے معاصر ابو اسحاق شیرازی نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ انہوں نے ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۵) ابو المحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانیؒ صاحب البحر۔ وہ ائمہ مذہب میں سے ایک امام ہیں اور حفظ میں ضرب المثل ہیں۔ نظام الملک ان کی عظمت کرتا تھا اور ان کو طبرستان اور اس کے دیہاتوں میں سے رویان کا قاضی مقرر کیا۔ وہ ۵۰۲ھ میں مقتول ہوئے۔ ان کی کتاب بحر سے ماوردی کی کتاب حاوی مراد ہے جس کے ساتھ انہوں نے چند فروع جن کو اپنے باپ اور دادا سے حاصل کیا ہے، شامل کیا۔

(۲۶) حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ۔ ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے۔ امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور کوشش کر کے مذہب، خلاف، جدل، اصولِ فقہ، کلام اور منطق میں مہارت حاصل کی اور حکمت اور فلسفہ پڑھا۔ امام الحرمین "بحر زخار" (لبریز دریا) کے لفظوں کے ساتھ ان کی تعریف کرتے تھے۔ امام الحرمین کی وفات کے بعد وہ بغداد گئے اور نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے۔ وہیں مذہب میں بسیط، وسیط، وجیز اور خلاصہ اور اصولِ فقہ میں مستصفیٰ، نخول، ہدایۃ الہدایہ، خلافیات میں ماخذ اور شفاء الغلیل فی بیان مسائل التعلیل وغیرہ کتابیں مختلف علوم میں تصنیف کیں۔ انہوں نے ۵۰۵ھ میں طوس میں وفات پائی۔ غزالی کے بعد کوئی شخص ان کا مثل نہیں پیدا ہوا۔

(۲۷) ابو اسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم العراقیؒ الفقیہ المصری۔ وہ مہذب کے شارح اور مصر کی جامع عتیق کے امام اور خطیب تھے۔ طلب علم میں عراق کا سفر کیا، پھر مصر آئے اور اسی وجہ سے عراقی مشہور ہوئے۔ وہ قاہرہ میں معزز تھے اور وہاں کے فقہاء نے ان سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۵۹۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۸) ابو سعید عبداللہ بن محمد بن ہبۃ اللہؒ المعروف بابن ابی عصرون التمیمی الموصلی۔ وہ دمشق

Marfat.com

میں آکر مقیم ہوئے اور وہاں کے قاضی القضاۃ تھے۔ پہلے موصل میں، پھر بغداد میں فقہ کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد موصل میں درس دیا اور اخیر میں دمشق میں آئے اور ۵۷۳ھ میں وہاں کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصنیفات سے سات جلدوں میں صفوۃ المذہب علی نہایۃ المطلب، کتاب الانتصار، مرشد، الذریعہ فی معرفۃ الشریعہ اور علم خلاف میں تیسیر ہے۔ ان کی ایک کتاب الارشاد فی نصرۃ المذہب ہے جس کی تکمیل انہوں نے نہیں کی۔ ان کے علاوہ اور کتابیں ہیں۔

(۲۹) ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد القزوینی الرافعی۔ وہ وجیز کی شرح کبیر الموسوم بالعزیز فی شرح الوجیز کے مصنف ہیں۔ بعض لوگ اس کا نام فتح العزیز بتلاتے ہیں۔ وہ محرر کے مصنف اور مسند شافعی کے شارح ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی اور کتابیں ہیں۔ ان کے شرف کے لیے ان کی کتاب فتح العزیز کافی ہے کیونکہ وہ ان کتابوں میں سے جن کا مثل نہیں۔ رافعی اپنے زمانہ میں فرد اور فقہ میں عمدۃ المحققین تھے اور درجۂ اجتہاد تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ۶۲۳ھ میں وفات پائی۔

(۳۰) محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف بن مری النووی۔ ۶۳۱ھ میں بمقام نوی پیدا ہوئے۔ وہ آخر المحققین اور اصحاب شافعی میں ان لوگوں میں ہیں جن کو درجۂ ترجیح حاصل تھا۔ انہوں نے کتاب الروضہ تصنیف کی جو شرح کبیر رافعی کا اختصار ہے اور اس سے اپنی کتاب المسمی بالمنہاج کا اختصار کیا۔

---

Marfat.com

# چھٹا دَور

## فتح بغداد سے جو ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوئی ابتک یہ دَور تقلیدِ محض کا ہے

**سیاسی صورت حال** ترکی یا تورانی قوم کو جو ایک بہت بڑی قوم ہے اور مختلف قبائل سے مرکب ہے، جب بلاد اسلامیہ میں جانشگری کے اسباب میسّر ہوئے تو اس نے اس کے اصلی ممالک کے علاوہ اس کے بہترین مقامات پر قبضہ کر لیا اور اپنے راستے میں اس نے کوئی ایسی قوّت نہیں پائی جو اس کو اس کی پامالی سے روک دیتی۔ یہاں تک کہ وہ بلادِ شام تک پہنچ گیا۔ یہاں نہر جالوت پر مصریوں نے ان کا مقابلہ کیا جن کی سپہ سالاری مظفر قطر ممالیک بحریہ کا تیسرا بادشاہ کرتا تھا، اور ان کو سخت شکست دی جس کی وجہ سے مصر اور شام ان کے غلبہ سے محفوظ رہ گیا۔ لیکن باوجود ان کی کامل فتح اور اکثر بلادِ اسلامیہ پر غلبہ حاصل کرنے کے اسلامی قوّت نے ان کی گردن جھکا دی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے میں تو ان کی قسم شمالی جو نہر تل پر مقام سرائے میں تھی اور قسم غربی جو بغداد اور ایرانی ممالک میں رہتی تھی، دونوں برابر تھیں۔ لیکن قسم شمالی نے ایک صدی پیشتر اسلام قبول کر لیا تھا۔ مصر و شام پر جن کا قبضہ تھا وہ بھی ترکی قوم تھی اور یہی لوگ ممالیک کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح مغربی ممالک کے علاوہ جن میں بربرۂ مغرب کی سلطنت قائم تھی، تمام ممالکِ اسلامیہ میں ترکوں کا اقتدار قائم ہو گیا اور آٹھویں صدی کی ابتدا میں ترکی ایشیا میں ایک بلند ہمت اور بہادر آدمی یعنی عثمان کجق جو ایک قبیلہ کا سردار تھا، نمایاں ہوا اور اس نے اپنی قوم کے لیے بقایائے آلِ سلجوق کے کھنڈر پر جو ہمیشہ ایشیائے وسطیٰ میں رہتے تھے، ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد اس کی اولاد ان چھوٹے چھوٹے ملکوں پر، جو ان کے متّصل تھے، قبضہ کرتی رہی، یہاں تک کہ ان کی

Marfat.com

بڑی سلطنت قائم ہوگئی۔ اس کے بعد انہوں نے یورپ پر حملہ کیا اور اس کے ایک بڑے حصے پر قابض ہوگئے۔ نویں صدی کے نصف حصے میں ان کے ہاتھوں شہر قسطنطنیہ فتح ہوا جو بعد کو ان کا دار السلطنت ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں پر حملہ کیا جن میں سب سے بڑی سلطنت مصری سلطنت تھی جو خلافتِ اسلامیہ عباسیہ کا مرکز تھی۔ اس پر غلبہ حاصل کر کے آخری خلیفہ عباسی کو وہاں سے ہٹا دیا اور اس کے بعد ان کے بادشاہ خلفاء کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اس طور پر خلافت قاہرہ سے منتقل ہوکر قسطنطنیہ میں آگئی اور مصر ایک عثمانیہ ملک ہوکر دفعتہً سیاسی اور علمی حیثیت سے اپنے مقامِ بلند سے گر گیا۔ لیکن دولتِ عثمانیہ آگے بڑھی اور قوت نے اس کو مدد دی، یہاں تک کہ بڑے بڑے اسلامی ممالک اس کے زیر اقتدار آگئے اور اس کی عظمت کے سب سے بڑے وقت میں بلادِ اندلس میں اسلام کا چراغ جو آٹھ صدی تک علم و ادب کے ساتھ روشن رہ چکا تھا، بجھ گیا اور تیرہویں صدی کے آغاز میں تقدیر الٰہی نے مصر میں ایک نہایت بلند رتبہ اور صحیح الرائے شخص یعنی محمد علی کو پیدا کیا اور مصر نے اس کو اپنا امیر اور اپنی کشتی کا ناخدا انتخاب کیا اور اسی وقت سے مصر نے اپنی قوت اور اپنے درجہ کو واپس لینا شروع کیا۔ اسی زمانہ میں یورپ اسلام کے اقتدار سے لڑنے کے لیے کھڑا ہوا اور علم نے اس کے اکثر ارادوں کو پورا کیا اور اب تک یہ نزاع قائم ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس کا انجام کس کے حق میں مفید ہوگا۔

**اس دَور میں اجتہاد** اس دَور میں لکھنے کے لیے مجھے کوئی چیز واضح طور پر نظر نہیں آتی کیونکہ اس میں اجتہاد کی ہوائیں رک گئیں اور اس میں ایسے امتیازات موجود نہیں جو لکھنے والے سے لکھوائیں اور بولنے والے سے بلوائیں۔ پہلے دَور میں جب کہ خداوند تعالیٰ اپنے شرائع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر وحی کرتا تھا اور خداوند تعالیٰ جو کچھ نازل کرتا تھا آپؐ اس کی تبلیغ کرتے تھے اور لوگوں کے لیے اس کو بیان فرماتے تھے، اور دوسرے اور تیسرے دَور میں جب کہ صحابہؓ اور تابعینؒ خدا کی کتاب، اس کے رسول کی سنّت اور رائے صحیح سے استنباط کے طریقے بناتے ہیں۔ اور چوتھے دَور میں جب کہ کبار ائمہ اور بڑے بڑے فقہاء پیدا ہوکر اس پھل کو توڑنے اور مفصل طور پر احکامِ شریعت کو جمع کرنے لگے۔ اور پانچویں دَور میں جب کہ ترتیب و تہذیب اور احتیاط و ترجیح کا دَور تھا، گفتگو کی وسیع گنجائش تھی۔ لیکن اس

Marfat.com

اخیر دَور ہیں جس کی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں، ایک کہنے والا کیا کہہ سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ دَور ہم سے ملا ہوا ہے اور ہم کو اپنے اسلاف صالحین کی اقتداء کے لیے اٹھنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہم اس دَور کے عیوب کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ عیوب جب ظاہر ہو جاتے ہیں تو جو لوگ صاحبِ فکر اور صاحبِ مقدرت ہیں ان کے لیے اس کی تدبیر کے لیے آمادہ ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔

**تقلیدِ جامد**

(۱) اس دَور کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح جاگزیں ہوگئی۔ چنانچہ چند علماء کے علاوہ ہم کو کوئی عالم ایسا نظر نہیں آتا جو رتبۂ اجتہاد کو پہنچا ہو اور وہ بھی اس دَور کے نصف اوّل میں۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ قاہرہ بغداد کا قائم مقام بنا اور سلطنتِ عباسیہ اور خلافتِ عباسیہ کا مرکز ہوا۔ اس زمانے میں وقتاً فوقتاً ایسے لوگ پیدا ہوئے درجۂ اجتہاد تک پہنچے۔ تاہم وہ مشہور ائمہ کے انتساب کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے۔ لیکن اس دَور کے نصف ثانی میں جو دسویں صدی کی ابتداء سے شروع ہوا حالت بدل گئی اور نشانِ راہ میں تغیر واقع ہو اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لیے اختیار و ترجیح جائز نہیں۔ اس کا زمانہ گذر گیا۔ قدماء کی کتابوں ا لوگوں کے درمیان دیوار حائل ہوگئی ہے اور ان کو صرف ان کتابوں پر قناعت کرنی چاہیے جو ان کے سامنے ہیں اور عنقریب ہم ان کتابوں کا حال لکھیں گے۔

جب ہم اس حالت کی طرف واپس آتے ہیں جو سلطنتِ مصر کے مفتوح اور خلافت کے منتقل ہونے سے پہلے اس کی تھی، تو ہم کو عز بن عبد السلام، ابن الحاجب، ابن دقیق العید، ابن الرفعہ، ابن تیمیہ، سبکی، ابن سبکی، ابن القیم، بلقینی، اسنوی، کمال، ابن الہمام، جلال الدین المحلی اور جلال الدین سیوطی کے نام ملتے ہیں اور یہ لوگ مذاہب اربعہ کے بہترین لوگوں میں تھے۔ اس کے بعد ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو کسی بڑے عالم، بڑے فقیہ اور عمدہ مصنف کا نام نہیں سنتے بلکہ ایک ایسی قوم کو پاتے ہیں جس پر قناعت فی الفقہ کا غلبہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ تم کو ایسے کم لوگ ملیں گے جو اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب میں مشغول ہوں۔ اور جب اپنے مذہب میں بھی مشغول ہوتے ہیں تو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرتے ہیں جن میں اس قدر اختصار ہے کہ گویا وہ سمجھنے کے لیے نہیں لکھی گئیں۔ غالباً سبب زوال

Marfat.com

نے علم بالخصوص مذہبی علم کو ایک نہایت گہرے غار میں گرا دیا اور مصر نے جب اپنے شرف کو دوبارہ واپس لینا شروع کیا تو اس کو ایسے مواقع پیش آئے جن کو ہم بیان کرتے ہیں۔

(۲) اسلامی شہروں کے علماء کے تعلقات کا منقطع ہونا۔

گذشتہ دَور کے فقہاء میں کوئی فقیہ، فقیہ کا لقب اور کامل احترام صرف اس وقت حاصل کرتا تھا جب وہ اپنے شہر کے علماء کے علاوہ سفر کر کے اور شہروں کے علماء سے کسبِ علم کرتا تھا۔ چنانچہ ان میں بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے اپنے شہر میں قیام کیا اور پھر ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا گیا۔ کبار ائمہ اور محدثین کی تاریخ پر نظر ڈالو تو تم سب کو مشغول سفر پاؤ گے۔ ابھی ایک شہر میں اترے تھے کہ حدیث و فقہ کے حاصل کرنے کے لیے دوسرے شہر کو روانہ ہو گئے۔ زمانۂ حج میں ان لوگوں کا اجتماع مکہ میں ہوتا تھا اور ہر ایک کے پاس علم، حدیث اور فکر کا جو سرمایہ ہوتا تھا اس سے دوسرا فائدہ اٹھاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے کے علماء میں کامل تعارف ہوتا تھا اور باوجود مشکلات سفر کے یہ ان کے احباب میں اضافہ اور ان کے دوستانہ تعلقات کو قوی کرتا تھا۔ لیکن دَور بالخصوص اس کے آخری حصے میں مختلف شہروں کے علماء کے تعلقات منقطع ہو گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ ایک مصری عالم تقریباً ایک ہندوستانی عالم کا نام نہیں سنتا تھا۔ اور ایک ہندوستانی عالم ایک مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا، علی ہذا القیاس البتہ ان میں کسی کی کتاب پہنچ جاتی تھی تو اس موقع پر اس کا نام سُنا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات اس کی کچھ شہرت ہو جاتی تھی۔ سب سے زیادہ درد انگیز بات یہ ہے کہ تم کو زمانۂ حج میں مختلف ملکوں کے علماء ملیں گے لیکن ان میں کوئی اس کی پروا نہیں کرتا کہ دوسرے سے تعارف یا اس سے کوئی رو[illegible] کرے، اور اس طرزِ عمل نے علوم اسلامیہ شرعیہ بلکہ اس کے علاوہ قدماء کے اور علوم کو جن کا دارومدار روایت اور اخذ پر ہے، ضعیف کر دیا۔ صرف یہی کافی نہیں کہ کسی عالم کی رائے سے اس کی کتاب کے ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ کتاب ایک خاموش اور ٹھوس چیز ہے۔ البتہ دوسرے سے [illegible] حاصل کرنا ذہن کو تیز اور فکر کو بار آور کرتا ہے، کیونکہ اس میں بحث و گفتگو کرنی پڑتی ہے۔ ہم اس وقت [illegible] صدی پیشتر کی حرکتِ علمیہ کا وہ حال جانتے ہیں جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان

Marfat.com

ہیں نہیں جانتے ۔

(۳) ائمہ کی کتابوں سے بے تعلقی ۔

ہمارے اسلاف کی یہ عظیم الشان کتابیں جن کو تقدیر نے ہمارے لیے چھوڑ رکھا ہے، صرف ایک یادگار کے طور پر رہ گئی ہیں اور بہت دنوں سے کوئی شخص ان کی اور ان کے درس و تدریس کی پروا نہیں کرتا ۔ امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ وغیرہ ائمہ، ان کے تلامذہ بلکہ پانچویں صدی کے دَور کے ائمہ کی ان کتابوں کی طرف، جو روح کو غذا دیتی ہیں، ہمت کو برانگیختہ کرتی ہیں اور فقیہ کامل پیدا کرتی ہیں، کوئی عا توجہ نہیں کرتا، نہ ان کا درس دیتا، نہ ان سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ بلکہ تم کو بڑے بڑے علماء ملیں جو ان کے نام بھی نہیں سنتے اور جب تمہارے ہاتھ میں ان کتابوں میں سے کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو ک شخص ان کے پڑھنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ ان لوگوں نے صرف ان کتابوں پر اکتفاء کر لیا ہے جو زمانۂ تنز میں لکھی گئی ہیں اور اس طور پر روایتِ صحیحہ مفیدہ کے لحاظ سے ہم میں اور ان کتابوں کے درمیان تعلقا منقطع ہو گئے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی کوئی شخص ہمت بلند کر لیتا ہے تو عمومی یا خصوصی کتب خانوں میں ان سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔ حالانکہ اگر تم ان کا مقابلہ متداول کتابوں کے ساتھ کرو تو تم کو حسنِ سلاستِ اسلوب اور سہولتِ ماخذ کے لحاظ سے دونوں میں بہت زیادہ فرق نظر آئے گا۔ لیک ہمت اور ضعفِ عزم نے ہم کو بٹھا دیا ہے اور قریب ہے کہ وہ ہم کو ہلاک کر دے۔

میں نے شیخ محمد محمود بن التلامید الترکزی الشنقیطی سے پہلی بار ملاقات کی تو انہوں نے ایک سوال کیا کہ "تم نے ادب عربی کس سے سیکھا ہے؟" میں نے جواب دیا کہ "کتابوں سے" بولے کتابیں معلم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔" میں نے کہا "تو اے جناب میں کیا کروں؟ ہم میں اور اسلام کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ اس لیے نہ کوئی معلم ہے، نہ کوئی اسناد کا پہنچانے والا۔ میں آپ کو دیکھ لیا تو یہی میرے لیے کافی ہے۔" میرے اس جواب سے ان کا چہرہ چمک اٹھا اور بولے "انشاء اللہ"۔ لیکن اگر وہ تھوڑا سا غور کرتے تو ہم کو معذور سمجھتے۔ کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے علم کے درمیان تاریکیوں کا زمانہ حائل ہو گیا ہے۔ صرف تھوڑی سی جو تلچھٹ باقی رہ گئی ہے وہ بیا

کو بھاتی ہے نہ مرض سے شفا دیتی ہے۔ اس لیے ہم ایسی ہمت کے کس قدر محتاج ہیں جو ان کتابوں کو ان کی تہوں سے نکالے اور لوگوں کے رُخ کو ان کی طرف پھیر دے تاکہ علوم اسلامیہ میں ہمارے درجے بلند ہو جائیں اور اس وقت ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم میں فقہاء موجود ہیں۔

**مطالب میں خلل انداز اختصار** اختصار صرف اسی دَور کی بدعت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت چوتھے دَور میں بھی موجود تھی کیونکہ ائمہ کے تلامذہ نے ان کے کلام کا اختصار کیا تھا۔ اور اس اختصار میں انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جن مسائل کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی ان کو حذف کر دیا تھا۔ اور ائمہ نے جن چیزوں کو غیر مرتب طور پر لکھا تھا ان کو انہوں نے مرتب کیا تھا۔ بڑے بڑے علماء نے اس معاملہ میں ان کی تقلید کی تھی۔ لیکن اسی دَور کے آخر میں اختصار نے ایک عجیب وغریب روش اختیار کی یعنی یہ کوشش کی جانے لگی کہ بہت سے مسائل تھوڑے سے الفاظ میں جمع کر دیئے جائیں۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کو عربیت کا اچھا سلیقہ نہ تھا اس لیے ان کا کلام معما کے مثل ہو گیا۔ گویا مؤلف سمجھنے کے لیے نہیں لکھتا تھا بلکہ اس لیے لکھتا تھا کہ مسائل کو جمع کر دے۔ اس اختصار کا نمونہ دکھانے کے لیے میں ایک موضوع پر تین کتابوں سے ایک [illegible] نقل کرتا [illegible] ہوں جو کہ تینوں مشہور مذاہب کے طالبان فقہ کی متداول کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ا[illegible] اور یہ موضوع وہ پانی ہیں جن سے طہارت جائز یا ناجائز ہے۔

[illegible] خلیل [illegible] اپنی مختصر میں لکھتا ہے:

[illegible] ناپاکی اور نجاست کا حکم "مطلق" سے اٹھ جاتا ہو اور وہ وہ ہے جس پر بلا قید پانی کا نام صادق آنے [illegible]۔ چاہے وہ شبنم سے جمع کیا گیا ہو، چاہے جم کر پگھلا ہو، یا چوپایہ کا یا حائضہ کا یا جنبی کا چھوڑا یا ان کی طہارت سے بچا ہو، یا زیادہ ہو، اور ایسی نجس چیز سے مخلوط ہو جس نے اسے بدل نہ دیا ہو، یا اس کے ہونے والے کی مضرت میں شک ہو یا چڑے تیل کی قربت سے، یا مسافر کے برتن کے تارکول کی [illegible] سے یا اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اس کے تہ نشین میں کسی ڈالی ہوئی چیز مثلاً مٹی یا نمک سے بدل گیا ہو چاہے وہ قصداً ڈالی گئی ہو، اور نمک سے "سلب" زیادہ راجح ہے۔ اس سے نہیں جس کا رنگ یا مزہ یا بُو کسی ایسی چیز سے بدل گئی ہو جو اس سے عموماً جدا رہتی ہے۔ وہ چاہے

Marfat.com

پاک ہو، چاہے ناپاک مثلاً ملا ہوا روغن یا مصطگی کا بخار اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے۔ اور آب کثیر کے اونٹ کی رسی سے بدلنا معتبر ہے مثل حوض کے مویشی کے گوبر سے یا مثل کنویں کے درخت کے پتوں یا بھس سے، اور جنگل کے کنویں میں ان دونوں سے جواز ظاہر ہے، اور موافق ملنے والے کا حکم مخالف ملنے والے کے مثل قرار دینے میں بحث ہے۔ ایسے پانی سے طہارت کے متعلق جو منہ میں ڈالا گیا ہو، دو قبول ہیں، اور حدیث میں مستعمل مکروہ ہے، اس کے غیر میں شک ہے، اور تھوڑا مثلاً وضو اور غسل کا برتن ایسے نجس سے جس نے بدلا نہ ہو، یا کتے نے جھوٹا کر دیا ہو، اور تھما پانی جس میں غسل کیا جاتا ہو اور شرابی کا جھوٹا یا جس میں اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو، اور جو نجس پانی سے بے میل نہ ہو، اس سے احتراز مشکل ہو تو نہیں، یا غذا ہو مثلاً کشمش، اور اگر اس کے منہ پر سیرابی حاصل کی جائے اس کے استعمال کے وقت اس پر عمل کیا جائے گا؟ اور اگر کوئی جنگلی جانور جس کا خون بہتا ہو، ٹھہرے ہوئے پانی میں مر جائے، اور اس کو نہ بدلے، ان دونوں کے بقدر پانی کا نکالنا مستحب ہو گا، مگر گرا ہو تو نہیں، اور اگر نجس کا تغیر زائل ہو جائے نہ کثرت مطلق سے تو طہوریت اس کے ساتھ مستحسن ہے، اور عدم طہورت ارجح ہے، اور خبر واحد کی قبول کی جائے گی، اگر ان دونوں نے اس کی وجہ بیان کی یا مذہب میں متفق ہوئے، اور نہ کہا کہ اس کا ترک مستحسن ہے اور نجاست پر پانی کہا گیا اس عکس کے مثل ہے[1]۔

یہ وہ تین کتابیں ہیں جو ہمارے زمانے میں تینوں شائع شدہ مذاہب میں سے ایک میں طالب علم کو عالم بناتی ہیں۔ لیکن تم کو نظر آتا ہے کہ بحیثیت تعبیر کے وہ تنہا سمجھ میں نہیں آسکتیں، یہی وجہ ہے کہ وہ شرح کی محتاج ہوئیں اور شرح کو حاشیہ کی ضرورت پڑی۔ اور تم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ موضوع دو ہفتوں سے کم میں پڑھایا جاتا ہو گا۔ اور ان دو ہفتوں کا بڑا حصہ بھی مؤلف کے مقصد کے سمجھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تم کو نظر آتا ہے کہ یہ کتابیں استدلال سے خالی ہیں اور اس طرح غیر تعلیم یافتہ ہیں اس موقع پر اس کے سوا کوئی

---

[1] چونکہ ان عبارتوں کا ترجمہ بالکل غیر مفہوم ہو جاتا تھا، اس لیے ہم نے بقیہ دو کتابوں کی عبارت کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔

Marfat.com

نمایاں فرق نظر نہیں آتا کہ تعلیم یافتہ شخص کو ایسے مسائل معلوم ہیں جو غیر تعلیم یافتہ شخص کو معلوم نہیں۔ لیکن یہ کہ مسئلہ کو اس کے امام نے کیسے دلائل سے کیونکر نکالا ہے، تو تعلیم یافتہ شخص کو بھی اس کا علم نہیں ہے۔ حالانکہ فقہ کا تکملہ صرف اسی طریقے سے ہوتا ہے۔ اور بدیہی طور پر ان کتابوں میں بقیہ ائمہ کے خلاف کا اثر بھی نہیں پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے طالب العلم پر حسنِ فہم کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اس نے ہمارے فقہاء کو ہمارے درمیان نہایت پست رتبہ کر دیا ہے اور وہ عوام سے قریب تر ہوگئے ہیں۔ حنفیہ کی بعض متداول کتابیں مثلاً کتاب البدایہ اور اس کی شرح ہدایہ کو بے شبہ یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان میں دلائل اور اختلافات سے بھی تعرض کیا گیا ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کی کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کے حدود پر آکر ٹھہر گئے تو اس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں۔ اور ایک فقیہ کتنا ہی عالی مرتبہ ہوجائے لیکن اس کے امکان میں یہ نہیں کہ اپنے امام کی مخالفت کرے اور مذہب کے دو قولوں میں سے ایک کو ترجیح دے کیونکہ ترجیح دینے والوں کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اس لیے دلائل میں مشغول ہونے اور دوسرے ائمہ کی رایوں سے واقفیت حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ لیکن ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت ٹھیک ہوتا جب کہ طالب العلم عوام میں سے ہوتا جو صرف کسی حکم کو جاننا چاہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ فقہاء بننا چاہتے ہیں ان کا کم از کم یہ درجہ ہے کہ وہ یہ بھی جانیں کہ ان کے امام نے حکم کو کہاں سے اخذ کیا ہے۔ اگر ان کو اس کے مخالف کی رائے اور طریقۂ استنباط بھی معلوم ہوجائے تو اس سے ان کے علم میں اور اضافہ ہوسکتا ہے۔ اب جب ان کے علم میں ترقی ہوگی تو کون ان کو اُن اسلاف سے کم درجہ قرار دے گا جو خود اپنے پیشرو علماء کے اقوال میں سے، جن کے وہ مقلد تھے، اچھے اچھے اقوال کا اپنے لیے انتخاب کرتے تھے۔ اور جب اس مرکز پر، جس کو جمہور علماء نے پسند کر لیا ہے، درجہ فقیہہ آکر ٹھہر گیا ہے تو قانون شرعی کو یقیناً ضعیف ہوجانا چاہیئے کیونکہ اس کے علماء کوئی رائے اور فکر نہیں رکھتے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ روزانہ کے آثار اس کے واقعی ہونے کی شہادت دیتے رہتے ہیں۔ کیا یہ عجب بات نہیں ہے کہ وہ تمام کتابیں جو دورِ رفعتِ اسلامیہ یعنی چوتھے اور پانچویں دور میں لکھی گئیں، گمنام ہوگئی ہیں اور طلبہ کے ہاتھوں میں صرف وہ کتابیں رہ گئی ہیں جو زمانۂ تاخر، زوال اور عربی زبان کے ضعف کی حالت میں [illegible]۔ طالبانِ اصلاح کے لیے، اگر وہ مخلص ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ ہر چیز سے پہلے اپنے

اسلاف کے آثار سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ وہ آثار خدا کے فضل سے بکثرت ہیں اور ان میں بہت سے نہایت ترقی یافتہ زبان میں لکھے گئے ہیں جو طالب العلم کو اپنی زبان کے بہتر بنانے اور اپنی قوتِ فکر کے ترقی دینے میں مدد دیتے ہیں۔ اور جب قلم سے ان بڑے آثار کے واضح کرنے کا وہ کیا جاتا ہے، جو متعلم کے دل میں فقہ کی متداول کتابوں سے پیدا ہوتے ہیں، تو وہ مبہوت وحیران ہو کر رک جاتا ہے۔

ہمارے یہاں دو موانع ایسے موجود ہیں جو ہمارے درمیان فقہ کو پیدا نہیں ہونے دیتے۔

(اولاً) یہی کتابیں جو ہمارے سامنے ہیں جن کا ہم نے کافی بیان کر دیا ہے۔

(ثانیاً) طریقۂ تعلیم کیونکہ گذشتہ زمانوں میں ایک فقہ کے طالب العلم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتاب وسنت میں جس چیز سے احکام مستنبط کیے جاتے تھے، ان کا احصاء کرتا تھا۔ اس کے بعد اپنے امام کے فتویٰ کے معلوم کرنے میں اپنا اکثر وقت صرف کرتا تھا اور جب درس حاصل کرنا چاہتا تھا تو اپنے ائمہ مذہب کی ان رایوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا جن میں انہوں نے اپنے امام سے اختلاف کیا ہے اور اس مخالفت کے وجوہ بھی معلوم کرتا تھا۔ ان سب کے تکملہ کے بعد دوسرے ائمہ کی رایوں کی جستجو کرتا تھا تاکہ اپنے امام کے مستنبطات کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے جب وہ اس تیسرے درجہ کی تکمیل کر لیتا تھا تو ایک صاحب اقتدار اور صاحب نظر فقیہ ہوتا تھا۔ لیکن ہمارے یہاں مبتدی اور منتہی میں مسائل کی کثرت اور قلت کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور مذہب شافعی میں ابو شجاع کی منہج کی یہی امتیازی خصوصیت ہے۔ لیکن مسائل کی کثرت ایسی چیز نہیں ہے جو نفس میں فقہ کی روح پیدا کر سکے۔ تیسرے درجہ میں جو طالب منتہی کا وہ درجہ ہے جس کی ہم تشریح کر چکے، کا طالب علم صرف فقہ سے سروکار رکھتا تھا اور اس کو دوسرے علوم کے ساتھ مخلوط نہیں کرتا تھا لیکن ہمارے نظامِ درس میں مبتدی اور منتہی کی تعلیم بالکل یکساں ہے۔ جس طرح پہلا بہت سے علوم کے مبادی میں مشغول رہتا ہے وہی حال دوسرے کا بھی ہے۔ اس لیے جب وہ امتحان کے میدان میں آخری کامیابی حاصل کرتا ہے تو نہ وہ فقیہ ہوتا ہے، نہ ادیب، نہ فیلسوف بلکہ

Marfat.com

# تاریخ فقہ اسلامی

از

عبدالسلام ندوی